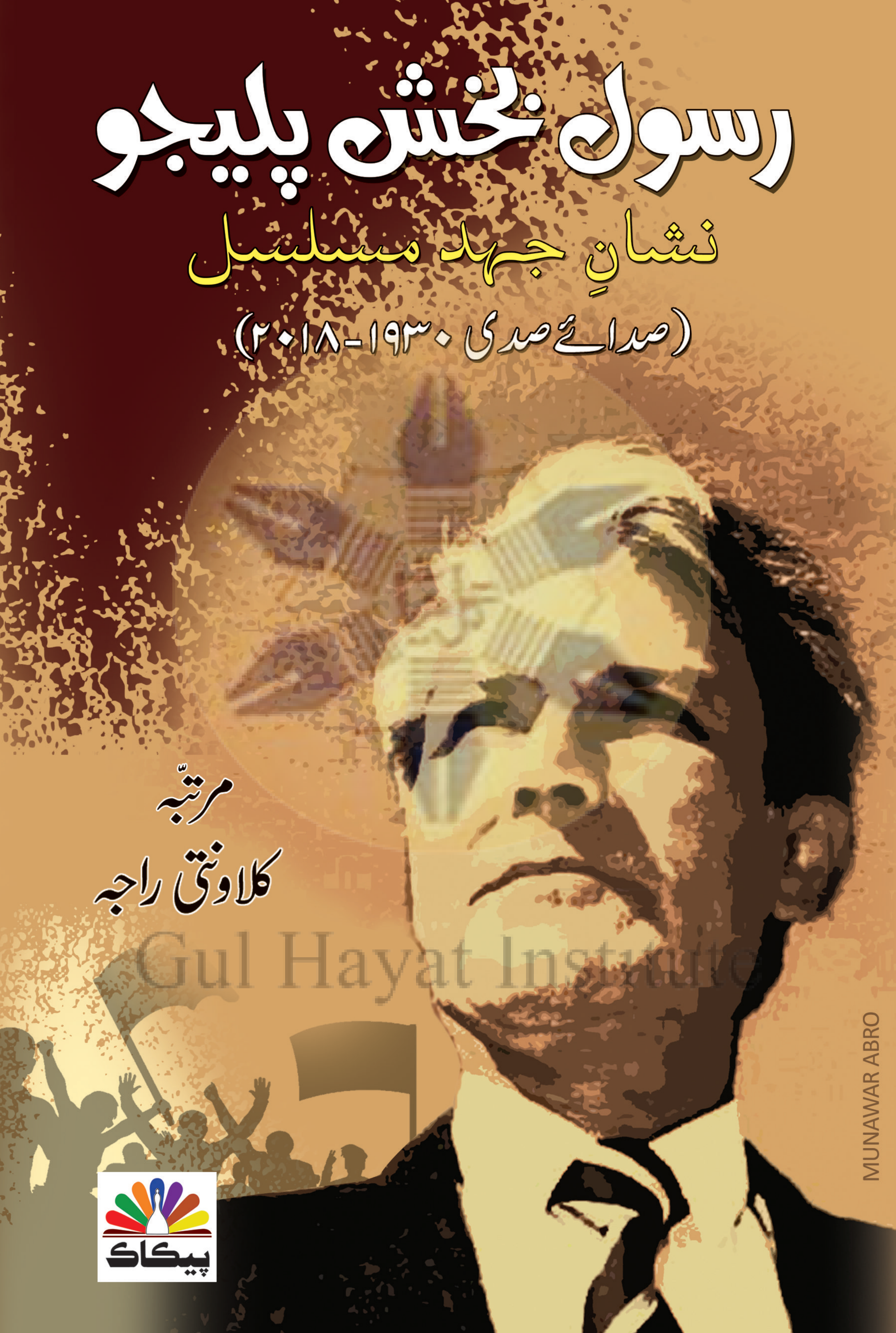

رسول بخش پلیجو

نشانِ جہد مسلسل

(صدائے صدی ۱۹۳۰-۲۰۱۸)

مرتّبہ

کلاونتی راجہ

پیکاک

MUNAWAR ABRO

Gul Hayat Institute

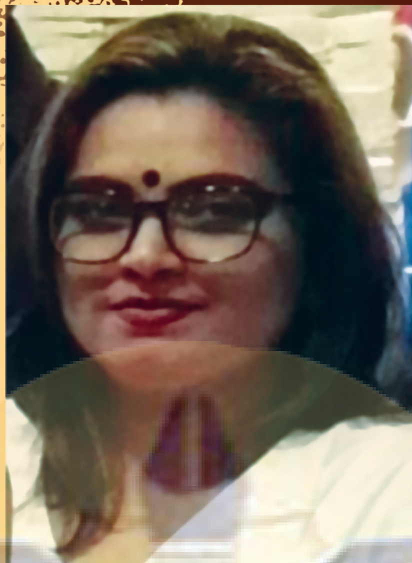

مرتبہ کا تعارف

کلاونتی راجہ ایک سیاسی اور سماجی کارکن ہیں، جو کہ کیمیسٹری میں ماسٹرس ہیں اور گمبٹ (خیرپور) سے تعلق رکھتی ہیں۔

رسول بخش پلیجو کی عوامی تحریک اور سندھیانی تحریک کی مرکزی کمیٹی میں رہیں۔ اور گذشتہ بیس برسوں سے پانی، اقلیتوں، عورتوں اور دیگر عوامی مسائل کی تمام جدوجہدوں کا بھرپور حصہ ہیں۔

پاکستان کے تمام صوبوں کے علاوہ نیپال، بنگلادیش، سری لنکا، تھائی لینڈ، ملائشیا، دبئی، سنگاپور اور امریکا میں کئی سیمینار اور کانفرنسز میں شرکت کی۔

عوامی جدوجہدوں میں حصہ لینا، آگاہی رکھنا، تحریر و تقریر سے اجاگر کرنا اور ان کا رکارڈ رکھنا، ان کا مشغلۂ خاص ہے۔ یہ کتاب ان کی فعال پذیری کا نتیجہ ہے۔

kalavanti.raja@gmail.com

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو

نشانِ جہدِ مسلسل

(صدائے صدی ۱۹۳۰-۲۰۱۸)

مرتبہ

کلاونتی راجہ

Gul Hayat Institute

پیکاک پبلشرز کراچی، سندھ

کتاب نمبر 117

جملہ حقوق بحق مرتبہ و ناشر محفوظ ہیں۔

رسول بخش پلیجو - نشانِ جہدِ مسلسل

مرتبہ: کلاونتی راجہ

اشاعت اول: جون 2019ء

تعداد: 1000 کاپیاں

لے آؤٹ: سید آفاق شاہ

ٹائیٹل: منور ابڑو

قیمت: 750 روپے

مطبع

ایچ اینڈ آر پرنٹرز کراچی

ناشر

پیکاک پبلشرز، سندھ

کتاب ملنے کا پتہ

پیکاک بُک ہاؤس

404 رفیق سینٹر، نزد زینب مارکیٹ

عبداللہ ہارون روڈ، صدر کراچی - سندھ

رابطہ: 021-35680607, 021-35682020

Gul Hayat Institute

انتساب

انقلابی رہبر رسول بخش پلیجو کے نام
جو بنی نوع انسان کی برابری اور بہتری
کے لئے سراپا جدوجہد رہے۔
اور
ان کی روح 'عوامی تحریک' کے
نا جھکنے اور نا رکنے والے کارکنان کے نام
جو ہمیشہ کی طرح پلیجو صاحب کے
قومی، عوامی اور جمہوری راہ
پر جہد عمل رہیں گے۔

-کلاونتی راجہ

Gul Hayat Institute

محترم رسول بخش پلیجو صاحب کو
حبیب جالب کا خراجِ تحسین

چار برس سے جیالا پلیجو جیل میں ہے،
کبھی نہ جھکنے والا پلیجو جیل میں ہے۔

ہم پر لازم ہے اس کی تعظیم کریں،
عزم کا کوہِ ہمالا پلیجو جیل میں ہے۔

ہم سب کا غم رکھتا ہے اپنے دل میں،
ہم سب کا رکھوالا پلیجو جیل میں ہے۔

یہ گریزاں راحتِ ساحل سے دائم،
طوفانوں کا پالا پلیجو جیل میں ہے۔

غاصب آمر کب اُس کو پہچانتے ہیں،
خلق کا دیکھا بھالا پلیجو جیل میں ہے۔

قلعہء شب کو توڑو باہر لاؤ اُسے،
شمعِ وطن کا اُجالا پلیجو جیل میں ہے۔

(لاہور، 1986ء میں رسول بخش پلیجو رہائی کمیٹی میں پڑھا گیا۔)

Gul Hayat Institute

فہرست

•	عرضِ ناشر	ڈاکٹر آفتاب ابڑو	9
•	رسول بخش پلیجو صاحب کا مختصر سوانحی خاکہ	کلاونتی راجہ	14
•	پیش لفظ	سرور باری	19
•	عرضِ مرتّبہ	کلاونتی راجہ	25
1.	رسول بخش پلیجو کی فکری، ادبی اور سیاسی جدوجہد!	جامی چانڈیو	33
2.	ایک آئینہ فروش کی یاد میں	وسعت اللہ خان	60
3.	فیمینزم اور پاکستان میں تحریکِ نسواں	ڈاکٹر روبینہ سہگل	66
4.	پلیجو ایک اعلیٰ ظرف انسان	عطیہ داؤد	67
5.	خراجِ عقیدت	ڈاکٹر شاہد مسعود	70
6.	نیند کے نَین ہیں پیا!	نذیر سروہی	71
7.	ہائے....! رسول بخش پلیجو	نذیر لغاری	78
8.	پلیجو.... آج بھی گامزنِ احتجاج	جی این مغل	80
9.	سندھ کے مقدمے کا وکیل رسول بخش پلیجو	مظہر لغاری	81
10.	خراجِ عقیدت	مظہر عباس	84
11.	آسمان تری لحد پر شبنم افشانی کرے	انیس ہارون	85
12.	رسول بخش پلیجو: ایک تاریخی شخصیت	پروفیسر عزیز الدین	88
13.	سائیں رسول بخش پلیجو چند یادداشتیں	اسلم رسول پوری	99
14.	یادیں، رسول بخش پلیجو کی	یوسف نسقندی	104
15.	ایم آر ڈی تحریک اور سندھ کی سورمابیٹیاں	فضا قریشی	107
16.	رسول بخش پلی ج و، ایک مارکسسٹ	غازی صلاح الدین	108
17.	چلے تو جاں سے گذر گئے	ڈاکٹر ایوب شیخ	110
18.	رسول بخش پلیجو: انقلاب و سیاسی مزاحمت کی علامت	اختر حفیظ	113
19.	میرا بھائی... رسول بخش پلیجو	حور النساء پلیجو	118

Gul Hayat Institute

.20	رسول بخش پلیجو	جاوید سومرو	132
.21	رسول بخش پلیجو کی یادیں	طلعت عباس خان	134
.22	پلیجو... دنیا چھوڑ کر بھی... تاریخ رقم کر گئے	ابراہیم کنبھر	137
.23	غضب کی یادداشت	حسین مسرت	146
.24	آج رسول بخش پلیجو کا انتقال ہو گیا	رفیع	149
.25	رسول بخش پلیجو پاکستان میں مزاحمتی سیاست کا ایک باب	علی حسن	150
.26	قوم پرست سیاسی رہنما رسول بخش پلیجو	ڈاکٹر ناظر محمود	152
.27	رسول بخش پلیجو کو سُرخ سلام	خان زمان کاکڑ	156
.28	سچ بات بلاخوف و خطر کہہ دینے والا پلیجو	اکبر لغاری	158
.29	لاڈ بائی کا لاڈلا	پرہ سومرو	159
.30	انقلابی رہنما رسول بخش پلیجو کی وفات	ظہور دھریجہ	164
.31	رسول بخش پلیجو۔۔۔ سندھ کے عظیم سپوت	محمد رفیق مغیری	166
.32	ایک سرکردہ انقلابی رہنما رسول بخش پلیجو	کبیر بھیل	168
.33	خراج عقیدت	اشرف شریف	171
.34	لال جھنڈے کی جئے ہو۔۔۔!	مریم گوپانگ	172
.35	'رسول بخش پلیجو کے نام'	'مسافر'	180
.36	رسول بخش پلیجو...	انور شعور	181
.37	رسول بخش پلیجو صاحب، ایک معتبر سیاستداں	اے اے سید	182
.38	رسول بخش پلیجو ایک جہدِ مسلسل	طارق افغان	184
.39	رسول بخش پلیجو... ایک اور انقلابی روٹھ گیا	تنویر زمان خان	186
.40	پلیجو کی لالٹین نہیں بجھتی	حسن مجتبیٰ	191
.41	قوم پرست سیاستداں رسول بخش پلیجو	محمد ثاقب	194
.42	الوداع... رسول بخش پلیجو... الوداع۔	قاضی لطیف	195
.43	پلیجو صاحب	نثار کھوکھر	197
.44	قائداعظم کے شیدائی... رسول بخش پلیجو	نواز رضا	198
.45	انقلابی کردار رسول بخش پلیجو	سلیمان کھوکھر	201
.46	رسول بخش پلیجو، ہم سے بچھڑ گئے	مدثر کھوہاوڑ	204
.47	مزاحمتی سیاست کا سورج غروب؟	عبدالحفیظ عابد	205

Gul Hayat Institute

.48	خراج عقیدت	سنتھل چودھری	208
.49	ایک اور عظیم انساں چلا گیا	اجمل شبیر	209
.50	رسول بخش پلیجو کیا چاہتے تھے؟	فرحان تنیو	212
.51	خراجِ عقیدت	غازی امان اللہ	214
.52	رسول بخش پلیجو: ایک سوچ، ایک فکر	جاوید قاضی	215
.53	سندھ ایک بڑے مفکر، ادیب اور سیاستدان سے محروم ہو گیا!	خورشید عباسی	218
.54	رسول بخش پلیجو، ایک انقلابی لیڈر کی موت	ارباب عبدالمالک	222
.55	رسول بخش پلیجو-ایک سعید روح	محمود شام	224
.56	رسول بخش پلیجو۔۔۔	شاہ محمد مری	225
.57	انقلابی ناول کا کردار	عمر قاضی	227
.58	رسول بخش پلیجو کی واپسی	خالد پرویز	230
.59	بولتا شخص	محمد خان	233
.60	رسول بخش پلیجو جمہوریت پسند انسان تھے	ملک منیر احمد	234
.61	مٹی کا قرض چکانے والا دھرتی کے دامن میں جا سویا...	شبیر سومرو	235
.62	سائیں رسول بخش پلیجو: قوم پرست ترقی پسند سیاسی رہنما!	محمد زاہد اسلام	247
.63	رسول بخش پلیجو: چند یادیں	شہزاد نصیر	251
.64	رسول بخش پلیجو۔ایک فلسفی ایک تاریخدان	ڈاکٹر سریش ہو تچندانی	253
.65	انسانی سنگتراش۔رسول بخش پلیجو	میر بہلیم	256

اداریے

.66	مزاحمتی سیاست کا ایک اور باب تمام ہوا۔۔۔	(ہم نیوز)	266
.67	ایک انقلابی کا تاریخی جنازہ	(پاکستان-24)	267
.68	پلیجو: ایک بڑے دانشور، فلسفی، نقاد، وکیل	(ایکسپریس)	268
.69	رسول بخش پلیجو- بااصول، باکردار، ضمیر کا قیدی	(فیملی میگزین)	270
.70	اصول پرست اور نظریاتی سیاستداں رسول بخش پلیجو رخصت ہوئے۔۔۔!	(اخبار جہاں)	272

ماضی کے جھروکے

- اخباری تراشے 276

Gul Hayat Institute

سندھ دھرتی کا پیارا غدّار

نورالھدیٰ شاہ

رسول بخش پلیجو

جس نے تین نسلوں کی ذہنی تربیت کی
حقوق کے لیے احتجاج و مزاحمت سکھائی
غدّاریت کا الزام سینے پر سجانا سکھایا
نوجوانوں کو ادب لکھنا پڑھنا سکھایا
فنکاروں کو انقلاب گانا سکھایا
شاعروں سے مزاحمتی، انقلابی شاعری کروائی
سندھی لڑکیوں کو عملی سیاست میں اتارا
الوداع ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ

Gul Hayat Institute

عرضِ ناشر

سن اسی (80ء) کی دہائی میں سندھ کے مشہور ناول نگار، صحافی، ادیب اور ماہر لسانیات سراج الحق میمن مرحوم کے ساتھ راقم کی شناسائی ہوئی۔ چونکہ راقم الحروف کا علمی شغف علم لسانیات تھا۔ لٰہذا راقم نے آپ سے جدید لسانیات سیکھنا چاہی۔ آپ نے دست فیاضی سے راقم کو نوازا، چنانچہ کلاسز کے لیئے ایک دن مقرر ہوا اور میں بلاناغہ تین چار سال شام 5 سے 6 بجے تک آپ کے آفیس میں جدید لسانیات کے اسلوب، الفاظ کی بنیاد اور مجموعی طور پر سندھی ادب کے بارے میں سوالات کرتا اور آپ مدبرانہ انداز میں سمجھاتے، یوں میرا گھنٹہ ڈیڑھ گذرتا، چائے بسکٹ کھا کر روانہ ہو جاتا۔

ایک دن میٹروپول ہوٹل میں واقع آپ کے آفس میں زبان و ادب سے متعلق بحث ہو رہی تھی۔ میں نے گذارش کی کہ جناب دنیا کی تمام تہذیبوں سے متعلقہ اسکرپٹس پڑھے جا چکے ہیں، آخر وادی سندھ کا اسکرپٹ (Indus Script) کیوں نہیں پڑھا جا سکا؟ آپ نے بطور وضاحت کئی دلائل دئے۔ آپ کا کہنا تھا کہ دیگر تہذیبوں کے آثار میں جو اسکرپٹس ملے ہیں وہ Bi-lingual اور بعض Tri-lingual ہیں۔ جبکہ انڈس اسکرپٹ وہ واحد خط ہے جو Mono Script ہے۔ اور یہاں دیگر تہذیبوں کے خط نہیں ملے۔

Gul Hayat Institute

میں نے عرض کی کہ آخر کوئی ایسا شخص ہے جو اس خط کو پڑھ سکے، Decipher کر سکے؟ آپ نے برملا جواب دیا، جی ہاں! پاکستان کے ممتاز ماہر قدیم آثار و نوادر پروفیسر احمد دانی کو اگر تمام مطلوبہ سہولیات میسر کی جائیں تو، اس میں شک نہیں کہ وہ اس خط کے قرائن و رموز بتا سکتے ہیں۔ اور وادی سندھ کی کئی چیزیں آشکار ہو سکتی ہیں۔

ایک اور میٹنگ میں میں نے گذارش کی کہ میمن صاحب آپ یہ فرمائیں کہ موجودہ دور

میں، جبکہ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، محمد ابراہیم جویو، شیخ ایاز، پروفیسر غلام مصطفٰی شاہ، علامہ غلام مصطفٰی قاسمی و دیگر کئی اصحاب علم و خرد موجود ہیں، شاہ عبداللطیف بھٹائی کے اشعار کی صحیح معنوں میں تشریح کون کر سکتا ہے؟ آپ نے فوراً! فرمایا جناب رسول بخش پلیجو صاحب! انہوں نے عالمی ادب (World Literature) پڑھا ہے، فلسفہ آپ نے پڑھا ہے، تاریخ کے اسرار و رموز وہ جانتے ہیں، انگریزی، سندھی کے ساتھ ساتھ آپ کو عربی، فارسی پر بھی عبور ہے، سندھ کی سیاست پر وہ کماحقہ عبور رکھتے ہیں۔ شاہ لطیف، رومی، حافظ، جامی کے وہ حافظ ہیں۔ کیا آپ نے ان کی کوئی تقریر سنی ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا، کئی مرتبہ! آپ نے پھر کہا، موقعہ کے لحاظ سے پلیجو صاحب جو شاہ لطیف کے اشعار پڑھتے ہیں، ان کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ بلاشبہ دور حاضر میں رسول بخش پلیجو واحد شخصیت ہیں جو شاہ عبداللطیف بھٹائی کی تشریح عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق کر سکتے ہیں۔ اور شاہ لطیف فکر عہد حاضر میں کیسے مؤثر ہو سکتی ہے، اس کی صحیح تناظر میں تشریح بھی وہی کر سکتے ہیں۔

بحیثیت قوم، ہم سست روی کا شکار رہے ہیں، ہزاروں سال غیروں کی غلامی نے ہمیں تقلید پسند بنا دیا ہے۔ ماضی قریب کو لیجئے، سن 1937ء سے 1947ء تک ہمارے سامنے کیا کیا ہوتا رہا، ہم نے اپنی دھرتی کے دفاع میں کوئی خاص کردار ادا نہ کیا، اب سندھ کے سیاسی و سماجی حالات ہم سب کے سامنے ہیں۔

سہل پسند اقوام کو زندگی کے قریب لانے کے لئے دو ہی محرکات ہیں۔ ایک شاعر جو اپنی شاعری کے ذریعے مردہ دل افراد میں جان پیدا کر دے اور مروجہ موسیقی کے توسط سے ان افراد میں روح پھونک دے، جیسا کہ شاہ لطیف کے کردار جو اپنی دھرتی کی خاطر مر مٹنے کو تیار رہتے ہیں، وطن پر قربان ہونے میں فخر محسوس کرتے ہیں، چنانچہ شاہ لطیف نے اپنی شاعری میں ایسے کئی عناصر کو شامل کیا جس میں مقامی قصے کہانیاں، رسم و رواج، مقامی زبان و محاورے انکے ساتھ موسیقی، اور وہ سوز و گداز کی کیفیت جسے انہوں نے اپنی شاعری میں شامل کیا۔ مذکورہ عنصر تیسری دنیا کا قدر مشترک تھا اور ہے۔ شاہ صاحب کے دور میں اکثر علماء موسیقی کو پسند نہیں کرتے تھے، حضرت سلطان الاولیاء خواجہ محمد زمان شاہ لطیف کے ہمعصر تھے، کئی ملاقاتوں میں شاہ لطیف ان کے گرویدہ ہو گئے، اور آپ کے سلسلہ خانقاہ میں شامل ہونا چاہا، حضرت سلطان نے فرمایا کہ اس کیلئے آپ کو موسیقی چھوڑنی پڑے گی، چنانچہ آپ نے معذرت کر لی اور موسیقی کو اہمیت دی اور اس

Gul Hayat Institute

پر قائم رہے۔

دوسرا عنصر ہے دور حاضر کے فکر کی ترغیب، جو عام پبلک کو عصری تقاضوں سے ہم کنار کرے۔ لوگ محسوس کریں کہ زندگی کیا ہے، عزت و وقار کے ساتھ جینے کا لطف کیا ہے۔ یہ ترغیب وہ مُدبر ہی دے سکتا ہے، جو خود علم و فضل کا حامل ہو۔ تاریخ و فلسفہ سے بخوبی آگاہی رکھتا ہو، زمانے کے تغیرات کے پس منظر و پیش منظر کے رموز سے آشنا ہو، سیاست کی پرخار وادی کے کے پیچ و خم کو جانتا ہو، دنیا کے انقلابات سے آگاہ ہو۔ سندھ میں ان اوصاف کے حامل چند افراد تھے، جن میں محترم رسول بخش پلیجو کا اسم گرامی نمایاں تھا۔ آپ جب تقریر کرتے تو موقع و محل کے اعتبار سے شاہ لطیف کے ابیات پڑھتے، اور انکے کرداروں کی وضاحت کر کے نوجوان تو کیا بوڑھوں میں بھی جوش و ولولہ پیدا کر دیتے۔ پلیجو صاحب میں مستقبل بینی کی حس بھی بدرجہ اتم موجود تھی، آپ کی سوچ کا محور ہمیشہ مستقبل ہی رہا! آپ جان جاتے تھے، کہ پانچ سال بعد کیا ہونے والا ہے۔

پلیجو صاحب نے ساری زندگی کی پلاننگ اس حساب سے کی۔ آپ لوئر مڈل کلاس سے تعلق رکھتے تھے۔ اس دور میں سندھ میں تعلیمی ادارے بہت کم تھے۔ اور دیہی لوگوں کا تو تعلیم کی طرف رجحان بہت ہی کم تھا، رہی کسر مولویوں نے پوری کر دی تھی، جنہوں نے مغربی تعلیم کو اسلام کے خلاف قرار دیا تھا، لیکن پلیجو صاحب نے نہ صرف خود سندھ مدرسہ کراچی میں تعلیم حاصل کی بلکہ اپنے پورے خاندان کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا، خاص طور پر لڑکیوں کی تعلیم کو لازمی طور پر اہمیت دی۔

حالات نے کروٹ بدلی تو حیدرآباد شفٹ ہوئے یہاں آپ نے سندھ کی معروف فوک سنگر زرینہ بلوچ سے شادی کی، وہ اس دور میں لوک گیت اور سہرے گایا کرتی تھیں، پھر رسول بخش پلیجو کی صحبت نے انہیں قومی گیتوں کی رانی بنا دیا۔ میں خود اس بات کا چشم دید گواہ ہوں کہ ستر (70ء) اور اسی (80ء) کی دہائی میں جب جیجی زرینہ بلوچ سندھ یونیورسٹی یا کراچی کے آرٹس کونسل میں قومی گیت خاص طور پر شیخ ایاز، استاد بخاری، ابراہیم منشی، سرویچ سجاولی کے گیت گاتی تھیں تو 10-20 منٹ تک تالیوں کی گونج ہوتی رہتی تھی، نوجوانوں کے خون میں جوش امڈ آتا، پھر سندھ کی خوشحالی کیلئے نعرے گونجتے رہتے تھے۔

اس دوران اگر رسول بخش پلیجو صاحب تقریر کرتے، تو سامعین کے ایک طرف جذبے جوان ہو جاتے تھے، دوسری طرف لوگوں میں کچھ کرنے کی امنگ پیدا ہوتی تھی۔ امنگ پیدا کرنا،

Gul Hayat Institute

کلاسیکی ادب اور شاہ لطیف کی روایت ہے، جسے پلیجو صاحب نے خوب پروان چڑھایا۔ سندھ کی سیاست میں تو آپ کے ہزاروں کارنامے ہیں جو اس کتاب میں مختلف فکر کے لوگوں نے تحریر کئے ہیں۔ خود میں دورِ طالب علمی میں، پلیجو صاحب کی قائم کردہ ''سندھی شاگرد تحریک'' کا حصہ رہا ہوں، اس دور کی ایک اہم روایت جو پلیجو صاحب نے ڈالی تھی، وہ تھی 'اسٹڈی سرکل' (Study Circle)۔ میں پوری ذمہ داری سے تحریر کر رہا ہوں کہ اگر یہ مشق تمام سیاسی پارٹیاں جاری و ساری رکھتیں تو آج ہم شعور اور فکر کے حوالے سے دنیا کی ذہین اقوام میں شامل ہوتے۔

آپ نے سماج کے تمام ذمہ دار حصوں کو سیاست میں شامل کیا۔ شاگرد سیاست کے علاوہ آپ نے خواتین کو سیاست کی اہمیت سے آگاہ کیا۔ ان کی سیاسی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا۔ یہ پہلی مرتبہ تھا کہ سندھ کی خواتین کو عملی سیاست میں شامل کیا گیا۔ چنانچہ دور دراز علاقوں کی خواتین اپنے شیر خوار بچوں کو ساتھ لیکر سیاسی جلسوں میں ہزاروں کی تعداد میں شرکت کرتیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پلیجو صاحب نے اپنی پارٹی کو کراچی میں کال دی، نوجوان امڈ آئے، بڑے بوڑھے بھی شریک ہوئے، لیکن حیران کن تعداد خواتین کی تھی، کراچی کے لوگوں نے بھی اتنی تعداد میں دیہات کی خواتین کو نہیں دیکھا تھا۔ حسب روایت کراچی کے اخبارات میں محدود رپورٹنگ ہوئی، لیکن بی بی سی لندن نے تو اپنی پورٹنگ میں دنیا کو حیران کر دیا۔

آپ عملی اور جمہوری سیاست کے قائل تھے، جو کچھ کہتے کر دکھاتے۔ آپ کی متحرک طرز سیاست کے بڑے بڑے سیاستدان قائل تھے، چنانچہ جب ملک کی اہم ترین سیاسی جماعتیں عوامی نیشنل عوامی پارٹی میں شامل ہوئیں اور مارشل لا کے خلاف محاذ کھڑا کیا، تو آپ کو نعپ کا سیکریٹری جنرل منتخب کیا گیا۔ بلاشبہ ملکی سطح پر ایک سندھی سیاستدان کی اس طرح پذیرائی پورے سندھ کیلئے قابل فخر بات تھی۔

Gul Hayat Institute

پلیجو صاحب نے مزدور محاذ پر عام مزدوروں کو ایسا متحرک کیا کہ کیا بات! یہ سب گُن میں نے اپنی آنکھوں سے لاڑکانہ خاص طور پر ڈوکری، باڈہ کی سیاست میں دیکھے۔ کیسے بیڑی باندھنے والا ایک عام مزدور ڈی ایس پی سے لڑ پڑتا تھا، ایک گدھا گاڑی والا، ڈی سی آفس کے عملے کو للکارتا تھا، یہ تھی وہ روح جو محترم رسول بخش پلیجو نے صدیوں سے وڈیروں کے ستائے ہوئے لوگوں کے اندر بیدار کی۔ چنانچہ ہاری مزدور کھلے عام وڈیروں پر لعن طعن کرتے اور اپنے حقوق کو حاصل کرنے کے لئے ہمہ تن تیار رہتے۔ یہ جرئت، جذبہ اور حوصلہ پلیجو صاحب کی مرہونِ منت تھا۔

ہمارا ادارہ علم و ادب کے دائرہ کے اندر بالخصوص سنجیدہ موضوعات، جیسا کہ تاریخ و تہذیب، لسانیات، لغات اور لطیفیات کی ترقی و ترویج پر نسبتاً زیادہ دھیان دے رہا ہے۔ جس کی روشن مثال ہماری شایع شدہ کتب ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم نئی نسل کو علم و شعور اور سیاسی بالیدگی سے بھی مُزین کرنا چاہتے ہیں، جس میں اولیت کردار سازی ہے۔ اس حوالے سے ہم نے مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی شخصیات پر کئی کتب شایع کی ہیں۔ جس میں پروفیسر غلام مصطفیٰ شاہ، ابراہیم جویو، ایم ایچ پنہور، سراج الحق میمن، ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، شیخ عزیز، مہتاب اکبر راشدی، ایمنری شمل، فاطمہ زہرا قاضی، کامریڈ شانتا، امر جلیل، رسول بخش انڑ ایڈوکیٹ، شمس الدین بلبل، منیر احمد چنا، جسٹس (ر) سید دیدار حسین شاہ، بیرسٹر مظہر سلیمان قاضی، سید اظہر گیلانی، مولانا محمد قاسم مشوریؒ اور دیگر کئی ادیب، اسکالرس و شعراء شامل ہیں۔

سندھ کے مایہ ناز اسکالر، مفکر، مدبر اور سیاستدان رسول بخش پلیجو صاحب کی شخصیت، سیاسی افکار و کردار سے متعلق اس کتاب میں عہد حاضر کی کئی نامور شخصیات کے خیالات، مقالات اور آراء شامل ہیں۔ جدید سیاسی فہم و فکر پر مشتمل اس کتاب کی اشاعت ادارے کے لئے سعید ثابت ہو گی۔

اس کتاب کی ترتیب و تدوین کے لئے محترمہ کلاونتی راجہ کی کوششیں اور کاوشیں قابل تحسین ہیں۔ آپ نے اپنے قیمتی اوقات اس کی تدوین پر صرف کئے۔ ایک ایک نکتہ پر غور و خوض کیا۔ اپنے احباب، پلیجو صاحب کے چاہنے والوں اور ہم سے بحث کی مختلف کتابیں دیکھیں (Refer) کیں۔ ادارے کی طرف سے ہم اس کتاب کی مرتبہ کلاونتی راجہ کی انتہائی مشکور و ممنوں ہیں۔

امید کرتے ہیں کہ نوجوان نسل اور سیاسی ورکرس سے بھرپور استفادہ حاصل کریں گے۔

Gul Hayat Institute

ڈاکٹر آفتاب ابڑو

چیئرمین

پیکاک پبلشرز کراچی

رسول بخش پلیجو صاحب
کا مختصر سوانحی خاکہ

رسول بخش پلیجو صاحب سندھ اور پاکستان کے نامور قانوندان، اسکالر، نقاد، محقق، ادیب اور دانشور ہونے کے ساتھ ساتھ دنیا کی عوامی انقلابی تحاریک اور سیاسی نظریاتی علوم، جنگی حکمت عملی، سماجی سائنسی فلسفے اور لطیف شناسی کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ کا جنم 20 جنوری 1930 کو ضلع ٹھٹہ کے جنگشاہی شہر کے نواحی گاؤں منگر خان پلیجو میں ہوا۔ آپ نے پرائمری تعلیم مقامی ملا مکتب اور مدارس سے حاصل کی۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم سندھ مدرسہ جیسی اعلیٰ درس گاہ سے حاصل کی۔ آپ نے قانون کی ڈگری سندھ مسلم لاء کالیج کراچی سے حاصل کی۔ آپ نے ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے نامور وکیل ہونے کی حیثیت سے بہت نام کمایا۔

آپ نے سیاست کی ابتدا1953ء میں سندھ ہاری کمیٹی سے کی۔ 1964ء میں نیشنل عوامی پارٹی (نعپ) میں شامل ہوئے لیکن وہاں پر قومی مسئلے کو کماحقہ اہمیت نہ دینے کی وجہ سے اختلاف رکھتے ہوئے نعپ سے علیحدگی اختیار کی۔ جس کے بعد کچھ عرصے کے لیئے بزم صوفیائے سندھ کے جنرل سیکریٹری رہے، ساتھ ہی سندھی ادبی سنگت میں بھی سرگرم رہے۔ علاوہ ازیں سندھ متحدہ محاذ سے بھی منسلک رہے لیکن وہاں اقتداری جوڑ توڑ اور بے اصولی کی روش محسوس کرتے ہوئے اس سے بھی علیحدگی اختیار کی۔ محترم رسول بخش پلیجو صاحب نے سندھ میں جدید بیداری کیلیئے پورے سندھ کا دورا کیا۔ اس دورے میں انہوں نے شیخ ایاز، تاج محمد ابڑو، رشید بھٹی، ڈاکٹر تنویر عباسی، محمد ابراہیم جویو، حفیظ قریشی، جمال ابڑو وغیرہ، جیسی محب وطن، عوام دوست شخصیات سے ملاقاتیں کیں اور اجلاس بھی کیئے۔ جس کے نتیجے میں پلیجو صاحب، محمد ابراہیم جویو صاحب، ع۔ق شیخ صاحب، ابنِ حیات پنہور صاحب اور جیجی زرینہ نے مل کر "میوزک لورس کلب" نامی بظاہر ایک غیر سیاسی تنظیم بنائی جس کی

Gul Hayat Institute

15روزہ میٹنگس B-80 لطیف آباد میں پلیجو صاحب کے گھر ہوا کرتی تھیں۔ جن میں ریڈیو پاکستان کے نامور فنکار استاد منظور علی خان، استاد محمد جمن، جیجی زرینہ، زیب النساء، محمد یوسف وغیرہ شرکت کرتے تھے۔ ان اجلاسوں میں شیخ ایاز، عبدالکریم گدائی، تنویر عباسی جیسے قومی، انقلابی شعراء کے کلام کی نئی دھنیں کمپوز کرکے حیدرآباد ریڈیو پر گانے کا بندوبست کیا جاتا تھا۔ ایک سال کی مسلسل سرگرمی کے بعد 5 مارچ 1969ء کو بھرگڑی ہاؤس حیدرآباد میں ایک کنوینشن کا انعقاد ہوا جس میں ایک سیاسی جماعت سندھی عوامی تحریک کی بنیاد ڈالی گئی۔ جسکے صدر ایڈووکیٹ حفیظ قریشی صاحب، نائب صدر محمد فاضل راہو صاحب سیکریٹری جنرل رسول بخش پلیجو صاحب کو منتخب کیا گیا، وہ جماعت آج تک سرگرم عمل ہے۔

اس دوران سندھ کے ترقی پسند شعراء اور ادیبوں کے خلاف انتہا پسند، رجعت پسند مذہبی گروہوں کی جانب سے پے درپے قلمی حملے کیئے جارہے تھے۔ پلیجو صاحب نے ترقی پسند ادباء کے دفاع میں 'نابین الٹے چارہ گر' (اندا اونذا ویج) کے نام سے ایک شاہکار ادبی تنقیدی کتاب لکھ کر مذہبی انتہا پسند گروہوں کو لاجواب کرکے پسپا ہونے پر مجبور کیا۔ اسکے ساتھ ساتھ ون یونٹ کے خلاف پورے ملک میں چلنے والی جدوجہد میں سرگرمی کے دوران سندھ میں ون یونٹ کے خلاف موجود نفرت کو مجتمع کرکے منظم جدوجہد کا ایک طوفان برپا کردیا۔ 4 مارچ 1967ء کو سندھی طلبہ کی جدوجہد کو منظم کیا۔ 1970ء کے انتخابات سے پہلے سندھ میں ووٹر فہرستیں صرف اردو میں ہوا کرتی تھیں، پلیجو صاحب نے اس مسئلے پر سندھی قوم کو باشعور کرکے جدوجہد کروائی اور اسکے نتیجے میں ووٹر فہرستیں سندھی میں چھپوانے میں کامیاب ہوئے۔ 14 مارچ 1970ء سے سندھ کی زرعی زمینوں کی نیلامی بند کرو تحریک چلوا کر سندھ کی لاکھوں ایکڑ زمین کی نیلامی بند کروائی۔ آپ نے بنگالیوں کے خلاف فوجی آپریشن کے خلاف 'جو بنگال کے ساتھ ہوا' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ جس میں بنگالیوں پر ہونے والے مظالم کی حقائق ساری دنیا کے سامنے لے آئے۔ 1975ء میں آپ نے پختونوں اور بلوچ لیڈروں پر بھٹو حکومت کی طرف سے قائم کیئے گئے حیدرآباد سازش کیس میں انکی قانونی اور اخلاقی مدد کی جس کی پاداش میں ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت نے آپ کو قید کیا۔ جنرل ضیاء الحق کے دور اقتدار میں پرنٹ میڈیا پر سخت سنسر شپ تھی۔ اسکے خلاف آپ کی پارٹی عوامی تحریک کے سینکڑوں کارکنوں نے اخباری صحافیوں سے مل کر کراچی کے ریگل چوک پر گرفتاریاں دیں اور 1979ء میں آپ کی پارٹی نے شہید محمد فاضل راہو کے گاؤں راہوکی میں ہاریوں کی ایک تاریخی کانفرنس منعقد کروائی

Gul Hayat Institute

جس کی پاداش میں بشمول آپ اور شہید محمد فاضل راہو کے آپ کی پارٹی کے درجنوں کارکن گرفتار ہوئے اور ان میں سے بیشتر کو دس، دس اور کچھ کو پندرہ پندرہ کوڑے بھی لگے۔ 1986ء میں ایک بائیں بازو کی ملک گیر پارٹی عوامی نیشنل پارٹی کے نام سے وجود میں آئی۔ چنانچہ آپکی پارٹی بھی اس میں شامل ہوئی۔ محمد فاضل راہو پارٹی کے سینیئر نائب صدر منتخب ہوئے اور محمد فاضل راہو کی شہادت کے بعد اے۔این۔پی کے ہونے والے انتخابات میں آپکو اے۔این۔پی کا سیکریٹری جنرل منتخب کیا گیا۔ 17 جنوری 1987ء کو محمد فاضل راہو کو شہید کیا گیا۔ شہید محمد فاضل راہو کے چہلم کے جلسہ میں شریک لاکھوں لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے محترم رسول بخش پلیجو صاحب نے سندھ کی تمام وطن دوست اور ترقی پسند پارٹیوں اور گروپس کو آپس میں متحد کرنے کی دعوت دی جس کے نتیجے میں کچھ عرصہ بعد سندھی عوام کا قومی اتحاد وجود میں آیا۔ مذکورہ پلیٹ فارم سے حیدرآباد، میرپورخاص، سکھر اور کراچی میں تاریخی جلسے کیئے گئے۔ ان جلسوں نے سندھی قوم کو اپنے قومی مسائل کے حل کے لیئے بیدار کیا اور ان میں اتحاد اور مشترکہ جدوجہد کا شعور اور حوصلہ پیدا کیا۔ پلیجو صاحب ہی پاکستان کے وہ واحد سیاستدان ہیں جنھوں نے سب سے پہلے ایم۔ کیو۔ ایم کو دہشتگرد تنظیم کہا تھا۔ اس کے 20 برس بعد بالآخر پاکستان کے حکمرانوں نے بھی ایم۔ کیو۔ ایم کو دہشتگرد تنظیم قرار دیا۔

پلیجو صاحب ایم۔آر۔ڈی تحریک کے کنوینر اور ایشیا پیسفک پیس فورم کی سینٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کے ممبر، ورلڈ سوشل فورم کے ممبر، سندھ پانی کمیٹی کے صدر، اینٹی گریٹر تھل کینال اور اینٹی کالا باغ ڈیم ایکشن کمیٹی کے ممبر، بہاری روکو کمیٹی کے ممبر، مظلوم قوموں کے اتحاد پونم کے ممبر، سندھی عوام کے قومی اتحاد کے بانی، سندھ قومی اتحاد کے ممبر، اے۔ پی۔ ڈی۔ ایم اور دیگر اتحادوں میں سرگرم رہے ہیں۔

جنوری 1989ء میں جب پی۔ پی۔ پی کی حکومت نے عزیز آباد جاکر کرسی کے لیئے ایم۔ کیو۔ ایم سے معاہدہ کیا تو اس اتحاد کے معاہدے کے خلاف پلیجو صاحب نے شدید احتجاج کیا اور اس سندھ دشمن معاہدے کے خلاف "تیر کمان میں ڈال کر" کے نام سے ایک کتابچہ لکھ کر اس معاہدے کی آڑ میں حامل سندھ دشمن عزائم کو سندھ کے عوام کے سامنے آشکار کیا۔ کالا باغ ڈیم کے خلاف 1991ء سے لیکر 1995ء تک کی گئی ہزاروں کلومیٹر کے لانگ مارچز کی قیادت کی۔ 2000ء میں بھٹ شاہ سے کراچی تک کیئے جانے والے لانگ مارچ کے دوران تین مرتبہ گرفتار ہوئے۔ 3 نومبر 2007ء میں جنرل مشرف کی جانب سے لگائی گئی ایمرجنسی کے خلاف اور ججز کی بحالی کی تحریک میں مرکزی کردار ادا کیا اور

Gul Hayat Institute

2017ء میں ڈسٹرکٹ مٹھی کے شہر سلام کوٹ سے کراچی تک عوامی تحریک کی طرف سے کیئے گئے لانگ مارچ کی قیادت کی۔ جبکہ آپکے سیاسی، فکری تنقیدی ادب اور تاریخی موضوعات پر شایع ہونے والی کتابوں کی تعداد 35 سے زیادہ ہے۔ جن میں 'صبح ہوگی' (صبح ٿيندو)، 'نابین اُلٹے چارہ گر'(انڌا اونڌا ويڄ)، 'ہنسوں کا قبیلہ'(سنڌي ذات هنجن)، 'آپ کے بعد'،(اوهان جي پڄاڻان)، 'چرواہوں کی چوٹیں'(ڌنارن جا ڏک)، 'دیکھ کے لال گل' (پسي ڳاڙها گل)، 'جو کچھ بنگال کے ساتھ ہوا' (جيڪي بنگال سان ٿيو)، 'ہرن مغرور کھڑے سوچ رہے ہیں' (هرڻ هنيلا بيٺا سوچين)اور 'سندھ پانی کیس' (سنڌ پاڻي ڪيس) قابل ذکر ہیں۔

رسول بخش پلیجو صاحب نے ایک اسکالر اور مہمان استاد کی حیثیت سے دنیا کی کئی یونیورسٹیز میں مختلف موضوعات پر لیکچرز بھی دیئے۔ جن میں جواہر لعل نہرو یونیورسٹی دہلی، انڈیا، شکاگو یونیورسٹی امریکا، کیمبرج یونیورسٹی امریکا، سسیکس یونیورسٹی انگلینڈ، ایسیکس یونیورسٹی انگلینڈ، کنگسٹن یونیورسٹی، ملوا کے یونیورسٹی، انسٹیٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز ماسکو روس، ہوسٹن یونیورسٹی اور دیگر بین الاقوامی اکڈمک ادارے شامل ہیں۔ رسول بخش پلیجو صاحب کا پاکستان کے جمہوری، قومی، ترقی پسند تحاریک میں قائدانہ کردار رہاہے۔ رسول بخش پلیجو صاحب 1969ء میں ون یونٹ مخالف تحریک میں سرگرم کردار ادا کرنے کی پاداش میں 9ماہ جیل میں رہے۔1973ء میں جب ذوالفقار علی بھٹو کا دورِ حکومت تھا۔ پارٹی کے ترجمان ماہوار رسالے تحریک میں 1973ء کے آئین پر تنقیدی مضمون لکھنے کی وجہ سے ڈی۔پی۔آر کے تحت 6ماہ جیل میں رہے۔1975ء میں بھی ڈی۔پی۔آر کے تحت 11ماہ جیل میں رہے۔ 1976ء میں مشہور حیدرآباد سازش کیس کے قیدیوں کی وکالت کرنے کے الزام میں 14ماہ جیل میں رہے، 1978ء بھٹو کو پھانسی دینے سے پہلے اور پھانسی کے بعد 3ماہ۔ ذوالفقار علی بھٹو، جنرل ضیاءُالحق اور جنرل پرویز مشرف کے آمرانہ ادوار میں کل ملاکر11برس جیل بھگتی۔ محترم رسول بخش پلیجو صاحب نے اپنی زندگی میں اصولوں پر سودیبازی کبھی نہیں کی اور نہ کبھی کسی غلط خیال، سوچ، عمل یانقطۂ نظر کو برداشت کیا۔ ستمبر 2016ء میں آپ کے بیٹے ایاز لطیف پلیجو نے پارٹی کے صدر کی حیثیت سے جب نظریاتی اور عملی لائین تبدیل کی تب آپ نے ایک تاریخی خط لکھ کر اس موقع پرستانہ لائین کی نشاندہی کی، جس خط سے متعلق متعدد سندھی دانشوروں کی رائے یہ تھی کہ دنیا کی بڑی نامور شخصیات نے جو خط لکھے ہیں وہ پوری دنیا میں مشہور ہوئے یہ خط ان خطوط میں سے ایک ہے۔ اسکے بعد بالآخر پلیجو صاحب نے اپنے بیٹے ایاز لطیف پلیجو سے سیاسی اور نظریاتی قطع تعلق کا اعلان کرتے ہوئے، عوامی تحریک کو

Gul Hayat Institute

بحال کر دیا۔ اسی طرح پلیجو صاحب نے اپنے خونی رشتوں کو ترجیح دینے کے بجائے انقلابی محنت کش دوست نظریاتی لائین اور پالیسیوں کو اہمیت دی۔ انہوں نے سندھ جیسے پسماندہ قبائلی، سرداری اور جاگیردارانہ سماج میں جہاں خواتین کو کاروکاری کی لعنتی رسم کی بنیاد پر قتل کرنے اور معصوم بچیوں کو اپنے رشتیداروں کے کسی جرم میں ونی کرنے جیسے وحشت ناک مظالم کیے جاتے ہوں۔ ایسے سماج میں سندھیانی تحریک جیسی خواتین کی انقلابی تنظیم کا قیام عمل میں لاکر سندھی خواتین کو ملک کے سیاسی دھارے میں شامل کرکے ان سے قیادت کروانے کا تاریخی کارنامہ سرانجام دیا۔

محترم پلیجو صاحب کے بیرون ملک جو دوست تھے ان میں افغانستان کے سابق صدر شہید ڈاکٹر نجیب اللہ، ملائیشیا کے لیڈر مہاتیر محمد صاحب، بندیا دیوی بھنڈاری نیپال کی صدر، بنگلادیش کے بانی وزیر اعظم شیخ مجیب الرحمٰن، انڈین کمیونسٹ پارٹی کے سیکریٹری جنرل اور کمیونسٹ لیڈر نمبودری پد، ماسکو کے پروفیسر اور نامور ادیب پروفیسر گینگوسکی، چیکوسلواکیا کے پروفیسر اور ادیب زنومیر شامل ہیں۔ اسکے علاوہ پلیجو صاحب کے پاکستان کے جن نامور سیاسی رہنماؤں، دانشوروں، ادیبوں اور صحافیوں سے گہرے مراسم تھے ان میں سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان عرف باچاخان، کامریڈ حیدر بخش جتوئی، نواب خیر بخش مری، جی۔ ایم۔ سید، ذوالفقار علی بھٹو، بینظیر بھٹو، میاں نواز شریف، نوابزادہ نصراللہ خان، اجمل خٹک، نواب اکبر بگٹی، مولانا فضل الرحمٰن، ڈاکٹر مالک بلوچ، پروفیسر عزیزالدین احمد، ڈاکٹر عبدالحئی بلوچ، عابد حسین منٹو، پروفیسر جمیل عمر، کرامت علی، ڈاکٹر فرزانہ باری، محمد ابراہیم جویو، سراج الحق میمن، فتاح ملک، رشید بھٹی، روئیداد خان، خان افضل خان، راؤ رشید، مختیار اعوان، حاجی عدیل، حاجی غلام محمد بلور، اعتزاز احسن، رضا ربانی، ایڈووکیٹ اکرام چوہدری، وسعت اللہ خان، امداد علی اعوان، عطاءاللہ خان مینگل اور محمود خان اچکزئی قابل ذکر ہیں۔

پلیجو صاحب نے 5 شادیاں کیں جن میں سے جیجی شریفاں پلیجو میں سے 5 بیٹے اور ایک بیٹی ہے، جیجی رقیہ میں سے ایک بیٹی ایک بیٹا ہے۔ جیجی زرینہ بلوچ سے ایک بیٹا، جیجی نسیم تھیبو سے 2 بیٹیاں اور آخری اہلیہ ادی زاہدہ شیخ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ جناب رسول بخش پلیجو صاحب 7 جون 2018ء بمطابق 22 رمضان 1439ھ جمعرات کی صبح 5 بجے 88 برس کی عمر میں ساؤتھ سٹی ہاسپیٹل کراچی میں اس دنیا سے کوچ کر گئے اور 8 جون کو آبائی گاؤں منگر خان پلیجو نزد جنگشاہی ضلع ٹھٹہ میں انقلابی گیتوں کی گونج اور ہزاروں سوگواروں کی سلامی میں سپرد خاک کر دیے گئے۔

کلاونتی راجہ

Gul Hayat Institute

پیش لفظ

زیر نظر کتاب رسول بخش پلیجو صاحب کی وفات کے موقع پر ان کے بارے میں لکھے گئے اخباری مضامین، اداریوں، قربتوں، یاداشتوں، اور تعزیتی پیغامات پر مشتمل ہے، جو کہ کالونتی راجہ نے بڑی محنت سے ترتیب دیا۔ یہ ان کی جدوجہد کو خراج تحسین پیش کرنے کی ایک منفرد کاوش ہے۔ 'پلیجو صاحب کیا تھے؟' اس کے بارے میں کئی آرا پائی جاتی ہیں مگر اس کتاب میں شامل مضامین میں مجموعی طور پر اس بات پر اتفاق رائے ہے کہ پلیجو صاحب نے کسی بھی حکومتی عہدے کے حصول کے لیے کبھی اپنے اصول قربان نہیں کیئے۔ میں خود بھی ایک "پرکشش آفر" کا گواہ ہوں جسے انہوں نے ٹھکرا دیا تھا۔ یہ ۲۰۰۲ء کے عام انتخابات سے چند ماہ قبل کی بات ہے جب ایک دن پلیجو صاحب کا فون آیا کہ وہ کل اسلام آباد آرہے ہیں اور میں انہیں ایئرپورٹ سے خود لینے آؤں۔ وہ جب بھی اسلام آباد آتے تھے تو میرے ہاں ہی ٹھہرتے تھے لیکن انہوں نے پہلے کبھی مجھے یہ نہیں کہا کہ میں انہیں خود لینے ایئرپورٹ آؤں۔ اکثر وہ ایئرپورٹ سے سیدھے کتابوں کی دکانوں پر جاتے اور ڈھیروں کتابیں خرید کر لے جاتے۔ لیکن آج انہوں نے ایئرپورٹ پر تمہید کے بعد کہا کہ میں انہیں سیدھا وزیراعظم ہاؤس لے جاوں۔ ان کی جنرل پرویز مشرف سے ملاقات طئے تھی۔ جب ہم ایوان صدر پہنچے تو ایک سینئر فوجی پلیجو صاحب کو میٹنگ کے لیے اندر لے گیا اور مجھے انتظار گاہ میں بیٹھنے کو کہا گیا۔ کچھ دیر بعد پلیجو صاحب نے ایک چٹ بھیجی کہ آپ چلے جائیں۔ یہ دوپہر دو ڈھائی بجے کی بات ہے۔ پلیجو صاحب جب شام سات بجے تک بھی نہ آئے تو مجھے کچھ پریشانی لاحق ہونے لگی۔ کیونکہ پلیجو صاحب اپنے نقطہ نظر کے دفاع کے لیے پوری شدومد کے ساتھ بحث کرنے پر یقین رکھتے تھے۔ میں نے سوچا آج بھی یہی ہوا ہو گا۔ اور حقیقت میں ہوا بھی یہی تھا۔ پلیجو صاحب نے بتایا کہ جنرل مشرف چاہتا تھا کہ پلیجو صاحب کی سیاسی پارٹی 'عوامی

تحریک' الیکشن میں حصہ لے اور انتظامیہ اسے پوری مدد فراہم کرے گی۔ ایک ایک، دو دو نشستوں پر جمہوریت بیچ کر آنے والے دوسرے سیاستدانوں کے برعکس پلیجو صاحب نے کہا کہ صوبوں کے درمیان پانی اور ریاستی اداروں کی ملازمتوں کی منصفانہ تقسیم کی ضمانت دیں تو ہم الیکشن لڑے بغیر آپ کی حمایت کریں گے۔

اس مجموعے میں شامل مضامین کا مجموعی خلاصہ یہ ہے کہ پلیجو صاحب محض ایک مدبر سیاستداں ہی نہیں تھے بلکہ وہ مفکّر، لکھاری، نقّاد، حکمت ساز، مقّرر، استاد بھی تھے۔اس کے باوجود وہ ہمہ وقت خود کو ایک طالب علم سمجھتے تھے۔ان کو کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔بقول عطار اجڑ کے وہ انسان ساز انساں اور چلتی پھرتی یونیورسٹی تھے۔وہ یہ سب کچھ صرف اور صرف سماجی تبدیلی (انقلاب)، مظلوم طبقات کی جبر واستحصال سے نجات اور انکے راج کی راہ ہموار کرنے کے لیے بنے تھے۔ان کے نزدیک یہ سب کچھ بنے بغیر انقلابی سیاست ناممکن تھی۔اسکی ابتدا انھوں نے اپنے گھر سے کی تھی۔ان کو اس بات کا مکمل ادراک تھا کہ خاندان کا ادارہ جبر کا منبع ہے اور اسے جمہوری اور باشعور انقلابی بنائے بغیر انقلابی سیاست ناممکن ہے۔اس کتاب کے کئی مضامین سندھیانی تحریک کو ان کی بہترین اور کامیاب کاوش قرار دیتے ہیں۔ کئی مصنفین نے سجاگ بار تحریک اور سندھی شاگرد تحریک کا ذکر کیا ہے۔ان تنظیموں کے ذریعے لاکھوں خاندان اور ان کی لڑکیاں، عورتیں صدیوں پرانی دقیانوسی ثقافتی گھٹن سے آزاد ہو گئیں۔ پلیجو صاحب اور عوامی تحریک اس سماجی انقلاب کو اقتدار میں بدلنے میں یقیناً ناکام ہوئے، گو الیکشن لڑے مگر شکست کھائی لیکن شعوری آزادی کا تو کوئی ثانی نہیں ہو سکتا۔ کہتے ہیں "غلامی کا احساس آزادی کا ضامن ہے"۔ یہی سندھ کو براہ راست اور پاکستان کو بالواسطہ پلیجو صاحب کی دین ہے۔ کاش کہ سندھ پلیجو صاحب کو پنجاب میں کام کرنے کی مہلت دیتا تو آج ملک کی سیاسی اور انسانی ترقی کا معیار بہت بہتر ہوتا۔

پلیجو صاحب کے بارے میں کچھ مزید کہنے کی تو اس کتاب میں بظاہر کم گنجائش چھوڑی گئی ہے مگر وہ کیا نہیں تھے...؟ میں اسی ننھی سی گنجائش ہی سے استفادہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ جیسا کہ ان کے مداحین اور ناقدین دونوں نے لکھا ہے کہ وہ ہمہ جہت خصوصیات کے حسین امتزاج کے نایاب پیکر تھے اور ان کی ہر جہد اور صلاحیت غیر معمولی بلندی کو چھوتی نظر آتی ہے۔ اس کا مظاہرہ، ان کی تحریروں، تقریروں اور لیکچروں میں عیاں ہے۔ان میں پژمردہ اور مایوس افراد میں تحریک اور تنظیم کی روح پھونکنے کی مہارت بلا کی تھی۔ان میں 'سٹیٹس کُو' کو چیلنج کرنے

کی جرأت بھی تھی اور دانائی بھی۔ مثال کے طور پر سندھیانی تحریک کے لیے عورتوں کو سیاسی جدوجہد کا ہراول دستہ بنا دینا، ادبی اور ثقافتی محاذ پر شاہ لطیف بھٹائی کے اوپر چڑھائی گئی ردِ دنیا کی صوفیانہ ملمع سازی کو انقلابی رنگ میں رنگ دینا۔ مزید یہ کہ انہوں نے جاگیردارنہ اور سرمایہ دارانہ جمہوری سیاست میں ایسے حصہ لیا کہ اس سے انقلابی سیاست کو مہمیز ملی، مثلاً ایم آر ڈی کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر قائدانہ کردار ادا کرنا۔ یقیناً اس کو پلیجو صاحب کی تخلیقی سیاست قرار دیا جانا چاہیے۔ وہ سیاست کو اگر ایک طرف بطور سائنس لیتے تو ساتھ ہی اسے آرٹ بھی سمجھتے تھے اور اسکا عملی مظاہرہ بھی کرتے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ پلیجو صاحب ہماری سیاست کے آرٹسٹ تھے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ پرفارمنگ آرٹ کے شیدائی اور خالق بھی تھے۔ گیت کمپوز کرنا اور اس کے ساتھ ساتھ گھنٹوں ریہرسل کروانا ان کا پسندیدہ شغل تھا۔ ان کے نزدیک انقلابی سیاست بغیر ثقافتی و انقلابی موسیقی اور شاعری کے نامکمل ہے۔ ان کی نظر میں اس سے ولولہ و عزم اور جرأت وہمت کو مہمیز ملتا ہے۔

اب کچھ پلیجو صاحب کے ساتھ تعلق کا پس منظر:

پلیجو صاحب کے ساتھ میری پہلی ملاقات لندن میں ہوئی جہاں میں خود ساختہ جلاوطنی کے ایام کاٹ رہا تھا۔ اسکا پس منظر کچھ یوں ہے کہ ۱۹۸۳ء میں برپا ایم آر ڈی کی جدوجہد جس میں پلیجو صاحب اور ان کی عوامی تحریک ہراول دستے کا کردار ادا کر رہی تھی اور اس کا چرچا برطانیہ کے اخبارات میں خوب ہو رہا تھا۔ ہم اپنے تیئں برطانیہ میں سیکولر اور لبرل جمہوری مغربی حکومتوں کی انسان دشمن، رجعت پرست اور فرقہ وارانہ قوتوں کے مائی باپ آمر ضیاء الحق کی حمایت کے خلاف متحرک تھے۔

Gul Hayat Institute

میں ان دنوں میں برطانیہ کی ایک یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا اور اس یونیورسٹی میں درجن بھر کئی اور پاکستانی سکالرز بھی زیر تعلیم تھے، ہم اکثر پاکستانی ہائی کمیشن کے سامنے بحالیٔ جمہوریت کے لیے مظاہرے کرتے۔ کرامت علی جن کا لندن اکثر آنا جانا رہتا تھا اس کی تجویز پر ہم نے "پلیجو ریلیز کمیٹی" قائم کی، پلیجو صاحب کو ایمنیسٹی انٹرنیشنل پہلے ہی "ضمیر کا قیدی" قرار دے چکی تھی۔ اب بحالی جمہوریت کے ساتھ ساتھ پلیجو رہائی کی گونج بھی یہاں مقبول ہونے لگی۔ ایم آر ڈی کی تحریک بظاہر تو کچل دی گئی تھی مگر اس نے ضیاء الحق کے استبدادی مارشل لاء کی نا صرف کمر توڑ

دی تھی بلکہ مغربی حکومتوں کے بھیانک چہرے کو بھی عوام اور سول سوسائٹی کے سامنے بے نقاب کر دیا تھا۔ نتیجتاً پاکستان میں جبر کچھ کم ہوا۔ بتدریج ایم آر ڈی کے رہنماؤں کو رہا کرنے کا سلسلہ شروع ہوا، پلیجو صاحب بھی رہا ہونے کے کچھ عرصے بعد لندن چلے آئے۔ غالباً یہ اکتوبر ۱۹۸۶ء کی بات ہے۔ ہیتھرو ائیر پورٹ پر کرامت اور میں نے ان کا استقبال کیا اور سیدھا اپنے گھر لے آیا۔ ان سے یہ میری نہ ختم ہونے والی پہلی ملاقات تھی جو ان کی آخری سانس تک قائم رہی۔

برطانیہ میں ان کا ہمارے ہاں قیام کئی ماہ پر محیط رہا اور یہاں بالعموم ان کے ارد گرد میرے جیسے سرائیکیوں اور پنجابیوں کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ بقول پرویز طاہر "سرور باری اور فرزانہ کا گھر اپنی طرز کا پیرس کمیون" بنا ہوا تھا۔ پلیجو صاحب کی جرأت مندانہ جدوجہد کے پرستاروں کا ہمارے ہاں تانتا بندھا رہتا تھا۔ مگر ان سے ملنے کے بعد لوگ ان کے وسیع مطالعے، علم اور کاٹ دار و منفرد تجزیے کے باعث ان کے گرویدہ ہوئے بنا واپس نہ جاتے تھے۔ جلد ہی برطانیہ میں عوامی نیشنل پارٹی جلاوطنوں کی سب سے زیادہ مؤثر اور متحرک جماعت بن کر ابھری۔ ہم نے پلیجو صاحب کے تحرک پر لندن میں بلھے شاہ کا دن منایا، جس سے ان کے علاوہ محترم عطااللہ مینگل، جناب شیر محمد مری المعروف جنرل شیروف، محترم محمد سرور سفیر افغانستان، شاہد ندیم، سردار مظہر، جمال شاہ اور کئی دوسرے جلاوطن سیاستدانوں نے خطاب کیا۔ مزید برآں افغانستان میں امن کا قیام، پاکستان میں جمہوریت کی بحالی اور قرارداد لاہور کے مطابق صوبائی خود مختاری کے حصول پر قراردادیں بھی پاس کی گئیں جو ان کی پاکستانی قومیتوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی ایک ثقافتی کوشش تھی۔

۱۷ جنوری ۱۹۸۷ء کو پلیجو کے دیرینہ ساتھی اور عوامی تحریک کے چوٹی کے رہنما جناب محمد فاضل راہو کے شہید کئے جانے کی خبر بجلی بن کر گری۔ پلیجو صاحب صدمے سے ہل کر رہ گئے تھے مگر اس کے باوجود پلیجو صاحب کے تحرک پر ہم سب چند گھنٹوں بعد پاکستان ہائی کمیشن کے سامنے ایک بڑا مظاہرہ کر رہے تھے جس میں مختلف جماعتوں نے بھرپور شرکت کی۔

پلیجو صاحب کی شخصیت کو سمجھنے کے لیے یہاں ایک آدھ تلخ مگر سبق آموز واقعات کا ذکر بھی نہایت ضروری ہے۔ یہ غالباً ۱۹۹۰ء کی بات ہے اس مرتبہ وہ شاہد گوگی کے ہاں قیام پذیر تھے اور اس مرتبہ ان کے ساتھ ایاز لطیف بھی لندن آئے تھے۔ وہ روزانہ سہ پہر کو ہمارے ہاں آتے اور دیر گئے تک محفل جاری رہتی، ایک شام پلیجو صاحب کے ساتھ بحث ہوتے ہوتے تلخ کلامی تک

Gul Hayat Institute

جا پہنچی۔ پلیجو صاحب اور ایاز ناراض ہو کر چلے گئے۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا، بعد ازاں میں غور کرتا رہا کہ کیا میں غلط تو نہیں تھا۔ رات بھر میں سوچتا رہا کہ پلیجو صاحب کے ساتھ تعلق ختم ہو چکا۔ گیارہ بجے صبح شاذونادر ہی کبھی ہمارے فلیٹ کی گھنٹی بجتی تھی، آج جب گھنٹی بجی تو کچھ تعجب ہوا، دروازہ کھولتے ہی کیا دیکھتا ہوں کہ پلیجو صاحب اور ایاز کھڑے ہیں۔ ہم بغل گیر ہوئے، اس سے پہلے کہ میں معذرت کرتا پلیجو صاحب پہل کر چکے تھے، انہوں نے فصیح و بلیغ انداز میں ذاتی اور نظریاتی انا میں فرق بیان کرتے ہوئے کہا کہ وہ ذاتی انا کو پس پشت ڈال کر واپس آئے ہیں۔ قارئین اس واقعہ سے اپنی مرضی کا نتیجہ نکال سکتے ہیں، مگر اس کے بعد میں ان کی بڑائی کا ہمیشہ کے لیے قائل ہو گیا۔ اس دن مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ لیڈر کا محض زیرک ہونا، عالِم ہونا، حکمت کار ہونا کافی نہیں، اسے ایک اچھا انسان بھی ہونا چاہیے۔ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ رہنما سب کو ان کی اہمیت کا احساس دلاتا رہے اور یہ خوبی پلیجو صاحب میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مگر جب وہ تنقید کرتے تھے تو اس میں بھی کوئی رعایت نہیں کرتے تھے چاہے وہ ان کا اپنا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

ایک مزے کا واقعہ

پلیجو صاحب کو لندن آئے ہوئے کئی ہفتے بیت چکے تھے۔ مدیحہ گوہر اور خالد بسرا ہمارے گھر سے بمشکل سو قدموں کی دوری پر رہتے تھے۔ ایک شام انہوں نے صرف پلیجو صاحب کو کھانے پر بلایا۔ گو کہ پلیجو صاحب میرے ساتھ انکے ہاں آتے جاتے رہتے تھے پھر بھی میں نے انکو راستہ بتانا ضروری سمجھا اور ساتھ مدیحہ گوہر کو فون کر دیا کہ پلیجو صاحب آپکی طرف آنے کیلئے نکل پڑے ہیں، تقریباً 20 منٹ بعد مدیحہ کا فون آیا کہ پلیجو نہیں پہنچے اور چند لمحوں کے بعد وہ واپس آ گئے اور کہا مجھے انکا گھر نہیں ملا، تم مجھے وہاں چھوڑ آؤ۔ میں نے طنزاً کہا "آپ انقلاب کیسے لائیں گے؟" اگلی صبح پلیجو صاحب نے لندن کے اسٹریٹ میپس (جس کے بغیر اجنبی ایسے ہی ہوتا ہے جیسے سپاہی میدان جنگ میں بغیر تلوار کے) کا ہر قسم کا ایڈیشن، لندن انڈر گراؤنڈ اور بسوں کے روٹس وغیرہ اکٹھے کئے۔ ہماری بیٹھک میں ہر طرف نقشے بکھرے ہوئے تھے، لگ رہا تھا کہ آج انقلاب کا بگل بجنے کو ہے۔ دو دن کے مطالعے کے بعد پلیجو صاحب نے مجھے کہا کہ میں پریکٹیکل ٹیسٹ دینے کو تیار ہوں۔ میں نے انکو دو دوستوں کے ایڈریس دیئے اور انکو بتایا کہ وہ اپنے گھر پر پلیجو صاحب کا انتظار کریں اور انکو لینے کیلئے ہرگز مت جائیں۔ پلیجو صاحب دونوں ٹیسٹوں میں سو بٹا سو نمبر لیکر پاس

Gul Hayat Institute

ہوئے۔وہ ہمیشہ کہتے تھے:

"In order to achieve victory one must deploy all available energy and mind"

پلیجو صاحب نے ساری عمر، زندگی کے جس شعبے میں قدم رکھا اس میں انہوں نے اسی لگن سے اپنی قوتوں کا بھرپور استعمال کیا۔یہی انکی کامیابی کی وجہ تھی۔

پلیجو صاحب کے پائے کا کوئی سیاستداں کب ابھرے گا؟ ان کی قائم کردہ سیاسی پارٹی 'عوامی تحریک' اگر ان کے تعلیمات اور وضع کردہ اصولوں پر عمل پیرا رہی تو ان کے ویژن کو آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔پلیجو صاحب کو خراج تحسین پیش کرنے کا یہی بہترین طریقہ ہے۔

سرور باری

۲۰ جنوری ۲۰۱۹ء

Gul Hayat Institute

عرضِ مرتّبہ

عظیم انقلابی لیڈر نیلسن منڈیلا نے کہا تھا کہ **"سیاستداں اگلے الیکشن کے بارے میں سوچتا ہے اور رہنما آنے والی نسلوں کے بارے میں غور کرتا ہے"**۔ رسول بخش پلیجو (۲۰ جنوری ۱۹۳۰ء تا جون ۲۰۱۸ء) اس صدی کے ایک عظیم رہنما تھے۔ جنہوں نے پوری زندگی نوجوانوں، کسانوں اور عورتوں کی نظریاتی و انقلابی تربیت کی اور پاکستان کی قومی، طبقاتی اور جمہوری تحریکوں میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔

آمروں سے الجھنے والے اور عام آدمی سے پیار کرنے والے رسول بخش پلیجو نے ۱۹۴۰ء کی دہائی سے ترقی پسند اور جمہوریت پسند کارکن کے طور پر سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا۔ ۱۹۶۷ء میں سندھی طلبہ کی تاریخ ساز ون یونٹ مخالف تحریک کے ایام میں وہ نہ صرف سرگرم و شامل رہے، بلکہ اس تحریک کو فکری و علمی مواد بھی فراہم کرتے رہے۔ ۱۹۶۷ء میں ون یونٹ کی خاتمے کے بعد انتخابی فہرستیں سندھی میں شائع کروانے اور زمینوں کا نیلام بند کرو تحریک میں بھی صفِ اول کے رہنما کے طور پر سندھ کی سیاست میں جلوہ گر ہوئے۔

۱۹۷۰ء کے عشرے میں انہوں نے ایک انقلابی اور سائنسی نظریاتی تنظیم **عوامی تحریک** کی بنیاد رکھی جس سے سندھ کی سیاست میں نئے تجربات و نظریاتی بحث مباحثوں اور جدوجہدوں کا دور شروع کیا۔ انہوں نے اپنی سیاست کی بنیاد مارکس، لینن اور ماؤ کے انقلابی افکار اور اصولوں پر رکھی۔ ایم آر ڈی کی تحریک، شہری نسلی دہشتگردی کے خلاف سخت مزاحمتی جدوجہدیں، کالا باغ ڈیم مخالف تحریک، عدلیہ بحالی تحریک، مارکس ازم اور شاہ لطیف کے پیغام کو عوامی اور نئے فکری انداز سے منظرِ عام پر لانا، قائدِ اعظم کے سیکیولر پہلوؤں کو اجاگر کرنا، محمد بن قاسم کو ایک غاصب کی شکل میں سندھ پر حملہ آور ہونے والی تاریخی سچائی کو عام کرنا جیسی تمام فکری اور نظریاتی مہمات و

Gul Hayat Institute

تحاریک میں پلیجو صاحب کا انتہائی بے باک و شاندار کردار رہا، جو کہ تاریخ میں ہمیشہ یاد رہے گا۔

انہوں نے کارل مارکس، فریڈرک اینجلس، لینن، ماؤزی تونگ اور ہو چی منھ کے علاوہ دنیا بھر کے انقلابات و نظریات کا بغور وسیع مطالعہ کیا۔ انہوں نے یورپ کی روشن خیال تحریکوں کے فلسفیوں عمانوئیل کانٹ، ہیگل، ارد بریخت کا بھی نہایت باریک بینی سے مطالعہ کیا، وہ یونانی اور اسلامی ادب، فلسفہ اور تاریخ کے بھی مستقل قاری و طالبعلم رہے۔

انہیں سندھ میں لطیفیات کا ماہر تسلیم کیا جاتا تھا، وہ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے علاوہ بابا بھلے شاہ، شاہ حسین، وارث شاہ، خواجہ غلام فرید، سچل سرمست اور میاں محمد بخش کی شاعری کے بہترین شارح تصور کیئے جاتے تھے۔ فارسی، اردو، عربی اور تمام مغربی شاعری بھی ان کے مطالعے میں تھی۔ روایتی سندھی ادب پر انکی جارحانہ اور بے رحمانہ تنقیدی کتاب "سندی ذات ھنجن" اور "اندھا اوندھا وتج" نے ادبی حلقوں میں تو تھلکہ مچادیا، لیکن مزکورہ کتابوں کی اشاعت نے سندھ میں عوام دوست اور عوام دشمن ادب کے درمیان واضح لکیر بھی کھینچ لی۔ سندھ کے پانی کے مسئلہ پر ان کا باریک بینی سے مطالعہ، جدوجہد اور تحریریں ایک تاریخی سند کے طور پر یاد رکھی جائینگی۔

وہ عملی سیاست کی اعلیٰ مثال بن کر سیاسی افق پر اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ تمام حیات میں چھائے رہے۔ وہ زندگی بھر ہر لمحہ پیکرِ جدوجہد رہے۔ کوئی دن، ماہ و سال ظلم و ناانصافی کے خلاف احتجاج، دھرنا، بھوک ہڑتال، مظاہرے، لانگ مارچ، سیمینار اور پریس کانفرنس سے خالی نہ رہا۔

کچھ باتیں۔ کچھ یادیں

ہمیشہ مسحور کن مسکراہٹ لبوں پہ سجائے پر عزم و پرجوش انداز میں ہاتھ ملاتے ہی پوچھتے کہ: "زندگی کیسی گزر رہی ہے؟ کونسی کتاب زیرِ مطالعہ ہے؟ کون سے نئے علاقوں کے دورے کیئے؟..." وغیرہ۔ ملنے والے ہر کارکن سے یہ معمول کا سوالنامہ ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ روزمرہ کی زندگی پر دلچسپ اور معلوماتی گفتگو، بحث مباحثے، حسِ مزاح، حاضر جوابی، شعر و شاعری اور انقلابی گیتوں کے دور چلتے رہتے تھے۔ جبکہ دوسری جانب وہ تنظیمی معاملات میں کسی بھی بے ظابطگی کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ عام زندگی میں رہن سہن اور کھانے پینے میں بلکل سادہ تھے۔ یاد داشت کے پکے، سخن ور، کبھی کسی کارکن یا عام انسان کی کسی خوبی یا کارنامے، محنت اور مہارت کو ضائع نہیں ہونے دیتے بلکہ سراہتے، یہاں تک کہ نظریاتی مخالفین کی بھی ہر اچھی بات یا عمل کی

Gul Hayat Institute

بر ملا تعریف کرنا اور داد دینا ان کی خاص خوبیوں میں شامل تھا۔

عوامی تحریک و پلیجو صاحب کی شخصیت کے بارے میں معلومات تو ۱۹۹۰ء کی دہائی سے ملنا شروع ہو چکی تھی جس کی ابتدا پلیجو صاحب کے افسانوں کے مجموعے ''پسی گاڑھا گل'' (سرخ پھولوں کی محسوسات) پڑھنے سے ہوئی لیکن میری باضابطہ ملاقات ۲۰۰۴ء کو کراچی میں سندھیانی تحریک کے ایک اجلاس میں ہوئی اور پھر یہ سیاسی سفر کا سلسلہ دھرنوں، جلسوں، مظاہروں، احتجاجوں، لانگ مارچوں تک چلتا رہا۔

رسول بخش پلیجو صاحب نظرانداز کئے گئے عام لوگوں کے ساتھ میل جول میں خوشی محسوس کرتے تھے اور ان کی بنیادی سیاسی، نظریاتی اور انقلابی تعلیم و تربیت خود کرتے تھے۔ ان کی ہمیشہ دیرینہ خواہش رہی کہ عوامی تحریک یا سندھیانی تحریک کی صدر کوئی عورت اور وہ بھی کولہی، مینگھواڑ یا بھیل قبیلے سے ہو۔ کیوں کہ وہ اس دھرتی کے ان اصل وارثوں کو حالتِ محرومی سے نکالنا چاہتے تھے۔ اس لیئے نام نہاد مذہبی ٹھیکے داروں، مہاراجاؤں، ملاؤں اور پنڈتوں کے مصنوعی ذات پات و دھرمی ہتھکنڈوں کا شکار بھیل، باگڑی، میگھواڑ، کولہی اور سماج کے دیگر نظرانداز کئے گئے لوگوں کو بھی لیڈر بنا دیا اور اکثر طور پر تنظیمی اجلاسوں میں پلیجو صاحب کے اصرار پر کھانے پینے کی ذمہ داریاں ان کے سپرد کی جاتی تھیں اور پھر ان ہی کے ہاتھوں کے پکائے ہوئے کھانے خود سمیت تمام لیڈران و کارکنان مل بیٹھ کر نوش فرماتے تھے۔ یہی انکی انسانیت شناسی اور اپنے نظریاتی فلسفے کے عین مطابق روایات شکنی کی انقلابی پیش قدمیاں تھیں۔

رسول بخش پلیجو برصغیر کے وہ پہلے انسان تھے، جنہوں نے عام فرسودہ نظام، رسم و رواج اور روایات شکنی کی ابتدا اپنے ہی گھر سے کی۔ سب سے پہلے اپنی ماں ''لاڈ بائی'' کو انقلابی کہانیاں پڑھ کر سنائیں بعد میں بہنوں کو پڑھوائیں۔ احتجاجوں اور لانگ مارچوں میں اپنا خاندان بھی ساتھ لے کر چلتے تھے۔ جیل جانا ہے تو پہلے اپنے خاندان اور بہنوں سے ابتدا کی۔ دوسرے لیڈروں کی طرح اپنے گھر کے لوگ ڈرائنگ روموں میں اور کارکن سڑکوں اور جیلوں میں نہ تھے۔

انہوں نے عوامی تحریک کی صورت میں ایک نئے سیاسی خاندان کی بنیاد ڈالی۔ گھر کا بچہ اگر سجاگ بار تحریک میں تھا تو اسی گھر کا نوجوان سندھی شاگرد تحریک کا کارکن تھا، ماں اگر سندھیانی تحریک میں تھی تو باپ عوامی تحریک/مزدور تحریک یا ہاری تحریک کا حصہ تھا۔ اس طرح عوامی تحریک عملاً ایک گھر کی مانند بن گئی۔ جس میں کہ ہر ایک من و عن اپنے دل کی بات کہہ اور کر سکتا

تھا۔ گھر کا دکھ سکھ بانٹ سکتا تھا۔ وہ کسی بھی نسل، مذہب، رنگ یا جنس کے فرق سے بالاتر ہیں اور چھوٹے، بڑے، بوڑھے، بزرگ سب کو اپنے حقوق و فرائض کا شعور دیکر رسول بخش پلیجو نے اس فرسودہ نظام کے خلاف ایک نئی دنیا بسائی لی۔

برصغیر کی تاریخ میں صرف رسول بخش پلیجو ہی واحد سیاسی رہنما تھے، جنہوں نے گھریلو عورتوں کو گھر کے آنگن سے نکال کر عوامی سیاست میں داخل کیا اور نظریاتی و انقلابی عورت کے روپ میں مردوں کے شانہ بشانہ حقوق کی جنگ لڑنے کے لئے میدان میں لائے۔ جنہوں نے نہ صرف احتجاج اور ہزاروں کلومیٹر طویل لانگ مارچوں کی قیادت کی، بلکہ حاصلاتِ حقوقِ انسانی کی خاطر زندانوں میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں اور ثابت قدمی و مستقل مزاجی سے اپنے نظریے اور فکر پر کاربند رہیں اور ہیں۔ میں تفریحاً کبھی کبھار مسلسل سرگرمیوں، جدوجہدوں اور بھاگ دوڑ سے اکتا کر میں سوچتی تھی کہ "پلیجو صاحب پر ایک مقدمہ دائر کیا جائے کہ ہم عورتوں کو گھر میں آرام کرنے کی بجائے کس مصیبت میں ڈال دیا ہے؟" لیکن ان کا پیغام تو آفاقی تھا کہ **"عورت اور مرد دونوں کو اپنی آنے والی نسلِ کی بقا اور انسان ذات کی ترقی، خوشحالی اور آزادی کے لئے انقلابی جدوجہد کرنا فرض ہے"۔**

انہی انقلابی اقدامات کی بنا پر پھر جہاں جہاں عوامی تحریک یا سندھیانی تحریک کی سرگرمیوں کا اثر بڑھنے لگتا تو وہاں "کاروکاری، زبردستی کی یا بے جوڑ کی شادیاں اور وٹے سٹے جیسی حرکتیں اور انسان دشمن مظالم کم یا بند ہو جاتے ہیں لوگ ایک دوسرے کا سہارا بن جاتے ہیں، اور یوں ایک چھوٹی سطح پر انقلابات برپا ہو جاتے اور ایک نیا سماج تیار ہو جاتا ہے۔ نئی سوچ و نئے آدمی بن جاتے ہیں۔ پلیجو صاحب نے کئی خواتین کارکنان کو "سیلف ڈیفنس" اور خود کفیل ہونے کے لئے قانوندان بننے کے مشورے دیئے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے کئی خواتین وکیل بھی بن گئیں۔ کئی خواتین کو اپنے پسند کی شادی کرنے کا بھی حق دلوایا۔ انہوں نے اس طرح ایک نئے اور منفرد سیاسی اور عملی سماج کی بنیاد رکھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ اپنی سوچ و فکر کے عملی پیمانے پر ایک کامیاب رہنماء تھے تو بیجانہ ہو گا۔ چنانچہ مندرجہ بالا کارناموں کے وجہ سے لوگ انہیں "قائدِ انقلاب" کہتے تھے۔

وہ ہندو برادری کیلئے ہمیشہ "اقلیت" کا لفظ استعمال کرنے کو ناپسند اور گریز کرتے تھے۔ مجبوراً جب بھی اقلیت کی بنیاد پر کوئی ناانصافی، ظلم یا ناجائزی ہوتی تو وہ سینہ تان کر میدانِ عمل میں ڈٹ کر کھڑے ہو جاتے، میں نے دیکھا کہ ان کی جدوجہد ۱۹۸۸ء میں سیتا کولہی اغوا واقعے کے

احتجاجی سلسلوں سے شروع ہو کر رنکل کماری اور دیگر ہندو بچیوں کے اغواٗاور جبراً تبدیلی مذہب تک جا پہنچتی ہے۔ مذہبی متعصبین نے جب بھورو بھیل کے لاش کی بے حرمتی کرتے ہوئے اسے قبر سے نکال کر باہر پھینکا تو شدید غم و غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ : **"رسول بخش پلیجو اور بھورو بھیل میں کوئی فرق نہیں اور یہ مذہب کے نام پر درندگی ختم ہونی چاہئے۔"**

جیکب آباد میں عوام و جمہوریت کے لئے جدوجہد کرنے والے سدھام چند چاؤلہ کا جب مقامی وڈیروں اور سرداروں کے ہاتھوں قتل ہوا تو اس وقت اس عظیم انسان نے آوازِ حق بلند کرتے ہوئے عاصمہ جہانگیر کے ساتھ ملکر سکھر میں اپنا بھرپور احتجاج ریکارڈ کروایا اور قاتلوں کی فوری گرفتاری کا مطالبہ کیا۔ اس کے علاوہ ہندستان میں رام مندر کی تعمیر کی وجہ سے جب یہاں انتشار ہوتا تھا تو پلیجو صاحب کی پارٹی مندروں کی حفاظت پر مامور ہوتی تھی۔

میں سندھیانی تحریک میں مرکزی کمیٹی کی ممبر تھی، ایک اجلاس میں انہوں نے ہندو مذہب کے متعلق سوال پوچھا، تو مجھ سمیت کئی کارکنان خاموش رہے۔ چنانچہ انہوں نے ہندو مت، جین مت، بدھ مت، سکھ مت، اور دیگر مذاہب کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنا نہ صرف لازم قرار دیا بلکہ انہوں نے تنظیمی طور پر سندھ کے مختلف اضلاع میں متواتر کئی سیمینار منعقد کروائے، جن میں بھگت کبیر، میراں بائی، کنور رام، ہیموں کالانی، روپلو کولہی، ہولی اور دیوالی کے تہواروں پر سیمینار قابل ذکر ہیں۔

ان کو شاعری ور موسیقی سے بہت لگاؤ تھا۔ انقلابی شاعری و موسیقی کے دلدادہ تھے۔ اس جاذبِ نظر شخصیت سے جو بھی ملنے آتا ان سے صرف انقلابی، علمی اور عملی کام کے بارے میں حال احوال پوچھتے، اگر کوئی اچھی شاعری ترنم کے ساتھ سناتا تو بڑے ہی محظوظ و مسرور ہوتے۔ ہمارے گھر جب بھی آتے تو صرف کالی داس، کبیر اور میرا کی بات چلتی تھی۔ وہ استاد جمن، استاد محمد ابراہیم اور بہت سے فنکاروں سے خود جا کر ملتے، گھنٹوں مختلف شاعری پر محفلیں سجاتے۔ شیخ ایاز، فیض، استاد بخاری، سرویچ سجاولی، گدائی اور کئی دیگر شعرا کرام کی شاعری گانے کا اصرار کرتے۔ جیجی زرینہ بلوچ کو دن رات محنت کر کے ایک لوک فنکارہ سے "انقلابی فنکارہ" بنا دیا، کئی شعرا خصوصاً شیخ ایاز کی شاعری پر دھنیں ترتیب دلوا کر عوامی اجتماعات و پروگراموں کے ذریعے عوام کی سماعتوں تک پہنچائیں اور عام لوگوں کی سوچ کو تبدیل کرنے کے جتن کیئے۔

ہمیشہ کی طرح سندھیانی تحریک کے ایک اجلاس میں انہوں نے شاہ لطیف کی شاعری سنانے

Gul Hayat Institute

کا مطالبہ کیا تو ہم کارکنان نے دو چار عام اشعار سنا کر گلو خلاصی کی۔ جس پر انہوں نے کہا کہ یہ اشعار تو سندھیانی تحریک ۱۹۷۰ء سے پڑھتی رہتی ہیں، لیکن ۲۰۱۸ء میں ہمیں شاہ لطیف کے رسالے سے نئے اشعار یاد کرنا چاہئیں۔ **"شاہ لطیف ہی ہے جو کہ اشعار کی صورت میں جرأت، ہمت، پیش قدمی اور مایوسی کے اندھیروں سے نکال کر ہمیں نئے عزم اور نئی راہوں کا رہنما بنائے گا۔ نئی دنیا کا نیا انسان بنائے گا"**۔ بعد میں انہوں نے لطیف سائیں کے کئی نئے اشعار بمع تشریحات کے ہمیں سنائے۔ایک شعر جو مجھے بار بار یاد کروایہ، وہ اس طرح ہے کہ :

نہ مون ناناڻا ڪتيو، نہ ئي ڏاڏاڻا،
پرين جي پاران، وڏا ئي وڙ تيا.

ترجمہ : ''نہ کچھ ننھیال سے ملا، نا ہی ددھیال سے۔ لیکن جو ملا (شان، شوکت، عزت، ناموس) محبوب سے ملا اور بے حساب ملا۔''

نہ جانے وہ کہاں کہاں سے نئے عزم و حوصلہ دلانے والے اشعار ڈھونڈ نکالتے تھے۔ شاہ لطیف کا پلیجو صاحب نے بہت گہرا اور وسیع مطالعہ کیا اور شاہ لطیف کے انقلابی و عوامی پہلوؤں کو اجاگر کیا اور اسے سرکاری کانفرنسوں سے نکال کر **'جشنِ لطیف'** کے بینر کے تلے نگر نگر پھلا دیا۔

وہ کبھی مفروضات پر مبنی غلط بات پر خاموش نہیں بیٹھے، ہر صورت میں کسی کی پرواہ کئے بغیر کھرا اور کڑوا سچ بول دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ نقلی ترقی پسندوں، جعلی قوم پرستوں اور نام نہاد جمہوریت پسندوں نے مل کر انہیں ہر دم تنہا کرنے کی ناکام کوششیں کیں۔ لیکن وہ خاموش بیٹھنے والوں میں سے نہیں تھے، انہوں نے اپنے وسیع علم، عمل، دلائل اور حکمتِ عملیوں سے جدوجہد کے ذریعے ان تمام سازشیوں کو سیاسی میدان میں پیچھے چھوڑ دیا۔ سندھ اور پاکستان کے بڑے بڑے جید ترقی پسندوں کے ساتھ سخت نظریاتی مباحث کئے۔ کئی لوگوں کو انکی باتیں اور خیالات وقتی طور پر اس وقت سمجھ میں نہیں آئیں لیکن وقت نے ثابت کیا کہ آخری فتح پلیجو صاحب کے مؤقف کی ہوئی۔ ڈرائنگ روم کی سیاست دم توڑ گئی، کوئی صوفی بن گیا، تو کسی نے خود کو کیش کروا دیا، کسی نے این جی اوز کا سہارا لیا، تو کسی نے گمنام زندگی گزارنے میں عافیت جانی، تو کسی نے سامراجی ممالک میں خود ساختہ جلاوطنی اپنالی اور کئی تو کالم نویس بن گئے۔

مجھے سارک ممالک کو گھومنے کا موقعہ ملا تو ہر جگہ ان کے حوالے اور ان کی شخصیت کے معترف لوگ ملے۔ ۲۰۰۸ء کھٹمنڈو (نیپال) میں اقلیتی خواتین کے حقوق و مسائل کے موضوع

پر تقریر کرتے ہوئے میں نے پلیجو صاحب اور سندھیانی تحریک کا ذکر کیا۔ تو ''کوسلواک رکی'' نامی کوئی شخص مجھ سے ملا اور اپنا تعارف ماؤئسٹ پارٹی کے ورکر کے طور پر کروایا، اور پلیجو صاحب کے بارے میں پوچھنے لگا۔ دورانِ گفتگو بتایا کہ پلیجو صاحب، وزیرِ اعظم کامریڈ پرچندہ کے دور میں اسٹیٹ گیسٹ ہوتے تھے اور کمیونسٹ لیڈر مادھو کمار، پلیجو صاحب کے بڑے مداح تھے، جس کی وجہ پلیجو صاحب کا دنیا کی کمیونسٹ تاریخ کے علم پر دسترس رکھنا تھی۔ اسی طرح سن ۲۰۰۹ء کو ڈھاکہ (بنگلادیش) میں بھی بہت ہی سینیئر سیاسی لوگ ان کے جاننے والوں میں سے تھے۔ ایک دانشور مظہر حسین کے مطابق عوامی لیگ والے پلیجو صاحب کے موٴقف کو بہت پسند کرتے ہیں۔ اور آج بھی ان کے بیانات غور سے پڑھتے ہیں۔ افغانستان کے صدر شہید ڈاکٹر نجیب بھی ان کے بہت بڑے مداح تھے۔ کابل کے دانشور پلیجو صاحب کی بین الاقوامی علمیت و قابلیت اور موٴقف کے بڑے معترف تھے۔ اس دور افغانستان میں بھی پلیجو صاحب اسٹیٹ گیسٹ ہوا کرتے تھے۔

انتقال سے ۲ ماہ قبل یعنی ۱۴۔ اپریل ۲۰۱۸ء کو میری بچی روشنی راجہ کے جنم دن کی خوشی میں خصوصی طور پر ہمارے گھر تشریف لائے اور بہت خوش تھے۔ اس اعزاز کی وجہ سے میرا پورا خاندان خوش تھا۔ انہوں نے اس وقت کہا کہ **''ہندو مسلم کی اصطلاح تو ابھی کل ہی کی بات ہے، ہم توازل سے ایک تھے اور ایک ہیں۔ فرق پیدا کرنے والا ملا ہو، پنڈت ہو یا پادری، ہمیں ان فرسودہ خیالات، سوچوں اور نظریات کو شکست دینا ہوگی''**۔ لیکن افسوس۔۔۔۔ صد افسوس کہ میرے خاندان کی یہ ملاقات آخری رہی۔ اور ۷- جون کو وہ اس دھرتی کا سفر پورا کر گئے۔

علالت کے دنوں میں ہسپتال کے بیڈ پر بھی ان کے حوصلے بلند تھے، ایک ہفتہ پہلے انکی مزاج پرسی کے لئے ہسپتال گئی تو کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے۔ پاس ہی ایک کھلی ڈائری و قلم اس بات کے گواہ تھے کہ وہ کچھ لکھ بھی رہے تھے۔ خوش خیر و عافیت کے بعد میں نے ان سے کہا کہ: ''سر! آپ کو اس حالت میں آرام کی سخت ضرورت ہے، آپ کو آرام کرنا چاہیئے۔'' تو انہوں نے حسبِ عادت مسکراتے ہوئے بولے کہ: ''مارکس اور لینن کو سمجھاؤ، جو مجھے سونے نہیں دیتے۔'' چند لمحوں کے لئے خاموشی کے بعد ایک صحتمند آدمی کی طرح پرجوش انداز میں شعر سنانے لگے کہ: **لینن کی جئے ہو، مارکس کی جئے ہو، اور لال جھنڈے کی جئے ہو۔** پھر ہماری طرف دیکھتے ہوئے مخاطب ہوئے، **''میرے ارادے اور اعصاب ابھی بہت مضبوط ہیں لیکن جسم عارضی طور پر ضعیف ہے، جو جلد بہتر ہو جائے گا، اور پھر ہم سب مل کر میدانِ عمل میں ہونگے۔''**

ان کے ساتھ مل کر ہمیشہ یوں لگتا تھا گویا ہم پھر سے نئے جذبے، عزم و حوصلے کے ساتھ سب تیار ہو جائیں تو انقلاب ہماری دہلیز کے قریب ہے۔ وہ بہت بڑی جرأت و سچائی کی اعلیٰ و زندہ مثال تھے۔ انہوں نے اپنی علمی و عملی قابلیت، ذہانت، جدوجہد پر کامل یقین اور سیاسی جدت سے نا صرف سندھ بلکہ پاکستان و بیرونِ ملک پذیرائی حاصل کی اور انہون نے اپنے کارناموں اور کاوشوں سے برِ صغیر میں جو لازوال نقوش چھوڑے ہیں وہ صدیوں تک تاریخ میں رقم رہیں گے۔

کتاب کے بارے میں

جناب رسول بخش پلیجو صاحب کی رحلت پر پورے پاکستان بلکہ دنیا بھر سے انکے سیاسی، ادبی دوستوں، چاہنے، جاننے والوں اور رفیقوں نے جس عقیدت سے اظہارِ تعزیت و محبت میں کالمز، مضامین، تاثرات و خیالات کا تحریری طور پر اظہار کیا، جو کہ انگریزی، ہندی، چائینز، اردو، سندھی، پنجابی، سرائیکی اور پشتو زبانوں میں ہیں۔ لیکن یہ کتاب صرف اردو اور انگریزی میں لکھے گئے اور پاکستان کے مختلف اخبارات، رسائل و جرائد میں شائع ہونے والے کالمز و مضامین پر مشتمل ہے۔ جس میں پلیجو صاحب کی شخصیت کے کئی مختلف پہلو زیرِ تحریر ہیں انہیں کتابی شکل میں محفوظ کیا گیا ہے تاکہ تاریخ کا ریکارڈ مستقبل میں انکی شخصیت پر تحقیق کرنے والوں اور آئندہ نسلوں کے کام آسکے۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ رسول بخش پلیجو صاحب جیسے انقلابی کے متعلق یہ کتاب آپ کی خدمت میں پیش کر رہی ہوں۔ محترم شانی سومرو، منور ابڑو، پیکاک پبلشرس اور دیگر ساتھیوں کی مشکور ہوں جو کہ ماہرانہ رائے، مشورے، مواد جمع کرنے میں شامل رہے اور اس کتاب کو آپ کے ہاتھوں تک پہنچانے کے مختلف مراحل میں ساتھ دیا۔

کلاونتی راجہ

گمبٹ، ۱۰ مئی ۲۰۱۹ء

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو کی فکری، ادبی اور سیاسی جدوجہد!

جامی چانڈیو

رسول بخش پلیجو بھی سندھ کی تاریخ کے ایک ایسے منفرد اور یگانہ "فرد" ہیں، جنہوں نے نہ صرف اپنے ہمعصر دوٗر پر علم، عقل، فن، عمل اور مسلسل جدوجہد سے غیر معمولی اثرات مرتب کیے ہیں بلکہ وہ خود بھی ایک زندہ تاریخ بن چکے ہیں۔

یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں پلیجو صاحب کے نہایت قریبی ساتھیوں اور دوستوں میں شامل رہا ہوں۔ میں نے نہ صرف علم سے عشق کرنے والے ایک شاگرد اور جدوجہد کے سفر کے ایک کارکن اور ساتھی کی حیثیت سے ان سے بے حد سیکھا ہے بلکہ بطور ایک سبجیکٹ کے، میں نے ان کو قریب سے دیکھا، سمجھا اور جاننے کی کوشش بھی کی ہے۔ علم اور ادراک کے سات سمندروں کے اس پاسبان، جدوجہد کے رہنما مفکّر کے ساتھ اُنیس سال گذارنا میرے لیے ایک ایسی خوش بختی ہے، جس پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے۔ رسول بخش پلیجو کی زندگی کے بہت سے رنگ اور روپ ہیں مگر ان تمام رنگوں اور روپوں کی روح ایک ہی ہے اور وہ ہے انقلاب! ایسا انقلاب جو نہ صرف سندھ کے غریب، مزدور اور محنت کش عوام کے لیے ہو بلکہ پورے ملک، انسانذات، سارے کرہ ارض اور دنیا کے تمام غریب اور مظلوم عوام کے لیے ہو۔ در حقیقت وہ اپنی فکری سرشت میں ایک بین الا قوامیت پسند عالم، جید انقلابی اور تخلیق کار ہی ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ انہوں نے کبھی خود کو ایک سندھی قوم پرست کے طور پر پیش نہیں کیا۔ انہوں نے ایک مارکسسٹ انقلابی کے طور پر قومی سوال کو تو ہمیشہ اپنی پوری اہمیت اور شدت کے ساتھ اُٹھایا لیکن فکری طور پر وہ ہمیشہ ایک بین الا قوامیت پسند انقلابی رہے۔

Gul Hayat Institute

پلیجو صاحب کی کثیر جہتی شخصیت کا ہر پہلو اس قدر بڑا، گہرا اور وسیع ہے کہ جس پر باقاعدہ اور ایماندارانہ علمی تحقیق ہونی چاہیے۔ سندھی ادب میں تحقیق فکری اور عملی طور پر ابھی تک اپنے ارتقا کے ابتدائی مراحل سے گذر رہی ہے۔ تحقیق کے خیال سے بڑے بڑے موضوعات کو ضبط تحریر میں لانے والی روایت ابھی تک سندھی ادب اور زبان میں مضبوط نہیں ہو سکی ہے۔ شاہ لطیف، سچل سرمست، کامریڈ حیدر بخش جتوئی، سائیں جی ایم سید، ذوالفقار علی بھٹو، محمد ابراہیم جویو، شیخ ایاز، استاد بخاری اور رسول بخش پلیجو کے علمی، فکری، سیاسی اور ادبی پہلوؤں اور ان کی فکری اور سماجی افادیت پر سائنسی انداز سے تحقیق کہاں ہوئی ہے؟ سندھی ادب میں تحقیق کا وہ پختہ دَور ابھی آنے والا ہے۔ رسول بخش پلیجو جیسے جید عالم، مفکّر اور رہنما کی زندگی کے کارناموں، عمل اور علم پر صرف ایک مضمون میں کیا کچھ لکھا جا سکتا تھا۔ یہ تو ایک کم سے کم پی ایچ ڈی کا موضوع ہے اور وہ بھی ہماری جامعات کے معیار کی نہیں بلکہ تحقیق کے عالمی معیار کے مطابق ہونی چاہیے۔ مجھے امید ہے کہ کل سندھی ادب اور زبان کا کوئی سنجیدہ محقق اس موضوع پر ضرور کام کرے گا۔

یہ مضمون صرف اس امکانی طور پر آنے والے دنوں میں ہونے والی تحقیق کے بنیادی نکات اور موضوعات کو واضح کرتا ہے مگر یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ مضمون اس مستقبل کی تحقیق کا ایک ماخذ اور خاکہ ہی ہے۔ جس کو بنیاد بنا کر آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔

حلیم بروہی نے ایک بار لکھا تھا کہ قدرت کسی بھی آدمی پر نامہربان ہوتی ہے تو اس کو بہت ساری صلاحیتیں دے دیتی ہے مگر حقیقت یہ بھی ہے کہ قدرت کسی قوم پر مہربان ہوتی ہے تو اس میں سے بہت ساری بہادر، بے باک اور غیر معمولی ذہانت اور تخلیقیت کی حامل شخصیتوں کو بھی پیدا کر دیتی ہے۔ رسول بخش پلیجو بھی ان ہی غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل افراد میں سے ایک ہیں۔ ان کی شخصیت اس قدر ہمہ گیر اور تاریخی ہے کہ کوئی بھی ان کو کسی بھی ایک شعبے یا خانے میں فٹ نہیں کر سکتا۔ کوئی یہ تعین نہیں کر سکتا کہ رسول بخش پلیجو بنیادی طور پر ایک اسکالر، مفکّر، سیاسی رہنما، ادیب اور آرٹسٹ ہیں یا پیشہ ور انقلابی اور کمیٹیڈ کارکن؟ پالیسی ساز، حکمت عملیوں کے ماہر اور تنظیم ساز یا کوئی انقلابی جرنیل ہیں؟ میرے خیال میں اس کا تعین "یا" کے سوال سے نہیں کیا جا سکتا۔ پلیجو صاحب ان تمام خصوصیات کے حامل ایک بڑی شخصیت ہیں۔ جس کا کسی سے بھی موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ رسول بخش پلیجو علمی، فکری، سیاسی، ادبی اور سماجی طور پر ایک رنگ والا گلاب نہیں ہے، بلکہ عالمی علم، انقلابی فہم اور جدوجہد کے آسمان کے پس منظر میں ابھرنے والی ایک ایسی قوس و قزح ہے،

Gul Hayat Institute

جس کی پہچان کسی بھی ایک رنگ سے نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا آیئے اس دَور کے اس یگانے انسان اور شخصیت کے علمی، فکری، سیاسی، ادبی، تخلیقی اور سماجی کارناموں پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں۔

رسول بخش پلیجو کے علمی اور فکری کارنامے

رسول بخش پلیجو بنیادی طور پر ایک جید عالم، اسکالر اور مارکسی سائنسی سوچ کے حامل سیاسی مفکّر ہیں۔ جس طرح پلیجو صاحب کی زندگی میں جستجو، علم اور عمل کا دائرہ بہت وسیع ہے، اسی طرح ان کا علمی دائرہ بھی بہت سارے شعبہ جات میں پھیلا ہوا ہے۔ فلسفہ، ادب، تاریخ، مذہب، سماجی سائنس، ادبی فن، سیاست، قانون، جنگیں اور جنگی حکمت عملیاں، سماجی نظام اور اس کی تاریخ، مارکسزم، برصغیر اور سندھ کی تاریخ جیسے موضوعات ان کے نہ صرف پسندیدہ موضوعات ہیں، بلکہ ایسے موضوعات ہیں، جن پر پلیجو صاحب کو بڑا عبور حاصل ہے۔ اتنے سارے مختلف اور متنوع موضوعات کی ہم آہنگی، کسی ایک اسکالر کے پاس ہونا در حقیقت کسی بھی بڑے علمی کارنامے سے کم نہیں ہے۔ اور وہ بھی ایسے آدمی کے پاس جو اسکالر ہی نہیں بلکہ محنت کش کارکن، صفِ اول کے سیاسی رہنمااور جدوجہد و عمل کے میدان کے مجاہد بھی ہیں۔ ان تمام موضوعات اور شعبہ جات کو پلیجو صاحب نے سندھ میں نئے سرے سے متعارف کروایااور صرف نئے سرے سے ہی نہیں بلکہ انھوں نے یہ موضوعات نئے انداز، روّیے، فکر اور بنیاد پر از سرِ نو متعارف کروائے ہیں۔ ایک (Original Thinker) کی بنیادی خصوصیات یہ ہی ہوتی ہیں۔ اگر کتابوں کو پڑھ کر صرف اپنے دماغ تک رکھنا ہے تو کتابوں کو جمع کرنے کی گنجائش تو لائبریریوں میں کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ در حقیقت جینئس اسکالر اور مفکّر کا کام صرف ذہن میں کتابیں جمع کرنا نہیں ہوتا بلکہ علم کو تخلیقی ذہن اور رویے سے حاصل کر کے اس کو اپنے شعور کی مٹی سے دوبارہ گوندھ کر، علم کو شعور اور ادراک کی بلند منزلوں تک لے جانا ہوتا ہے۔ رسول بخش پلیجو جب لکھتے اور بولتے ہیں تو وہ صرف کتابوں کے حوالہ جات نہیں دیا کرتے بلکہ اس سے وہ نئے تصورات، علم اور شعور کے نئے نمونے، علمی رویے، تحقیقی اقدار اور زندگی کے طور طریقے تخلیق کرتے ہیں۔ وہ اپنی ساری سوچ، روّیے، جدوجہد، علم اور زندگی میں ایک جینئس تخلیق کار نظر آتے ہیں۔ یہ بات ہی ان کی ذات کی انفرادیت ہے۔

مارکسزم کو نئے انداز سے متعارف کروانا:

رسول بخش پلیجو فکری طور پر ایک مارکسوادی (Marxist) ہیں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ مارکسزم میں کسی نظریاتی میکانکیت کا شکار نہیں ہیں۔ایک حقیقی مفکّر کی طرح پلیجو صاحب نے مارکسی فکر کو تیسری دنیا، پاکستان اور سندھ کے مخصوص سیاسی، سماجی اور ثقافتی حالات کے تحت تخلیقی اور عوامی انداز سے پیش کیا ہے۔ پاکستان کے قیام کے بعد ہمارے ہاں بائیں بازو کے روایتی رہنما نہ صرف خود اس سماج اور ملکی عوام کے لیے اجنبی تھے، بلکہ انہوں نے جس روّیے اور انداز سے مارکسزم کو یہاں متعارف کروایا،اس فکری رویے نے اس نظریے کو بھی عوام کے لیے اجنبی بنادیا۔ "بائیں بازوں کے روایتی کامریڈ"، بورجوا، پرولتاری، پرولتاری ڈکٹیٹر شپ، پیٹی بورجوا، "Haves and Haves not" سے کم صیغے اور لہجے میں کم بات نہیں کرتے تھے۔ یہاں محنت کشوں کی اکثریت کسانوں پر مشتمل تھی، مگر ان بائیں بازو سے منسلک "انقلابی رہنماؤں" کا انحصار بورژوا پرولتاری محنت کشوں پر ہے۔ان کی اس میکانکی روِش کے حوالہ سے یہ لطیفہ بھی مشہور ہوا کہ "ماسکو میں برف پڑتی تھی تو وہ یہاں کوٹ پہننا شروع کردیتے تھے"۔وہ دیہی عوام میں نچلی سطح تک کبھی بھی نہیں گئے۔ کسانوں اور مجموعی طور پر عوام سے ان کا رابطہ بہت محدود تھا۔ پس ایک مصنوعی، فیشنی، کاغذی اور اجنبی سیاسی اور نظریاتی کلچر اور ماحول قائم کیا گیا، جس کو انہوں نے مارکسی سیاست کا نام دے دیا۔ ستم ظریفی تو یہ تھی کہ انہوں نے کامریڈ حیدر بخش جتوئی جیسے بڑے انقلابی رہنما کو بھی آخر تک کسی "ادارے" میں بطور ممبر مقرر نہیں کیا۔ جب کہ ان کے برعکس رسول بخش پلیجو نے مارکسزم کو تخلیقی اور عوامی انداز سے مقامی فکر کے طور پر پیش کیا۔ ان کی تمام تحریروں، تقاریر اور لیکچرز وغیرہ میں آپ کو اجنبی زبان، میکانکی تشریحات اور تاویلیں نہیں ملیں گی۔انہوں نے مارکسی نظریے کو اس طرح آسان، عام فہم اور تخلیقی انداز میں پیش کیا کہ اس کو ایک کسان بھی آسانی سے سمجھنے لگا۔

مارکسزم کی جس طرح عام فہم تشریح رسول بخش پلیجو نے پیش کی، وہ نہ صرف سندھ اور پاکستان بلکہ پوری تیسری دنیا کے ممالک کے لیے یکساں اہمیت اور افادیت کی حامل ہے۔انہوں نے صرف صنعتی مزدور طبقہ پر زور دینے کی بجائے عوام کے اکثریتی حصہ کسان عوام کی رہنمائی میں پورے غریب اور محنت کش عوام کی باہمی طبقاتی اور عوامی جمہوری جدوجہد کی بات کی۔

Gul Hayat Institute

قومی، طبقاتی، جمہوری اور سامراج دشمن جدوجہد کو ایک ساتھ چلانے کا تصور:

رسول بخش پلیجو سے پہلے بھی سندھ میں روشن خیال اور ترقی پسند سیاست مروج تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کامریڈ حیدر بخش جتوئی سندھ کی سیاسی تاریخ کے ایک بڑے کردار تھے، اور وہ اپنے مزاج اور سرشت میں ایک بڑے ترقی پسند مفکّر اور انقلابی رہنمائے تھے، مگر ان کی سیاست کا بنیادی دار و مدار طبقاتی اور کسان سوال پر تھا۔ ان کی سندھ ہاری کمیٹی بھی اسی فکر اور سیاست کا ایک مظہر تھی۔ جناب جی ایم سید نے طبقاتی اور جمہوری سوالات کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ ان کا زور قومی سوال کی طرف تھا مگر اس کی طرف بھی ان کا روّیہ عوامی جدوجہد پر ایمان والا نہیں بلکہ اپنے طبقے کی حدود کے تابع تھا۔ وہ الگ بات ہے کہ ان کی سوچ اور سیاست نے سب سے زیادہ نوجوانوں کو متاثر کیا اور وہ ہی ان کی سیاست کے سرگرم پیش رو تھے۔ تیسری طرف ذوالفقار علی بھٹو نے ایک طرف قومی سوال کو مطلوبہ اہمیت نہیں دی، طبقاتی سوال کو نعرے بازی کی حد تک یا سطحی انداز میں اُٹھایا، سامراج دشمنی کے سوال کو بھی نعرے بازی کی حد تک رکھا اور سوشلزم کے نام پر جاگیردارانہ جمہوریت کے ماڈل کو تقویت دی۔ قومی اور حقیقی طبقاتی سوال کے بغیر جمہوریت کا تصور درحقیقت ایک خود فریبی ہی ہوتی ہے۔ جب کہ ہماری بائیں بازو کی سیاست کا زیادہ زور سامراج دشمنی اور مزدور طبقے سے وابستہ طبقاتی سوال پر تھا۔ قومی سوال کو بائیں بازو کے انقلابی رہنماؤں نے "بورژوا طبقے" کے مفادات کی عکاسی سمجھ لیا، مگر پلیجو صاحب نے عوامی اکثریتی محنت کش حصے یعنی کسان اور مظلوم قوموں کے مفادات سے متعلقہ فکری سیاست کے ان تمام مروج رجحانات کو ایک نئے انداز سے دیکھا۔ اور دوسری بات یہ کہ ان کے درمیان موجود فطری اور معروضی رشتے کو بڑے ہی سائنسی توازن اور فکری گہرائی سے واضح کیا۔ ان کی کتاب "صبح تھیندو" (صبح ہوگی) ایسے ہی متوازن اور دور اندیش انقلابی فکر کی ترجمان ہے۔ عام فہم میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ پلیجو صاحب نے قومی، طبقاتی، جمہوری اور سامراج دشمن سوالات کو ایک مربوط اور باہمی توازن سے دیکھا اور اسے اپنی سیاست اور فکر کی بنیاد کے طور پر رکھا۔ کیونکہ ان کے محرکات ایک دوسرے سے پیوستہ تھے اور اس کا حل بھی ایک دوسرے پر انحصار رکھنے والا تھا۔ دعویٰ سے کہا جا سکتا ہے کہ ایسا فکری توازن سیاسی اور فکری میدان میں پاکستان میں ان کے دوَر میں پلیجو صاحب کے علاوہ کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ رسول بخش پلیجو نہ صرف مقامی بلکہ درحقیقت اپنے ہمعصر دوَر اور تیسری دنیا کی مظلوم طبقات اور قوموں کی جدوجہد کے انقلابی مفکّر اور نظریہ دان ہیں۔ جس طرح شاہ لطیف ایک عالمگیر شاعر

Gul Hayat Institute

اور مفکّر تھے۔ مگر مخصوص حالات اور اسباب کی بناپر دنیا نے ان کے فکر اور فن سے زیادہ فائدہ حاصل نہیں کیا ہے۔ اسی طرح رسول بخش پلیجو جیسے مفکّر پر بھی وہی بات صادق آتی ہے۔ ان کو مواقع میسر ہوتے اور حالات اجازت دیتے تو ان کو تیسری دنیا کے مظلوم طبقات اور قوموں کی جدوجہد کا ایک اول درجے کا نظریہ دان اور انقلابی مفکّر سمجھا جاتا۔ ڈاکٹر اقبال احمد کو عالمی طور پر ایسی حیثیت حاصل تھی اور میں ان کا بے حد احترام کرتا ہوں مگر ان کا بھی موازنہ اگر رسول بخش پلیجو کے ساتھ کیا جائے تو مجھے سیاسی، علمی اور فکری لحاظ سے پلیجو صاحب کا پلڑا جدوجہد اور فکری کام کے اعتبار سے بھاری نظر آتا ہے۔ جب کہ ڈاکٹر اقبال احمد کی پوری عمر کتابوں اور فکری تعلیم دینے میں گذر گئی مگر رسول بخش پلیجو کی ساری حیاتی جدوجہد، عملی میدان اور جیلوں میں گذری ہے۔ گو کہ پلیجو صاحب نے دنیا کی بہت ساری یونیورسٹیوں میں جاکر لیکچرز دیے ہیں مگر اس کے باوجود مخصوص مقامی، تنظیمی، سیاسی، معاشی پیچیدگیوں اور بندشوں کی وجہ سے وہ جس سطح کے اسکالر ہیں، اتنی پذیرائی ان کو عالمی طور پر نہیں مل سکی۔ ایک دوْر میں وہ ایشیا پیسفک امن فورم میں متحرک رہے، ان کے سیاسی تعلقات روس کے ساتھ بھی استوار ہوئے اور افغانستان کے ڈاکٹر نجیب تو ان کے فکری مداحوں میں شمار ہوتے تھے، لیکن پلیجو صاحب علمی اور فکری طور پر جس سطح کے انقلابی عالم تھے، ان کو اس سطح پر پذیرائی نہیں مل سکی، اور یہ تیسری دنیا کے اکثر مقامی انقلابی رہنماؤں کا مسئلہ ہے۔

نظریاتی مہم جُوئی سے گریز کرنا:

رسول بخش پلیجو کا میری نظر میں ایک بڑا فکری کارنامہ ان کا نظریاتی میکانکیت سے بچنا اور مارکسی نظریات کو تخلیقیت اور مقامی تناظر میں حقیقت پسندی سے پیش کرنا ہے۔ مثال کے طور پر اکثر ترقی پسند حلقوں میں غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مذاہب کو سادگی سے رد کیا جاتا ہے اور مذہب کے خلاف عوامی سطح پر بات کرنے کو ترقی پسندی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ میں نے رسول بخش پلیجو کو کبھی بھی مذاہب کے بارے میں غیر سنجیدہ گفتگو کرتے ہوئے نہیں سُنا۔ وہ ہمیشہ مذاہب کو انسانی تاریخ، ہم عصر ادوار اور اس دوْر کے فکری نظاموں کے تناظر میں دیکھنے اور ان کی تشریح کرنے کے قائل تھے، جن کے بغیر شاید انسان آج کے دوْر تک کبھی نہیں پہنچ پاتا۔ مذہبی لحاظ سے نہیں بلکہ تاریخی لحاظ سے حضرت محمد صہ کی زندگی اور کارناموں پر پلیجو صاحب کے دیے گئے لیکچرس رکارڈ پر ہیں۔ مذاہب کے عقائد کے نظاموں (Belief System) کی تاریخ اور خاص

طور پر اسلام کی تاریخ ان کے پسندیدہ موضوعات رہے ہیں، جن پر ان کو بڑا عبور بھی حاصل ہے۔ اسی طرح وہ انقلاب کے میکانکی تصوّر کے بھی قائل نہیں ہیں۔ انقلاب ان کے لیے ایسی بنیادی فکری، ثقافتی، علمی، سیاسی، سماجی، اقتصادی اور اسٹرکچرل تبدیلی ہے جو مظلوم طبقات اور قوموں کو قومی اور طبقاتی غلامی اور سامراجی نظام کے اسٹیٹسکو سے باہر نکال لیتی ہے۔ اور وہی تبدیلی مسلسل جدوجہد کے مراحل میں آتی ہے۔ ان کی نظر میں انقلاب کا مطلب ایک نئے انسان اور ایک نئے سماج کی تعمیر اور تخلیق ہے۔ ان کے لیے انقلاب محض کسی مخصوص واقعے کا نام نہیں بلکہ مسلسل بنیادی تبدیلی کے عمل کا نام ہے۔

سائنسی شعور اور ادراک کی بنیاد پر سماج اور ریاست کا درست معروضی تجزیہ کرنا:

شعور اور ادراک، علم اور اعلیٰ درجے کی سوچ کے امتزاج کا نتیجہ بھی ہوتا ہے تو وہ اس کی پیداوار بھی ہوتا ہے۔ فلسفے کا ایک شعبہ علم العلوم یعنی Theory of Knowledge ان ہی پیچیدگیوں کو سمجھنے اور سمجھانے کا علم ہے۔ علم تجربات سے اخذ کیے گئے معروضی حقائق کو ظاہر کرنے کا نام ہوتا ہے۔ جب کہ ادراک علم اور تجربے کی بنیاد پر مستقبل کے امکانی حالات کو دیکھنے، محسوس کرنے، سمجھنے اور سمجھانے کا نام ہے۔ دنیا کے تمام عظیم اور لیجنڈ مفکّرین اپنے غیر معمولی علم ادراک کی بنیاد پر اپنے مخصوص شعبہ جات کے اندر ماضی اور حال کے ساتھ ساتھ مستقبل کی پیچیدگیوں کو دیکھ اور محسوس کر سکتے تھے اور کر سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں وہ جیّد عالم اور مفکّر نہ صرف امکانات کی سائنس پر عبور رکھتے ہیں بلکہ اس کا ہر طرح سے ادراک بھی رکھتے ہیں اور ان بنیادوں پر اپنے دوٗر، سماج، رجحانات اور ریاست کا معروضی اور سائنسی تجزیہ کرتے ہیں۔

اس تناظر میں رسول بخش پلیجو کی گذشتہ چالیس برس کی تحریروں کو اگر پڑھا جائے اور ان کے لیکچرز اور تقاریر سُنی جائیں تو یہ بات نہایت واضح طریقے سے محسوس کی جاسکتی ہے کہ انہوں نے اپنی سیاسی اور فکری زندگی میں ہر دوٗر کی سیاسی اور فکری پیچیدگیوں، محرکات اور اس نسبت سے مستقبل کے امکانی پہلوؤں کا معروضی اور مارکسی نقطہ نظر سے تجزیہ کیا ہے اور یہ ہی درحقیقت ایک عوامی اور انقلابی دانشور کا حقیقی کام ہوتا ہے۔ انہوں نے فکری، ادبی اور سیاسی طور پر جو بھی تجزیے مختلف ادوار میں کیئے وہ بعد میں بڑی حد تک درست بھی ثابت ہوئے۔ مثال کے طور پر ان کا مضمون "بھٹو اور سید" دوبارہ پڑھ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے ان دونوں رہنماؤں کی سوچ

اور سیاسی طریقہ کار، حکمت عملی اور سیاست کا جو تجزیہ کیا ہے بعد کے حالات نے اس تجزیے کو بلکل ہی درست ثابت کردیا۔ انہوں نے اپنی جیل ڈائری میں شیخ ایاز کے بارے میں لکھا ہے کہ شیخ ایاز کے بے پناہ فن کی نرگسیت میں اس کی فکری کمزوریاں گم ہو جاتی ہیں۔ وہ تب ہی ظاہر ہونگی جب ایاز نثر میں کچھ لکھے گا۔ یا انہوں نے ایاز کے بارے میں اپنی ڈائری میں لکھا کہ ایاز کا مطالعہ وسیع ہے مگر گہرا نہیں ہے۔ یہ سچی بات ہے کہ جب شیخ ایاز نے بعد میں نثر میں لکھنا شروع کیا تو یہ دونوں باتیں سو فیصد درست ثابت ہوئیں۔

انہوں نے تین دہائیاں قبل کہا تھا کہ سندھ کی تعلیم نام نہاد قوم پرست شاگرد سیاست کے نام پر ایک سازش کے تحت تباہ کی جارہی ہے۔ گو کہ اُس دوَر میں اس طرح کی بات کرنا نہایت مشکل تھی مگر وقت نے ثابت کردیا کہ پلیجو صاحب کی بات میں مستقبل کا کتنا ادراک اور فہم تھا۔ سندھ کے پانی کے معاملے پر پنجاب کے حکمران طبقات کے ناپاک ارادوں کو انہوں نے بیس برس پہلے سمجھ لیا تھا۔ آج اُس حوالے سے تمام حقائق ہمارے سامنے ہیں۔ پلیجو صاحب نے اپنے زمانے میں بڑی کوشش کی کہ مشرقی بنگال علیحدہ نہ ہو۔ انہوں نے اس کام کے لیے بھٹو اور شیخ مجیب سے بھی ملاقات کی مگر ظاہر سی بات ہے کہ یہ کام ان کے بس میں نہیں تھا۔ ان کے اُس زمانے میں ماہنامہ "تحریک" میں تحریر کردہ اداریوں کو اگر پڑھا جائے تو یہ معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے کیوں مشرقی بنگال کو مغربی پاکستان کے ساتھ ہونے کو ضروری سمجھا تھا؟ آج پاکستان میں تمام مظلوم قومیں اور عوام پنجاب کے کوتاہ نظر حکمران طبقے کی محکومی کا شکار ہیں۔ جو کہ مشرقی بنگال کی علیحدگی کا بھی ایک منطقی نتیجہ ہے۔

1973ء کے آئین کے بارے میں پلیجو صاحب نے جو تجزیہ پیش کیا وہ دوبارہ پڑھ لیا جائے۔ انہوں نے 80ء کی دہائی کے شروع ہی میں عالمی کمیونسٹ تحریک کے بحران پر بھی لکھا اور جو نتائج اخذ کیے انہیں دوبارہ پڑھا جائے۔ یہ درحقیقت ان کی گہری علمی بصیرت اور سائنسی شعور کا نتیجہ تھا کہ وہ ہر زمانے میں اپنے وقت اور حالات کی نبض پر ہاتھ رکھتے آئے ہیں اور ہر وقت عوام کو مستقبل کے امکانی خطرات سے آگاہ کرتے رہے ہیں اور یہ ہی ایک دانشور کا اصل کام ہوتا ہے۔

سیاست کو علم اور ادب سے مربوط کردینا:

ایک اسکالر اور انقلابی مفکّر کی حیثیت میں رسول بخش پلیجو کی سیاست کے بارے میں

Gul Hayat Institute

تصورات، روّیے، اقدار اور خواب ہی منفرد نوعیت کے رہے ہیں۔ گو کہ یہ روایت سندھ میں ان سے پہلے بھی موجود تھی۔ کامریڈ حیدر بخش جتوئی اور جناب جی ایم سید سیاستداں ہونے کے ساتھ ساتھ بہت ساری کتابوں کے مصنف تھے مگر رسول بخش پلیجو اس روایت کو فکری بلوغت کے ساتھ بہت آگے تک لے گئے۔ ان کی ساری زندگی سیاست کو ادب، انقلابی افکار اور عوام سے جوڑنے میں گذر گئی ہے۔ ان کی تمام کتابیں اس رویے کی عکاس ہیں۔ وہ خود بھی سیاست کو علم، ادب اور فن سے جوڑنے والے پُل کا نام دیتے ہیں، ان کی ساری زندگی اس پُل کی تعمیر اور اس کا دفاع کرنے میں گذر گئی ہے۔ لوگ پلیجو صاحب کو سیاست، علم اور ادب کے شعبہ جات میں بٹے ہوئے شخص کے طور پر دیکھتے ہیں مگر وہ سیاست، علم و ادب کے بظاہر بٹے ہوئے شعبہ جات کو جوڑنے والے شخص بھی تو ہیں۔ کیا یہ کوئی معمولی فکری کارنامہ ہے؟ وہ بھی سندھ جیسے پسماندہ سماج میں! سندھ اور ملک کی سیاست اور معاشرے میں اب وہ فکری روایت اور وہ نسل ناپید ہوتی جا رہی ہے۔ ویسے بھی رسول بخش پلیجو صرف ادبی اور سیاسی طور پر تخلیقکار نہیں بلکہ وہ جدید انقلابی تصورات، اقدار اور رویوں کے بھی تخلیقکار ہیں۔ تخلیق صرف ادب اور فن میں نہیں ہوتی بلکہ تخلیقیت کا دائرہ تو عالمگیر نوعیت کا ہو سکتا ہے اور ہے بھی۔

رسول بخش پلیجو کے سیاسی کارنامے

سیاست کا نیا تصور اور رویہ متعارف کروانا:

پلیجو صاحب سے میرے قریبی فکری، ادبی، سیاسی اور ذاتی دوستانہ تعلقات کو اٹھارہ سالوں سے زائد عرصہ گذر چکا ہے۔ ابتدائی سالوں میں، میں یہ رائے رکھتا تھا کہ وہ بنیادی طور پر ایک ادیب اور مفکّر ہیں اور ان کی سیاسی شناخت بعد میں آتی ہے مگر ان کی سوچ، فکر، شخصیت، ترجیحات اور رویوں کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد مجھے اپنی پہلی رائے درست نہیں لگی۔ وہ نہ تو روایتی دانشور اور ادیب ہیں اور نہ ہی روایتی سیاستداں۔ میں نے نہایت باریک بینی سے ان کے افکار اور مجموعی کردار کے بغور مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وہ سیاست، ادب، فن اور علم کو بذات خود مقصد اور منزل نہیں بلکہ ایک نئے انسان اور ایک نئے منصفانہ سماج کی تعمیر کے لازمی عناصر سمجھتے ہیں۔

رسول بخش پلیجو کے لیے انقلاب کا مطلب محض کوئی نئی انقلابی یا ترقی پسند حکومت قائم کرنا

Gul Hayat Institute

نہیں ہے۔ وہ انقلاب کے بارے میں ایک ہمہ گیر، گہرا اور متحرک تصّور رکھتے ہیں۔ وہ انقلابی سیاست میں انقلابی ادب، شاعری، علم اور فن کو جگہ دینا چاہتے ہیں۔ ورنہ سیاست مفاد پرست، موقع پرست، بے روح، عوام دشمن، رجعت پسند اور بدبودار ہو جائے گی۔ جہاں سیاست میں علم اور ادراک کی گہرائی نہیں ہوگی۔ جہاں سیاست میں انقلابی خواب اور بڑے آدرش نہیں ہونگے، جہاں سیاست میں عوامی ثقافتی رنگ نہیں ہوگا، جہاں سیاست میں روشن خیال کتاب اور علم کی گنجائش نہیں ہوگی، جہاں سیاست میں ترقی پسند اور انقلابی ادب اور شاعری کا جوہر نہیں ہوگا، جہاں سیاست میں رقص، ناٹک، موسیقی اور جذبات کی جمالیات نہیں ہوگی، وہ سیاست عوام دشمن قوتوں کے آلہ کار کے علاوہ مظلوم قوموں اور طبقات اور مجموعی طور پر عوام کے کسی کام کی نہیں ہوگی۔ اس طرح وہ ادب اور فن کو انقلابی سیاست سے علیحدہ کرنے کے قائل نہیں۔ جہاں ادب اور فن میں سچائی کی بات نہیں ہوگی۔ جو ادب اور فن مظلوم عوام کا طرفدار نہیں ہوگا۔ جو ادب اور فن عوام مخالف عناصر کے عوام دشمن مفادات پر ضرب نہیں لگاتا، جو ادب اور فن عوام کے جذبات اور اس کی حسناکی کی ترجمانی نہیں کرتا، جو ادب اور فن عوام کے خلاف آپریٹ کرنے والے اقدار، مفادات، سوچ اور عقائد کے نظام پر حملہ نہیں کرتا، جو ادب اور فن عوام کی زندہ دلی، بہادری، جذبات کی پاکیزگی، رومانس، حسرتوں، خوشیوں اور دکھوں کی ترجمانی نہیں کرتا، نہ صرف ترجمانی بلکہ ان کے نسل در نسل دکھوں کے مداوے کی نئی راہیں تلاش اور تخلیق نہیں کرتا وہ پس وپیش عوام دشمن عناصر کے مفادات کے اسٹیٹسکو کے ہی کام آتا ہے۔

رسول بخش پلیجو کا فکری اور روحانی تعلق علم، ادب، فن، فکر اور عمل کے اس حصے سے ہے، جو صرف دنیا کو جاننے اور اس کے علمی یا ادبی اظہار کو کافی نہیں سمجھتا۔ وہ تاریخ کے اس حصے کا تسلسل ہیں، جو دنیا کو تبدیل کرنے کی بات کو بڑی بات نہیں سمجھتے اور صرف تبدیل کرنے والی خواہش کو اہم نہیں سمجھتے، بلکہ اس کے لیے اپنے سارے ذہنی، فکری، علمی، سماجی، سیاسی، تخلیقی اور روحانی وسائل کے ساتھ مسلسل جدوجہد کرنے کو بھی دنیا اور لوگوں پر کوئی احسان نہیں سمجھتے، بلکہ اس کو اپنی معمول کے فرض کی ادائگی ہی سمجھتے ہیں۔ یہ جدوجہد عوام کے انقلابی ساتھ کے بغیر نتیجہ خیز نہیں بن سکتی۔ پلیجو صاحب سیاست کو اس ہمہ گیر جدوجہد اور عوام کی انقلابی قوت کو منظم کرنے کا ایک ذریعہ ہی سمجھتے ہیں۔

رسول بخش پلیجو نے اپنی شعوری ارتقاء کے ایک مرحلے پر یہ بات اچھی طرح سے محسوس کی

Gul Hayat Institute

اور سمجھ لی کہ یہ عوامی جدوجہد کی طویل مسافت عوام کی انقلابی قوت اور ان کے انقلابی ساتھ کے بغیر آسان نہیں۔ انہوں نے یہ بات سمجھ لی تھی کہ سندھ کو ایک ایسی منظم اور مضبوط سیاسی جماعت کی ضرورت ہے جو روایتی سیاست، وڈیروں، سرمایہ داروں اور اسٹبلشمنٹ کے مفادات کی مطیع نہ ہو۔ عوامی تحریک بڑے عرصے تک اسی سوچ کا ایک مظہر رہی ہے۔ جس کو درحقیقت سندھی سماج کے ایک انتہائی منظم ادارے اور جماعت کا نام دیا جاسکتا ہے۔ پلیجو صاحب اکثر کہا کرتے ہیں کہ عوامی تحریک نے سندھ اور سندھی قوم کو جو فائدے پہنچائے ہیں ان کو ایک طرف رکھ کر اس بات کا بھی تعین اور تحقیق کرنی چاہیے کہ اس نے سندھ کو لاحق قومی نقصانات کو کتنا کم کیا ہے۔ لہٰذا بڑے جائز اعتماد سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ رسول بخش پلیجو کا ایک بڑا سیاسی کارنامہ ایک نئی قسم کی سیاست، سیاسی رویے اور سیاسی کلچر کو متعارف کروانا بھی ہے۔ اس سیاست کا ایک کیس اسٹڈی کے طور پر تنقیدی مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ اور کرنا بھی چاہیے۔

عوامی جدوجہد کی سائنس کو عملی طور پر متعارف کروانا:

میں رسول بخش پلیجو کو عوامی جدوجہد کا صرف رہنما ہی نہیں بلکہ ایک سماجی سائنسدان بھی سمجھتا ہوں۔ جس طرح چرچل نے کہا تھا کہ جنگ اتنا حساس معاملہ ہے کہ اس کو صرف جرنیلوں کے حوالے نہیں کیا جاسکتا۔ اس طرح عوامی جدوجہد بھی ایک اتنا ہی اہم اور حساس معاملہ ہے، جسے کسی بھی مہم جُو سوچ، رجحان اور رہنما کے حوالے نہیں کیا جاسکتا۔ تاریخ میں بہت سے رہنما اور افراد اس میدان میں مات کھا گئے ہیں۔ جدوجہد میں مہم جوئی درحقیقت اپنے اہداف کی جانب سنجیدہ پیش رفت کی بجائے اپنی ذات کی نفسیاتی کیفیت یا جذبات کی تسکین کا معاملہ ہی ہوتا ہے۔ وہ جدوجہد نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتی ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ وہ پائیدار بھی ثابت نہیں ہوتی۔ عوامی جدوجہد بہت ہی حساس اور نازک معاملہ ہوتا ہے۔ رسول بخش پلیجو نے سیاست میں عملی طور پر ان ہی باتوں کا بڑا ہی لحاظ رکھا ہے۔ ایک بات تو یہ ہے کہ مخصوص اور غیر معمولی حالات میں عوامی جدوجہد جمہوری طریقہ کار کے مطابق اور پُرامن ہونی چاہیے۔ فلسطین، کشمیر اور عراق یا ایسی مخصوص مثالوں کی صورتحال مختلف ہے۔ جب پُرامن جمہوری جدوجہد کے لیے کوئی دوسرا راستہ مفقود ہو جائے، تو پھر گوریلہ جنگ یا مسلح مزاحمت ناگزیر ہو جاتی ہے مگر جن حالات میں پُرامن جدوجہد کے لیے میدان سازگار ہوتا ہے، وہاں حکمت عملی کے لحاظ سے اپنے اہداف کو حاصل

Gul Hayat Institute

کرنے کے لیے وہ ایک بہتر اور پائیدار طریقہ ثابت ہوتا ہے۔ جو نسبتاً زیادہ نتیجہ خیز بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک تو دیرپا انداز میں تسلسل سے چلتی رہتی ہے اور دوسری بات یہ کہ اس میں عوام کی بڑی اکثریت کی شمولیت کے بھی بڑے امکانات ہوتے ہیں۔ نظریاتی یا سیاسی مہم جوئی سے عارضی طور پر بڑی چھلانگ تو لگائی جاسکتی ہے مگر اس سے جدوجہد کو تسلسل سے آگے بڑھایا نہیں جاسکتا۔ لہٰذا مخصوص حالات کے علاوہ عوامی جدوجہد کا پُرامن جمہوری انداز ہی پائیدار ہوتا ہے اور دشمن کو کمزور کرسکتا ہے۔ اس اُصول پر سندھ اور پاکستان میں رسول بخش پلیجو نے ہمیشہ زور دیا اور عمل کیا۔

عوامی جدوجہد کے اعتبار سے رسول بخش پلیجو کا دوسرا اُصول یہ رہا ہے کہ جدوجہد کی ہیئت عوام کی سیاسی قوت اور معروضی حالات کے تحت طے ہونی چاہیے۔ اگر عوام کی قوت اور معروضی حالات سے جدوجہد کا فارم ایڈوانس ہوگا تو جدوجہد ناکام ہوگی اور اگر جدوجہد کے فارم عوام کی سوچ اور قوت سے کم ہونگے تو اس صورت میں بھی جدوجہد نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوگی۔ لہٰذا عوامی جدوجہد کی سائنس کے اعتبار سے عوام کی قوت، سوچ اور جدوجہد کے فارم میں توازن اور ہم آہنگی ہونا نہایت ضروری ہے۔ گاندھی کی سوچ، فکر اور سیاست سے کتنے بھی اختلافات ہوں مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ عوامی جدوجہد کے اعتبار سے وہ صرف ایک سیاستداں ہی نہیں بلکہ ایک بڑے حکمت عملیوں کے ماہر بھی تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ ان مخصوص حالات میں ہندوستانی عوام کی اکثریت ایک بڑی طویل مزاحمت اور پُرخطر جدوجہد نہیں کرسکے گی، لہٰذا انہوں نے آزادی کی جدوجہد میں ایسے فارم ایجاد کیے جو پُرامن طریقے، بھوک ہڑتال جیسے بظاہر چھوٹے اقدامات سے ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں عوام کو متحرک کرکے، اس کو ایک غیر معمولی قوت میں تبدیل کردیا۔ اسی طرح سندھ میں پانی کے اشو کی مثال دی جاسکتی ہے۔ سندھ کے پانی کیس کو عوامی سطح پر اُٹھاکر اس کو بڑا اشو بنانے میں رسول بخش پلیجو کا بڑا بنیادی کردار رہا ہے۔ یہ بات تو ان کے مخالف بھی مانیں گے۔ اس میں بھی پلیجو صاحب کی حکمت عملی وہی رہی ہے۔ رسول بخش پلیجو عوامی رائے عامہ کو ایک غیر معمولی سیاسی قوت میں تبدیل کرنے میں بڑے ہی ماہر مفکّر اور سیاسی انجنیئر ہیں۔ یہ رسول بخش پلیجو کی سیاسی اور تحقیقی جدوجہد کی مرہونِ منت ہے کہ آج سندھ کا بچہ بچہ پانی کے سوال پر بڑا واضح موقف رکھتا ہے۔

حالات سے مطابقت رکھنے والی درست سیاسی حکمت عملیاں متعارف کرانا:

تیسری دنیا کی جمہوری، قومی اور عوامی تحریکوں کی سیاسی پسماندگی کی ایک بنیادی وجہ حکمت عملی کی سائنس سے لاعلمی بھی ہے۔ حکمت عملی جنگ، تجارت اور سیاست کی دنیا میں ایک مؤثر ہتھیار ہے اور پسماندہ معاشروں کی تحریکیں اس ایڈوانس علم اور فن سے محروم ہوتی ہیں۔ رسول بخش پلیجو کا کامریڈ ماؤزی تنگ سے متاثر ہونے کا راز مجھے تب سمجھ میں آیا جب میں نے حکمت عملی کو بطور ایک سبجیکٹ پڑھا اور اس کے بعد پھر ماؤزے تنگ کے جنگی مضامین کو پڑھا۔ پلیجو صاحب ایک پختہ اسٹریٹیجسٹ ہیں اور ماؤزے تنگ تو اس علم اور فن کے بڑے ماہر ہیں۔ حکمت عملی کی سائنس قدیم زمانے میں اکثر جنگی معاملات میں کام آتی تھی اور چونکہ چینی جنگ کے فن کے ہزاروں سالوں کے بڑے ماہر رہے ہیں، لہٰذا حکمت عملی کا فن ان کی سرشت میں رہا ہے۔ سن زو سے لے کر ماؤزے تنگ تک چین نے تاریخ کے عظیم ترین حکمت عملیوں کے ماہرین پیدا کیے ہیں۔ رسول بخش پلیجو کئی برس پہلے یہ بات سمجھ گئے تھے کہ یہ "جنگ" صرف نظریات اور سادہ خواہشات سے جیتی نہیں جاسکتی۔ حکمرانوں کا عوام سے فراڈ کرنا، وسائل چھین لینا اور طاقت کا توازن اپنی طرف کرکے، عوام پر حکمرانی کرنے کا صدیوں پرانا تجربہ رہا ہے۔ اس کے مقابلے میں سخت پسماندہ، غیر منظم، کمزور عوام، قوموں اور طبقات کی تحریکیں صرف ظلم کو برداشت کرنے، رضا پر راضی رہنے، خود فریب امیدوں والی رہی ہیں، لہٰذا جب تک عوام منظم نہ ہونگی، طاقت کے توازن میں تبدیلی نہیں آئے گی اور جب تک جدوجہد درست اور معروضی محرکات سے ہم آہنگ حکمتِ عملی سے آگے نہیں بڑھے گی تب تک ان کی زندگیوں میں محرومیاں اور غلامیاں ہی آئیں گے اور ان کی خواہشات صرف دیوانے کے خود فریب خواب ہی ہوں گی۔ جنگ اور جدوجہد میں درست اور محتاط حکمتِ عملیوں کے بغیر کامیاب ہونا تو کجا آگے بھی بڑھا نہیں جاسکتا۔

سندھ کی سیاست میں پلیجو صاحب کا ایک بڑا کام در حقیقت پچھلے چالیس سالوں سے اپنی قوم اور عوام کو اہم سیاسی حساس حالت میں درست حکمت عملیاں دینے کا رہا ہے۔ یہ وہ کردار ہے جسے انگریزی میں "Strategic Leadership" کہا جاتا ہے۔ کون سے اشو کو کب اور کیسے اُٹھایا جائے؟ یہ فن تو کوئی پلیجو صاحب سے سیکھے۔ بالخصوص یہ کہ وہ مؤقف کی فارمولیشنز کے بڑے ماہر ہیں۔ وہ بڑی مہارت اور تخلیقی انداز سے ایسی فارمولیشنس قائم کرتے ہیں اور ان کو ایسی حکمت عملی سے پیش کرتے ہیں کہ آدمی اپنی بات بھی مؤثر انداز میں رکھے اور دشمن کو دفاعی پوزیشن پر بھی دھکیل دے۔

مثلاً پاکستان کی نفی کرنے کے لیے یہ فارمولیشن کہ "یہ جناح کا سیکولر پاکستان نہیں ہے۔ ہمیں جناح کا سیکولر پاکستان چاہئے"۔ یعنی ایک ضرب سے دشمن دفاعی پوزیشن پر۔ ایم کیو ایم کو سندھ اور ملک میں سب سے پہلے پلیجو صاحب نے دہشتگرد تنظیم قرار دیا۔ آج پورے ملک میں ایم کیو ایم کے نام سے یہ دہشتگرد تنظیم کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ جنرل پرویز مشرف کے اقتدار پر قبضے کے بعد چند ماہ کے اندر پلیجو صاحب نے کہا کہ پرویز مشرف بنیادی طور پر متعصب، نسل پرست، لسانی نرگسیت میں مبتلا اور عملی طور پر ایم کیو ایم کی سوچ کا ہی حامل شخص ہے۔ آج ہر کوئی یہ بات تسلیم کرتا ہے۔ انہوں نے شروع ہی سے یہ بات کہی کہ کرمنل اور لوٹ کھسوٹ مچانے والے کبھی حقیقی قوم پرست نہیں ہو سکتے۔ یہ لوگ بالواسطہ اور بلاواسطہ کام ایجنسیوں اور اسٹبلشمنٹ کا ہی کریں گے۔ آج قوم پرستی کے نام سے سیاست میں کرمنلائیزیشن کے نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو پلیجو صاحب کی زبان اور اسلوب بھی اسٹریٹجک ہے۔ ان کی تشبیہات اور اصطلاحات سارے اسٹریٹجک ہوتے ہیں۔ "اندھا اوندھا وتج"، "صبح تھیندو"، "دھراڑن جادھک"، "گالھیوں گنوارن جون"، "واٹوں ویھ تھیوں"، "سندی ذات ھنجن" جیسی فکری اور پالیسی نوع کی کتابوں میں استعمال شدہ زبان پر غور کیا جائے تو سارا معاملہ سمجھ میں آجائے گا۔ ان کی جرح، حملے اور دفاع کا انداز اسٹریٹجک ہوتا ہے۔ ان کے اسٹریٹجک حملے سے جو آدمی بچ گیا سمجھو اس نے نیا جنم لیا۔ ان تمام محاذوں پر بھرپور اور مسلسل جنگ اور جدوجہد کا راز ان کی حکمتِ عملیوں کا اعلیٰ شعور اور فن ہی ہے۔

محنت کش طبقے کی قیادت کو آگے لانا:

سندھ جیسے سماج میں جہاں سیاست کے سیاہ و سفید کے مالک دہشتگردوں، سرمائیداروں اور جاگیرداروں کو بنایا گیا ہو وہاں پر عوامی تحریک ہی ہے، جس میں آپ کو نچلی سطح کے محنت کش طبقے کے کسان اور محروم طبقات کے لوگ رہنما گیڈر میں نظر آئیں گے۔ نچلے طبقات کے مفادات کی بات کرنا ایک علیحدہ کام ہے اور ان طبقات میں سے سیاسی قیادت پیدا کرنا میری نظر میں ایک بڑا کام ہے۔ پلیجو صاحب نے محنت کش طبقات کی صرف بات ہی نہیں کی بلکہ اپنی زندگی کا بڑا حصہ ان طبقات کے لوگوں کے درمیان گذارا بھی ہے۔ وہ خود بھی ایک فکری اور سیاسی محنت کش ہیں۔ وہ ایک بڑے رہنماً ہیں مگر زندگی میں ان کا رویہ ایک کارکن جیسا ہے۔ اور اپنے آپ کو کارکن ہی کہا کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ ان کی روحانی خوشی شہروں میں رہائش پذیر مڈل کلاس یا شاہوکار طبقے کے لوگوں کے ساتھ

Gul Hayat Institute

اُٹھنے بیٹھنے کی بجائے گاؤں، قصبوں، دیہاتوں میں محنت کش اور نچلے طبقے کے لوگوں کے ساتھ رہنے اور گفتگو کرنے میں ہی ہے۔ وہ صرف عوام کی بات کرنے والے دانشور اور رہنما نہیں ہیں بلکہ عوام سے حقیقی طور پر پیار کرنے والے رہنما بھی ہیں۔

محنت کش خواتین کو سیاست کی دنیا میں آگے لے آنا:

میری نظر میں پلیجو صاحب کی ساری زندگی کے غیر معمولی کارناموں میں سے اہم ترین کارنامہ اور کام نچلے محنت کش طبقات کی خواتین کو قومی، عوامی اور جمہوری تحریک کے ایک قائدانہ کیڈر کے طور پر آگے لانا ہے۔ خواتین مظلوم طبقات کے اندر اس کا بڑا ہی مظلوم طبقہ اور حصہ ہیں۔ لہٰذا ان کی خود مختاری اور مؤثر کردار کے بغیر مظلوم طبقات اور قوموں کا نجات حاصل کرنا نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی کوئی معنیٰ رکھتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ جس جدوجہد میں عوام کا نصف حصہ شامل نہ ہو، اس کو نہ نمائندہ عوامی جدوجہد کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کو کوئی اخلاقی Legitimacy حاصل ہوتی ہے۔ تیسری بات یہ کہ خواتین کے بغیر مظلوم طبقات اور قوموں کی قومی، جمہوری اور طبقاتی جدوجہد کامیاب ہو جائے ایسا ممکن نہیں۔ سفید پوش شہری بیگمات کی تنظیمیں میڈیا میں یا سماجی میدان میں اکثر نظر آتی ہیں مگر سندھیانی تحریک جیسی خواتین کی منظم اور مضبوط تنظیم سندھ تو کیا پورے پاکستان میں دیکھنے کو نہیں ملے گی۔ یہ تنظیم بھی در حقیقت پلیجو صاحب کے تخلیقی انقلابی ذہن اور فکر اور جدوجہد کی پیداوار ہے۔ دس دس ہزار دیہاتی محنت کش غریب خواتین کا ایک جھنڈے، نعرے، نظریے اور تنظیم کے تحت منظم ہو کر جلوسوں اور لانگ مارچوں میں شامل ہونا، ہمارے جیسے پسماندہ سماج میں کسی سیاسی معجزے سے کم نہیں۔

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو کے ادبی اور فنی کارنامے

پلیجو صاحب کی ادبی حیثیت ان کی فکری اور سیاسی حیثیت کے برابر ہی ہے۔ وہ بنیادی طور پر ادب اور فن کی مٹی سے گوندھے ہوئے ایک غیر معمولی شخص ہیں۔ ادب ان کی مؤثر اور بنیادی پہچان ہے۔ ان کی سیاست یا اور کوئی بھی کام اور تصور ان سے ان کی ادبی پہچان چھین نہیں سکتا۔ وہ سیاسی میدان میں ہوں یا سماجی اور ذاتی زندگی کے میدان میں، ادب ان کی زندگی، مسلسل

انسپائریشن کا ذریعہ اور فکری قوت کا بے ساختہ تخلیقی ذریعہ رہا ہے۔ پلیجو صاحب ادب اور فن کے بغیر ایسے ہی ہیں، کہ جیسے مچھلی پانی کے بغیر۔ بالخصوص شاعری، افسانوں، ناولوں، ناٹکوں اور تنقید سے ان کا بڑا گہرا اور ہمہ گیر لگاؤ رہا ہے۔ پلیجو صاحب کی کوئی بھی محفل، گفتگو، میٹنگ ادب اور شاعری کے بغیر نہیں ملے گی۔ ان کے ادبی کام پر کچھ زیادہ نہیں لکھا گیا۔ لہٰذا آیئے ان کے ادبی کارناموں پر ایک سرسری نظر ڈالیں۔

ادب کے بارے میں ترقی پسند نظریات کو نئے سرے سے متعارف کروانا:

جس دوٗر میں پلیجو صاحب ادب کی دنیا میں آئے، تب برصغیر میں ترقی پسند ادبی تحریک اپنے عروج و کمال پر تھی۔ بالخصوص بنگالی اور اردو ادب میں اس کا بڑا چرچہ اور عروج تھا۔ سندھی ادب میں چند ہی ادبی اسکالر اور ادیبوں نے ترقی پسند فکر کو نئے سرے سے متعارف کروایا۔ ان میں سے محمد ابراہیم جویو، شیخ ایاز، سوبھو گیانچندانی، نورالدین سرکی، گوبند مالھی، کیرت بابانی اور اے جے اُتم کے ساتھ ایک نمایاں کردار پلیجو صاحب کا بھی ہے۔ اپنے پورے افسانوی اور غیر افسانوی ادب، لیکچرز اور تقاریر کے ذریعے انہوں نے ادب اور فن کے بارے میں ہمیشہ اپنا ترقی پسند نقطہ نظر واضح رکھا۔ انہوں نے نہ صرف سندھی ادب میں ترقی پسند نقطہ نظر کو متعارف کرانے کی کوشش کی بلکہ اس کو تخلیقی انداز سے پیش بھی کیا۔

ادب میں فکری تنقید کو مستحکم کرنا:

تنقیدی شعور انسانی شعور کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے۔ فلسفے اور سائنس جیسے شعبہ جات اور علوم انسان کے تنقیدی شعور ہی کی پیداوار ہیں۔ وہی شعور جب ادب جیسے لطیف شعبے میں اپنا تخلیقی اظہار کرتا ہے تو اس کو "ادبی تنقید" کہا جاتا ہے۔ انسانی فکر کی تاریخ میں ارسطو کو ادبی تنقید کا بانی یا جدامجد تصور کیا جاتا ہے۔ جنہوں نے ادب کی پہچان کے بارے میں "بوطیقا" جیسی شاہکار کتاب لکھی۔ ان کے بعد جیسے جیسے انسان کا علم، تجربہ اور ادراک بڑھتا گیا، انسان کے تنقیدی شعور اور سمجھ کا دائرہ بھی وسیع ہوتا گیا اور وہی وسعت اور گہرائی ادبی میدان میں بھی آئی۔ آج دنیا میں ادبی تنقید کے بہت سارے زاویوں کی مختلف حوالوں سے درجہ بندی کی گئی ہے۔ ادب کی لسانیاتی تنقید، سماجیاتی تنقید، جمالیاتی تنقید، ساختیاتی تنقید، سیاسی تنقید، فنی تنقید اور فکری تنقید وغیرہ۔ ادبی تنقید

کی اس درجہ بندی میں فکری تنقید در حقیقت ادب کی اقدار، تصورات، نظریات اور فلاسافیکل بنیادوں پر تجزیہ کرتی ہے۔ سندھی ادب میں فکری تنقید کی روایت پہلے بھی تھی اور اس روایت کو بلوغت پر پہنچانے کا کام جس نقاد نے بنیادی موضوعات کے حوالے سے کیا، وہ رسول بخش پلیجو تھے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہنا چاہیے کہ سندھی ادب میں فکری تنقید کی روایت کو مستحکم کرنے میں پلیجو صاحب کا ادبی کردار ہر طرح سے نمایاں ہے۔ آیئے اس کی چند مثالوں پر غور کریں۔

(الف) برصغیر کی تقسیم کے بعد سندھ میں ترقی پسند ادب کی جو لہر اُبھر کر سامنے آئی، اس کا سندھی ادب میں کریڈٹ شیخ ایاز کی طرف جاتا ہے۔ رجعت پسند ادیبوں اور شعراء کے گروہ نے سہ ۔رخی انداز میں شیخ ایاز پر ادبی اور فکری حملے کرنا شروع کیے اور کہا کہ ان کی شاعری کفر اور الحاد کی شاعری ہے۔ اس گروہ کا اصل مقصد ایاز کے نام پر پوری ترقی پسند ادبی روایت کو ختم کرنا تھا۔ اُس زمانے میں یار محمد ابن حیات پنہور اور مولانا غلام محمد گرامی کے بعد جس ادبی نقاد نے ان رجعت پسندوں کی نام نہاد تنقید کا فکری اور ادبی مقابلہ کیا وہ رسول بخش پلیجو ہی تھے۔ انہوں نے بڑی علمیت، ادبی ادراک اور فکر کی گہرائی سے ایک بڑی اہم کتاب "اندھا اوندھا ویج" لکھی، جو سندھی ادب میں کلاسک کی اہمیت رکھتی ہے۔

"اندھا اوندھا ویج" کتاب نے رجعت پسندوں کو ادب کی دنیا میں فکری اعتبار سے کمزور کر دیا اور پیچھے دھکیل دیا۔ سندھی ادب میں رجعت پسند گروہ "اندھا اوندھا ویج" کے بعد پھر کبھی کوئی قوت حاصل نہ کر سکا۔

(ب) 60ء کی دہائی میں وہی رجعت پسند گروہ "پیغامِ لطیف" اور "جیئں ڈٹھو آہِ موں!" (جیسا میں نے دیکھا) جیسی کتابیں لکھنے کی وجہ سے سائیں جی ایم سید پر ٹوٹ پڑا اور فتوائیں جاری کیں کہ جی ایم سید کافر اور ملحد ہیں۔ لوگوں کو بھڑکانے کے لیے بہت سارا مواد، پمفلیٹ اور کتابیں وغیرہ بھی تقسیم کی گئیں۔ ان حساس حالات میں بھی رسول بخش پلیجو ہی تھے، جنہوں نے آگے بڑھ کر جی ایم سید کے دفاع میں ایک مضمون لکھ کر اس رجعت پسند گروہ کو منہ توڑ جواب دیا۔ مجھے پلیجو صاحب نے خود ہی بتایا کہ جب سید صاحب نے وہ مضمون پڑھا تو انہوں نے پلیجو صاحب کے ماتھے پر اظہارِ تشکر اور پذیرائی کا ایک بوسہ دیا تھا۔ اُس دوَر کی تحریریں اور بزرگ دانشور اس بات کی گواہی دیں گے کہ رسول بخش پلیجو اُس دوَر میں سندھی ادب، انقلابی سیاست اور ترقی پسند سوچ کے محافظ تھے۔

Gul Hayat Institute

(پ) ستر اور اسی کی دہائی سندھی ادب میں نئے چیلنجز لیکر آئی۔ دوسری عالمگیر جنگ کے بعد مغربی دنیا میں جو خوف، احساساتی بیگانگیت اور بے چینی کا ماحول پیدا ہوا۔ انہوں نے ادب میں بھی بے معنویت، بے مقصدیت اور فکری بے راہ روی کی لہر کو متعارف کرایا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس ادبی اور فکری بے راہ روی کو "جدّت" کا نام دیا گیا۔ اس ادب کی افادیت صرف عوام کو بے راہ روی پر لے جانا، مایوس کرنا، زندگی کی اقدار کی نفی کرنے تک ہی محدود تھی۔ ظاہر سی بات ہے کہ ان بیکار اور قنوطیت پسند باتوں کا حکمراں طبقات پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا۔ کیونکہ نہ ان کے پاس وقت ہے اور نہ ہی ان کے ایسے کوئی احساسات ہیں۔ جب سماج کے سارے وسائل حکمراں طبقات کے پاس ہوں۔ تو پھر وہ مایوس کیوں ہونگے؟ وہ کیوں خود فریبی کی راہِ فرار اختیار کریں گے؟ یہ تو صرف عوام کو بیوقوف بنائیں گے۔ لہٰذا اس قسم کا ادب حکمران طبقات کی ناجائز حاکمیت اور ان کی لوٹ کھسوٹ کے اسٹیٹس کو کو طاقت بخشے گا۔ اگر عوام بیدار نہ ہوں، باشعور اور زندہ ضمیر نہ ہوں، منظم اور بہادر نہ ہوں، پُر امید اور جدوجہد کے میدان پر نہ ہوں، صحیح خیالات، تصورات، نظریات سے مسلح نہ ہوں، مایوس اور بے راہ روی پر ہوں تو پھر حکمراں طبقات کو اور کیا چاہیے؟ اگر یہ نیک کام ادب سے لیا جائے تو ان کے لیے سونے پر سہاگہ ہوگا۔ ستر اور اسی کی دہائی میں ادب کے نام پر اس قنوطیت پسند اور فراریت پسند رجحان اور روش کو 'جدید ادب' کا نام دیا گیا اور اس طرح کے رجحانات سندھی ادب میں بھی آئے۔ اس نازک دوٗر میں بھی رسول بخش پلیجو نے اپنے قلم کو جنبش دی اور "سندی ذات ھنجبن" جیسی بڑی علمی، ادبی اور فکری کتاب لکھی۔ سائیں محمد ابراہیم جویو نے اس کتاب کے دیباچے میں پلیجو صاحب کو سندھی نثر کا لطیف اور سندھی ادب کا ترگنیف قرار دیا۔ یہ کتاب لکھنا درحقیقت ادبی تنقید کا فکری اعتبار سے بڑا ادبی کارنامہ تھا۔ بہت ہی خوش نصیب ہیں وہ زبانیں، جن میں ایسی کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ گو کہ یہ کتاب "جدیدیت" کے حامی حضرات میں بڑی ہی متنازعہ بنی مگر اس کتاب نے اپنے دوٗر پر فکری اور ادبی اعتبار سے دوررس اثرات ہی مرتب کیے۔ درحقیقت ادبی تنقید کی کتاب تو تنازعات کے لحاظ ہی سے لکھی جاتی ہے۔ لہٰذا وہ دونوں فریقین کے یہاں قبول نہیں ہو سکی۔ ایسے ادب کا رجحان سندھی ادب میں سندھ کے علاوہ ہند میں بھی آیا۔ ہمارے دوست شیام جیٔہ سنگھانی کی مرتب کردہ منتخب افسانوں پر مشتمل کتاب "کھنڈر" پر پلیجو صاحب کی فکری تنقید کا ایک اور شاہکار ہے۔ پلیجو صاحب نے ادب کے نام پر بدحواسی کی اس لہر کا فکری تجزیہ کر کے اس کی بنیادیں ہی ہلادیں۔ سندھی ادب میں یہ رجحان اس تیزی اور پذیرائی

سے پھر کبھی آگے نہیں آسکا۔

(ت) پلیجو صاحب ادبی، فکری، سیاسی اور علمی معاملات میں ذاتی تعلقات کو کبھی اہمیت نہیں دیتے۔ شیخ ایاز جن کا ادبی لحاظ سے ساری عمر پلیجو صاحب نے دفاع کیا، وہ جب اپنے آخری زمانے میں اوہام پرستی، مذہبیت اور عقیدہ پرستی میں جاکر پھنس گئے تو اس حوالے سے پہلا فکری سوال پلیجو صاحب نے ہی اُٹھایا۔ حالانکہ ایاز کے بارے میں ایسے خدشات کا تذکرہ پلیجو صاحب اپنی کتاب "کوٹ لکھپت جو قیدی" میں اسی کی دہائی میں پہلے ہی کر چکے تھے۔ جس کا حوالہ میں نے اوپر دیا ہے۔ انہوں نے ایاز کے فکری زوال اور ان کی زبان کی کمزوریوں پر بہت سارے فکری تنقیدی مضامین لکھے۔ جو مختلف اخبارات اور رسائل میں شائع ہوئے۔ جس سے ایاز صاحب کے ادبی معتقد برہم ہوگئے۔ مگر پلیجو صاحب نے ہمیشہ کی طرح کسی دباؤ کو قبول نہیں کیا اور اپنی بات رکارڈ پر لے آئے۔ ادب میں تنقید درحقیقت تقلید کی موت ہوتی ہے۔ اور تنقیدی شعور تقلید کا دشمن ہوتا ہے۔ پلیجو صاحب کے ادبی تنقیدی مضامین نے ایک بار پھر ادبی اور فکری حلقوں میں بڑے ہی مباحثوں اور فکری تحرک کی بنیاد ڈالی اور یہی امر فکری تنقید کا درحقیقت ایک بڑا سماجی کارج ہوتا ہے۔

تخلیقی زبان، انقلابی اسلوب اور لہجہ تخلیق کرنا:

رسول بخش پلیجو کے تخلیقی کارنامے صرف کہانی، افسانے، مضامین اور سیاسی فکر تک محدود نہیں۔ وہ اپنے ہر ایک پہلو میں ایک بڑے ہی غیر معمولی تخلیقی آدمی ہیں۔ ادب اور سیاست میں رسول بخش پلیجو نے اپنی فکر انگیز زبان کا ایک عجیب، نرالہ لہجہ اور اسلوب تخلیق کیا۔ پلیجو صاحب کی تحریر و تقریر میں استعمال کیا ہوا ڈکشن خود ان ہی کا تخلیق کردہ ہوتا ہے۔ ان کی کسی بھی تحریر پر نام نہ ہو تو بھی لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ تحریر رسول بخش پلیجو کی ہے۔ ان کی زبان میں نئی نئی اصطلاحات، محاورے، استعارات ملیں گے۔ جو خالصاًان کی تخلیق ہوتے ہیں۔ ان کی استعمال شدہ تشبیہات، استعارات، اشارے اور اصطلاحات نہ صرف نئے اور ان کے تخلیق کردہ ہوتے ہیں بلکہ ان کا استعمال بھی منفرد ہوتا ہے۔ اور وہی تمام چیزیں مل کر زبان کا ایک نیا لہجہ تخلیق کرتی ہیں۔ پلیجو صاحب اپنی تحریر اور زبان سے نہ صرف مخالفین کے وجود اور اعتماد کو فکری اعتبار سے زخمی کرتے ہیں بلکہ ان پر گویا قاتلانہ حملہ بھی کرتے ہیں۔ ان کی زبان کی ضرب سے کوئی بچ گیا سمجھو اس نے نیا جنم لیا۔ ان کے پاس آپ کو اسٹیٹسکو کی غیر جانبدار اور کمزور نام نہاد غیر جانبدار زبان نہیں ملے

Gul Hayat Institute

گی۔ زبان پلیجو صاحب کے لیے ایک ثقافتی اور سماجی ہتھیار ہے۔ جس کا انہوں نے ہمیشہ بے خوفی سے استعمال کیا ہے۔ پلیجو صاحب کو جتنی اس نظام، اس کے عوام دشمن اقدار، پسماندہ تصورات، ظالم طبقات کی حاکمیت، برتری اور جائز مفادات سے شدید نفرت ہے ان کی زبان اور اسلوب اس نفرت کا ایک تخلیقی اظہار ہے۔ نفرت اور مزاحمت اپنا تخلیقی اظہار کیسے کر سکتی ہے؟ اس کی ایک زندہ مثال رسول بخش پلیجو کی زبان ہے۔ جیسے وہ خود مصلحت اور سمجھوتہ نہیں کرتے، اسی طرح ان کی زبان بھی ان ہی کی طرح تیز اور تلوار کی دھار جیسی ہوتی ہے۔ زبان بھی دراصل آدمی کے فکر کی گہرائی، تصور، محبت، نفرت اور مقصد کی ترجمان ہوتی ہے۔ سندھ میں اکثر مشہور تخلیقی قومی اور طبقاتی نعرے پلیجو صاحب ہی نے متعارف کروائے ہیں۔ وہ نعرے بنانے کے بڑے کاریگر ہیں۔ حالات کے مطابق دشمن فریق کو سیاسی اور اخلاقی طور پر کمزور کرنے والے نعرے بنانا بھی ایک بڑا تخلیقی کام ہے۔ غیر معمولی نعرے آگ کی طرح ہوتے ہیں۔ جسے جہاں رکھا جائے، سب کچھ جلا کر خاک بنا دیں۔ سندھی زبان کے بڑے اسکالر الہداد بوھیو نے پلیجو صاحب کے افسانوں کی کتاب "پسی گاڑھا گل" کے دیباچہ میں پلیجو صاحب کی تخلیقی زبان کی بڑی تعریف کی ہے۔

لطیف شناسی کی نئی بنیاد تخلیق کرنا:

شاہ لطیف سندھی زبان اور ادب کا سب سے بڑا بنیادی موضوع ہے۔ سینکڑوں برسوں تک فکرِ لطیف روایتی عقیدہ پرستی میں دب کر رہ گیا تھا۔ درحقیقت شاہ لطیف ایک تخلیقی مفکّر، شاعر اور غیر معمولی آرٹسٹ تھے مگر لوگوں کی اکثریت کے لیے یہ ایک پیر اور ولی تھے اور بہت سوں کے لیے آج تک ہیں۔ کئی زمانوں تک تو ان کو شاعر سمجھنا بھی ان کی توہین سمجھی گئی۔ ہمارے جیسے پسماندہ معاشروں کی یہ بڑی بدنصیبی ہوتی ہے کہ وہ اپنی غیر معمولی شخصیتوں کی اصل پہچان اور حیثیت کے ادراک سے محروم ہوتے ہیں۔

یہ بھی ایچ ٹی سورلے نے ایک بڑا کام کر دکھایا کہ انہوں نے لطیف کو بطور شاعر متعارف کروایا اور ان کے دوٗر کے تاریخی حالات پر تفصیل سے کام کیا۔ وہ تعارف درحقیقت شاہ لطیف کا پہلا تعارف تھا۔ اس سے پہلے ٹرمپ نے لطیف کے کلام کو مرتب کیا تھا۔ مگر بالواسطہ لطیف شناسی کی طرف پہلا اہم قدم ڈاکٹر گربخشانی نے اُٹھایا، جنہوں نے شاہ لطیف کو ایک شاعر کی حیثیت سے متعارف کروانے کی کوشش کی۔ گو کہ یہ ایک ابتدائی نوعیت کا کام تھا لیکن بہر حال یہ ان مخصوص

Gul Hayat Institute

حالات میں ایک بڑا غیر معمولی کام تھا۔ان کے بعد لطیف شناسی کی طرف دوسرا اہم قدم سائیں جی ایم سید نے اُٹھایا۔ سید صاحب کی کتاب "پیغامِ لطیف" یہ ایک پہلی کوشش تھی جس میں شاہ لطیف کو سندھ کے قومی شاعر کے طور پر پیش کیا گیااور ان کے فکر کے ذریعے سندھی عوام کی قومی یکجہتی، آزادی اور جدوجہد کی بنیاد ڈالنے کی شعوری کوشش کی گئی۔ اپنے دَور میں اس کتاب نے بڑا اثر دکھایا اور ڈاکٹر گربخشانی کے بعد شاہ لطیف کا دوسرا نئے انداز میں تعارف ہوا۔ کم سے کم سندھ کے روشن خیال عوام، ادبی اور سیاسی حلقوں میں شاہ لطیف اب کسی پیر اور ولی کی بجائے قومی شاعر، مفکّر اور سندھ کی قومی وحدت کی علامت ہیں۔ 'پیغامِ لطیف' سندھ کے ان مخصوص حالات میں ایک بڑا کارنامہ تھا۔ گو کہ اس کے بعد فکرِ لطیف پر علامہ آئی آئی قاضی، ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، ڈاکٹر تنویر عباسی، شیخ ایاز، محمد ابراہیم جویو، الہداد بوھیو، ف۔م۔ لاشاری اور دیگر ادیبوں اور اسکالرز نے کام کیا مگر لطیف شناسی کی طرف ڈاکٹر گربخشانی اور سائیں جی ایم سید کے بعد تیسرا اہم قدم رسول بخش پلیجو نے اُٹھایا۔ اس انقلابی ادبی نقّاد نے ایک نیا شاہ لطیف دریافت کرلیا۔ انقلابی جدوجہد کا فکری رہنما لطیف، زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں نئی سمجھ عطا کرنے والا لطیف، نئے تصور، رویے اور کردار تخلیق کرنے والا لطیف۔ گو کہ انہوں نے شاہ لطیف پر کم ہی لکھا ہے مگر ان کے سینکڑوں لیکچرز اور تقاریر رکارڈ میں محفوظ ہیں (اور اب ایک کتابی صورت میں بھی شایع ہو چکے ہیں)۔ شیخ ایاز نے بھی لکھا تھا کہ وہ جب لطیف کے ابیات اور ان کی تشریحات پلیجو صاحب کی زبانی سنتے ہیں تو یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ گویا وہ اس بیت کو پہلی بار سُن رہے ہیں۔ پلیجو صاحب ہمیشہ مجھ سے کہتے ہیں کہ ان سے لطیف پر ایک کتاب لکھوانا میرا اولین ادبی اور فکری فرض ہے۔ پلیجو صاحب در حقیقت اس دور کے لطیف کے فکر کے ایک بڑے یگانہ فکری شارح ہیں۔ وہ دراصل عالمی شاعری اور ادب کے بڑے ہی ماہر ہیں۔ ان کو انگریزی، فارسی، ہندی، سنسکرت، پنجابی، سرائیکی اور سندھی زبانوں کی کلاسیکی شاعری پر عبور حاصل ہے۔ شاعری ان کا خاص موضوع ہے۔ پلیجو صاحب کے شاہ لطیف کی شاعری سے بے پناہ عشق کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اُنہیں عالمی شاعری کا ادراک ہے۔ وہ جب شاہ لطیف کو انقلابی اور عوامی جدوجہد کے خیال سے دنیا کے سب سے بڑے شاعر سمجھتے ہیں تو اس کی وجہ بھی ان کی شاعری کے بارے میں عالمگیر علمیت ہی ہے۔ ان کے خیال میں، شاہ لطیف صرف سندھ ہی کے نہیں بلکہ ساری انسانذات اور بالخصوص تیسری دنیا کے مظلوم قوموں اور طبقات کے عوامی رہنما اور انقلابی شاعر ہیں۔ وہ خود کو بھی عالمی سائنسی سماجی فکر کے

ساتھ لطیف کے فکر کی پیداوار سمجھتے ہیں۔ جس طرح کہا جاتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی زندگی قرآن شریف کا عملی نمونہ ہے۔ اس طرح میرا یہ کامل یقین ہے کہ رسول بخش پلیجو کی فکری اور سیاسی زندگی بھی شاہ لطیف کی شاعری کے تصورات، خیالات اور اقدار کا ایک عملی روپ ہے۔

سندھی زبان میں نظریاتی سیاسی ادب کو پروان چڑھانا:

جس طرح ذمہ دار اور عوام دوست روشن خیال سیاست کے بغیر کوئی بھی سماج ترقی نہیں کر سکتا، اسی طرح معیاری، روشن خیال اور عوام دوست سیاسی ادب کے بغیر عوام اور کوئی بھی قوم یا معاشرہ ذہنی طور پر بالغ نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں اعلیٰ سیاسی ادب کو سماج کی بلوغت کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ تاریخی طور پر سندھی زبان پاکستان کی دوسری قدیم زبانوں سے اس میدان میں آگے رہی ہے۔ جیٹھمل پرسرام، کامریڈ حیدر بخش جتوئی، جی ایم سید، محمد ابراہیم جویو، علی محمد راشدی برصغیر کی تقسیم سے پہلے ہی سیاسی ادب کے میدان میں قدم رکھ چکے تھے۔ بالخصوص اُس دور میں محمد ابراہیم جویو، کامریڈ حیدر بخش جتوئی اور جی ایم سید کے تحریر کردہ سیاسی پمفلیٹس، مضامین اور مقالات سندھ کے باشعور عوام میں بہت مقبول ہوئے۔ راشدی صاحب کا "فریادِ سندھ" گو کہ پہلے اردو میں لکھا گیا مگر وہ جلد ہی سندھی زبان میں بھی شایع ہوا اور مقبول ہوا۔ سائیں محمد ابراہیم جویو صاحب کی شاہکار کتاب "Save Sindh Save Continent" تھی تو انگریزی میں، لیکن وہ بھی تقسیمِ ہند سے پہلے سندھ کی خود مختاری کے سوال کے بارے میں ہی تھی۔ جس کا دیباچہ اُس زمانے میں ہی سندھی میں شائع ہوا تھا۔ اُس زمانے میں فکری سیاسی ادب میں ترجمے بھی سندھی زبان میں شائع ہوئے۔ کامریڈ برکت علی آزاد نے روسی انقلابی ادیب پرنس کروپاٹکن کی کتاب "نوجوانن ڈانھن" (نوجوانوں کے لیے ایک پیغام) کا سندھی ترجمہ کیا جس کو سندھی ادبی بورڈ نے شائع کیا۔ اس طرح بہت ساری کتابوں کے حوالے دیے جا سکتے ہیں۔ رسول بخش پلیجو نے ساٹھ کی دہائی کے ابتدائی سالوں میں لکھنا شروع کیا۔ وہ اپنے ساتھ ایک نئی سوچ اور نیا اندازِ فکر لے آئے۔ گو کہ انہوں نے سیاسی ادب کے میدان میں دیر سے قدم رکھا۔ ابتدائی زمانے میں انہوں نے ادبی خطوط، تنقیدی تبصرے، کہانیاں اور ادبی مضامین تحریر کیے۔ جن کے موضوعات خالص ادبی تھے۔ ون یونٹ کے زمانے میں انہوں نے سیاسی ادب لکھنا شروع کیا۔ میں ان کے ابتدائی زمانے کی سیاسی اور فکری تحریریں پڑھ کر حیران رہ جاتا ہوں کہ اُس زمانے میں ان کی تخلیقی زبان، انقلابی لہجہ،

اندازِ دلائل اور فکری روّیے یکساں ہیں۔ ون یونٹ کے زمانے میں شائع ہونے والے اکثر پمفلیٹس پلیجو صاحب کے لکھے ہوئے ہیں۔ عوامی تحریک کی بنیاد ڈالنے کے بعد "تحریک" کے نام سے ایک ترقی پسند اور انقلابی افکار پر مشتمل میگزین شروع کیا گیا۔ تحریک میگزین سندھی زبان کے سیاسی ادب کا ایک رہنمائی میگزین تھا۔ یہ اپنے دوُر کا واحد میگزین تھا جس کو سندھی پڑھے لکھے لوگوں کے ساتھ گاؤں میں کسان بھی پڑھتے تھے۔ تحریک میں شائع شدہ مواد کا بہت سے دیہاتوں میں وہاں کے کسان اجتماعی طریقے سے مطالعہ کرتے تھے۔ بالخصوص تحریک کے پورے دوُر میں پلیجو صاحب کے تحریر کردہ ایڈیٹوریل اُس دوُر کی تاریخ کے تجزیاتی ماخذ ہیں۔ جو بعد میں "دھراڑن جا دھک" اور "گالھیوں گنوارن جوں" کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوئے۔ ان کتابوں کی زباں، اس میں کیے گئے تجزیے، سندھ اور ملک کی مظلوم قوموں اور طبقات کے بارے میں انقلابی نقطہ نظر پلیجو صاحب کی غیر معمولی سیاسی بصیرت کے آئینہ دار ہیں۔ "صبح تھیندو" پلیجو صاحب کی اہم ترین نظریاتی سیاسی کتاب ہے۔ جس کو عوامی تحریک کے تمام کارکنان کو بطور سیاسی نصاب پڑھایا جاتا ہے۔ جس کے کئی ایڈیشن آچکے ہیں۔ مذکورہ کتابوں کے علاوہ پلیجو صاحب کے سینکڑوں نظریاتی اور پالیسی سطح کے سیاسی مضامین سندھی اخبارات میں گذشتہ بیس برس سے مسلسل شائع ہورہے ہیں۔ جن میں ہر دوُر میں انہوں نے سندھی عوام کو نازک وقت وحالات میں بیدار کیا ہے اور ان کی جدوجہد کے لیے راہیں ہموار کی ہیں۔ جتنا سیاسی ادب انہوں نے لکھا ہے اتنا اور اس سطح کا سیاسی ادب سندھ تو کیا پاکستان میں بائیں بازو کے کسی دانشور اور رہنمائے نے نہیں لکھا۔

رسول بخش پلیجو کے سماجی کارنامے

Gul Hayat Institute

ساختیاتی اور ثقافتی سماجی انقلاب، درحقیقت سیاسی اور معاشی انقلاب سے زیادہ پیچیدہ عمل ہوتا ہے۔ کیونکہ سماجی تصوّر، انداز اور روّیے صدیوں سالوں میں بنتے ہیں اور وہ ثقافتی طور پر لوگوں کی زندگی کے حصے بن جاتے ہیں۔ گو کہ وہ پس و پیش عوام کے مفادات کے تحت نہیں ہوتے، مگر اس کے باوجود وہ عوام کے تحت الشعور کا حصہ بن کر لاشعوری طور پر اپنا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ سیاسی اور معاشی پسماندگی کے مقابلے میں تاریخی اعتبار سے سماجی پسماندگی اور غلامی کی جڑیں بڑی گہری ہوتی ہیں۔ لہٰذا انسان کے سیاسی اور معاشی روّیوں میں تبدیلی، سماجی تبدیلی کے مقابلے میں بہت

آسان ہے۔ آدمی آسانی سے اپنی سیاسی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہے، معاشی سرگرمیاں کر سکتا ہے مگر آسانی سے اپنے اندازِ فکر، تصّورات، اقدار اور روّیوں کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ کوئی انفرادی مسئلہ نہیں ہوتا۔ فرد سماجی طور پر نظر نہ آنے والی بندشوں، رشتوں، مفادات، اقدار اور تصّورات کے جال میں جکڑا ہوا ہوتا ہے۔ جہاں سے آسانی سے آزادی ممکن نہیں ہوتی۔ لہٰذا سماجی انقلاب اور اسٹیٹسکو کے خلاف سماجی جرأت کے لیے لوگوں کو غیر معمولی شعور چاہیے۔ سماجی روّیوں اور پورے نظام میں بنیادی تبدیلی اعلیٰ درجے کے سائنسی سماجی شعور کے بغیر ممکن نہیں۔

درحقیقت دیکھا جائے تو پلیجو صاحب کے اہم ترین کارناموں میں ان کے سماجی کارنامے بھی ہیں، جن کو رواجی آنکھ سے دیکھ کر اور محسوس کر کے، جانا نہیں جا سکتا۔ جس طرح سماجی تبدیلیوں کے لیے اعلیٰ شعور چاہیے، اسی طرح تبدیلیوں کو سمجھنے کے لیے بھی گہری سمجھ ہونی چاہیے۔ آیئے، پلیجو صاحب کے حوالے سے ان چند مثالوں پر غور و فکر کریں:

انقلابیت اور ترقی پسندیت کا سماجی رویوں سے اظہار کرنا:

میں نے پلیجو صاحب سے طویل رفاقت اور تعلق کی بنا پر ان کو نہایت قریب سے دیکھا اور پرکھا ہے۔ وہ سماجی طور پر اس معاشرے کے فرد ہی نہیں ہیں۔ ان کے سماجی روّیے، تصّورات اور اقدار اس معاشرے کے سماجی نظام کے بلکل برعکس ہیں۔ رسول بخش پلیجو عملی طور پر اپنے تصور اور شعور کے سماج میں رہتے ہیں۔ وہ خود کہتے ہیں کہ ان کے انقلابی ہونے کی بنیادی وجہ ان کی اس سماجی نظام سے نفرت ہے۔ وہ اپنے سماجی رویوں میں اس سماج سے علیحدہ، بلکہ اس کے برعکس اور ہر وقت اس کی نفی کرتے نظر آئیں گے۔ ان کی انقلابیت اور ترقی پسندی صرف فکر، ادب اور سیاست تک محدود نہیں، وہ اس کا اصلی اور عملی اظہار اپنے سماجی روّیوں سے کرتے ہیں۔ میں نے ان کو درحقیقت ایک آزاد انسان محسوس کیا ہے۔ وہ سماجی طور پر اپنے شعور کے روّیوں اور اقدار کی دنیا میں رہنے والے شخص ہیں۔ اس اعتبار سے وہ صحیح معنوں میں ایک ماڈرن اور انقلابی شخص ہیں۔ ان کی تمام تقاریر، تحریروں اور لیکچرز وغیرہ میں سندھ کے لیے ایسے ہی سماجی تبدیلی اور انقلاب کے خواب دیکھنے میں آئیں گے۔ پلیجو صاحب کے انقلاب کا تصور بنیادی طور پر سماجی ہی ہے۔ اگر رسول بخش پلیجو اس سماج کو اتنا جلدی تبدیل نہیں کر سکتے تو یہ سماج بھی ان کو کسی بھی کمپرومائیز کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

Gul Hayat Institute

غلامیوں کے بہت سارے دائروں میں مقّید اس سماج میں رسول بخش پلیجو حقیقی معنوں میں ایک آزاد شخصیت ہیں۔اور یہ آزادی کی خوش نصیبی ان کے غیر معمولی شعور، جدوجہد، علم اور ذہنی اور فکری بہادری کی بدولت ہے۔ پلیجو صاحب شاہ لطیف کے بارے میں بھی ایک عجیب بات کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ شاہ لطیف اس لیے عظیم ہے کہ ان کے سماجی روّیے سندھی سماج کے برعکس اور اس کی نفی کرنے والے ہیں اور شاہ لطیف کے بارے میں ان کا یہ خیال سو فیصد درست ہے۔ کیونکہ کوئی بھی رواجی شاعر سوہنی کو سورمی بنا کر پیش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ شاہ لطیف کے تمام کردار اپنے سماج کی نفی کرنے والے ہیں اور ایک نئے سماج کے لیے جدید روّیوں کی بنیاد ڈالنے والے ہیں۔ لٰہذا حقیقت یہ ہے کہ میں پلیجو صاحب کی اصل انقلابیت اور ترقی پسندی ان کے سماجی روّیوں میں دیکھتا ہوں۔ سماجی انقلابیت، سیاسی اور معاشی انقلابیت سے زیادہ پیچیدہ کام ہے اور یہ ہی در حقیقت کسی بھی شخص کی انقلابیت اور ترقی پسندی کو سمجھنے کا اصل معیار ہے۔

اپنے پورے خاندان کو سیاست میں لے آنا:

پلیجو صاحب سیاست میں جو تصّور رکھتے ہیں، اور جس قسم کی سیاست کرتے ہیں، ان کی چوبیس گھنٹے یہ کوشش ہوتی ہے کہ سندھ کا بچہ بچہ یہ سیاست کرے۔ وہ ہر وقت اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو ترغیب دیتے اور تلقین کرتے ہیں کہ وہ اپنے پورے خاندان کو انقلابی سیاست میں لے آئیں۔ بالخصوص خواتین کو۔ انہوں نے اس کی پہلے خود مثال قائم کی۔ وہ خود رول ماڈل بنے۔ پلیجو صاحب نے اپنے پورے خاندان کو انقلابی سیاست میں شامل کیا۔ اکثر سیاستدان چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد مراعات کے لیے تو سیاست میں ہو اور اگر حالات سازگار نہ ہوں تو اس شعبے سے وہ کنارہ کش رہے۔ میں نے انہیں اپنے خاندان کو ہمیشہ وطن دوست اور عوام دوست سیاست کے لیے تلقین کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ انہوں نے اپنی بہنوں اور بھتیجیوں کو سیاست کے میدان میں شامل کیا۔ جیجی زرینہ بلوچ ان کی اہلیہ ہیں اور انہوں نے ہمیشہ سیاسی طور پر پلیجو صاحب کا ہی ساتھ دیا ہے۔ ون یونٹ نافذ ہوا تو اختر بلوچ حیدر آباد میں بھوک ہڑتال پر بیٹھ گئیں۔ اُس زمانے میں کسی نوجوان سندھی لڑکی کا ایک عوامی چوک پر بھوک ہڑتال پر بیٹھنا بڑی بات تھی۔ پلیجو صاحب کی بہنیں ایم آر ڈی تحریک کے دوران جیلوں میں بھی گئیں۔ انہوں نے نہ صرف اپنی بہنوں اور دوسری خواتین کو انقلابی گیت گانے کی اجازت دی بلکہ اس کے لئے ذاتی دلچسپی لیکر بہت کوشش بھی کی اور انہوں

Gul Hayat Institute

نے ہمیشہ بڑے بڑے سیاسی پروگراموں میں بڑے ہی فخر سے گایا۔ ایسی مثال سندھ تو کیا پورے پاکستان کی سیاست میں نہیں ملتی۔

اعلیٰ شعور، کردار اور معیار کے نئے لوگ پیدا کرنا:

پلیجو صاحب کا ایک غیر معمولی سماجی کارنامہ اعلیٰ شعور، کردار اور معیار کے نئے لوگ پیدا کرنا ہے۔ میں ان کو ایک متحرک، مکمل اور جیتی جاگتی یونیورسٹی کہتا ہوں۔ لوگوں کی تربیت کرنا، لوگوں کے روّیوں میں تبدیلی لانا، علم سے محبت پیدا کرنا، آگے بڑھنے کا حوصلہ دینا، فرسودہ روایات سے بغاوت کروانا اور جدوجہد کے لیے تیار کرنا ان کا گویا پیشہ ورانہ کام ہے۔۔ وہ کارکنوں اور دوستوں کو تبدیل کرنے کے لیے حوصلہ اور تحرک کا فکری جال اس طرح سے بچھاتے ہیں کہ آدمی کا من کہتا ہے کہ وہ خود اس میں پھنستا جائے۔ باقی بے عمل لوگ ان کو دیکھ کر ہی راستہ تبدیل کر دیتے ہیں۔ رسول بخش پلیجو ایک انسان ساز ادارہ ہیں۔ وہ اس سماجی جانور کو انسان بنانے کی تیکنیک خوب رکھتے ہیں۔ جس آدمی میں ان کو اس طرح کی کوئی چیز نظر آتی ہے وہ اس پر بڑی ہی محنت کرتے ہیں۔ اس کو کتابیں پڑھاواتے ہیں، گفتگو کرتے ہیں، تلقین کرتے ہیں، اس کو حوصلہ دیتے رہتے ہیں اور آدمی کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ اس کے ساتھ کوئی بڑی "کارروائی" ہو رہی ہے۔ یہ پتہ تو ان ہی کو ہوتا ہے کہ آدمی کو روایتی آدمی میں سے تبدیل کر کے کس طرح سے نیا انسان بنایا جائے؟ یہ خوبی میں نے پلیجو صاحب کے علاوہ سائیں محمد ابراہیم جویو میں بھی دیکھی ہے۔ سندھ کے بہت سارے لوگوں کی تربیت کے پیچھے ان دونوں اسکالرز کا ہی ہاتھ رہا ہے۔ دونوں کا طریقہ اور مزاج اپنا اپنا ہے مگر رویہ ایک جیسا ہے۔ میں نے پلیجو صاحب کو بچوں کے ساتھ بڑی دیر تک گفتگو کرتے دیکھا ہے۔ وہ انسان کے ذہن کی تبدیلی کو "انقلاب" کا بڑے سے بڑا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ انہوں نے ساری عمر اس حوالے سے بڑا ہی کام کیا ہے۔

ایک عجیب شخص:

رسول بخش پلیجو کی شخصیت اور کارناموں کے ان تمام پہلوؤں پر غور و فکر کر کے آدمی حیران ہی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جیسے کوئی آدمی تاج محل کو دیکھ کر کیا محسوس کر سکتا ہے؟ کائنات کی وسعت کا تصور کر کے کیا محسوس کرے گا؟ فطرت کی خوبصورتی اور گوناگونیت کو دیکھ کر کیا

Gul Hayat Institute

محسوس کرے گا؟ سائنس کے کرشموں کو دیکھ کر کیا محسوس کرے گا؟ شیکسپیئر، خیام، رومی اور شاہ لطیف کی شاعری کو پڑھ کر کیا محسوس کرے گا؟ مارکس، اینجلز اور آئن اسٹائن کے علم اور قابلیت کو دیکھ کر کیا محسوس کرے گا؟ لتا اور نور جہاں کے گیت سُن کر کیا محسوس کرے گا؟ اس طرح کوئی بھی آدمی اس عجیب شخص کی بامقصد زندگی، علم، قابلیت، تخلیقی قوّت، حوصلہ، جدوجہد اور کارناموں کو دیکھ کر حیران ہی ہو سکتا ہے۔ سچ میں وہ ایک عجیب و غریب شخص ہیں۔ ان کی کوئی ذاتی زندگی نہیں ہے۔ ان کے کوئی ذاتی رشتے نہیں ہیں۔ ان کے کوئی ذاتی دوست نہیں ہیں۔ ان کی محبتیں اور نفرتیں ذاتی بنیاد پر نہیں۔ وہ ہیں رہنما مگر عملاً کارکن کی طرح ہیں۔ وہ ہیں عالم اور اسکالر مگر سیکھتے شاگردوں کی طرح ہیں۔ وہ ہوتے ہجوموں کے ساتھ ہیں مگر دیکھنے میں منفرد نظر آتے ہیں۔ مایوسی کے گھیرے میں ہوتے ہوئے بھی حوصلوں کے آبشار بہاتے ہیں۔ میں نے دو دہائیوں کی دوستی میں کبھی ان کو مایوس، کمزور اور خود قیاسی میں جکڑا ہوا نہیں دیکھا۔ مایوسی، کمزوری اور خود قیاسی کے الفاظ ان کی لغت میں ہی نہیں ہیں۔ رسول بخش پلیجو ایک عجیب و غریب شخص ہیں۔ ان کی فکر، علم، ادراک، شعور اور سیاسی و فکری کام آنے والی نسلوں کے لیے ایک بڑا ہی قیمتی سرمایہ ہے۔ جس کی وارثی اور حفاظت ہمارا اور ہماری آنے والے نسلوں کا بھی فرض ہے۔

Gul Hayat Institute

ایک آئینہ فروش کی یاد میں

وسعت اللہ خان

یہ ستمبر انیس سو تراسی کے شروع کی بات ہے۔ تین ہفتے سے جاری تحریکِ بحالیء جمہوریت اندرونِ سندھ میں بالخصوص ہاتھ سے نکلی جا رہی تھی، کیونکہ کنگلے ہاری کے دل سے ریاست کا دبدبہ نکل گیا تھا۔ ہر شہر اور قصبے میں پیپلز پارٹی کے جتنے جیالے تھے ان میں سے بیشتر پہلے ہی اٹھا لئے گئے تھے، جو بچ گئے وہ زیرِ زمین تھے یا گھر بدل بدل کر کبھی یہاں کبھی وہاں نمودار و غائب ہو رہے تھے۔ جیئے سندھ الگ تھلگ تھی، این ڈی پی گومگو میں تھی۔ مگر پھر تحریک کیوں چل رہی تھی؟ جمعیت علمائے اسلام یقیناً مزاحمتی میدان میں تھی مگر اس کی جڑیں اتنی تو زیادہ پھیلی ہوئی نہیں تھیں۔ روزانہ خود کو گرفتار ہونے کے لیے پیش کرنے والے کون لوگ تھے۔

مارشل لاء انتظامیہ کو یہ سمجھنے میں بہت دِقّت پیش آرہی تھی کہ مزاحمتی گراف روز بروز اوپر ہی اوپر کیسے جا رہا تھا اور یہ عورتیں اور لڑکیاں کون ہیں جو روزانہ کسی نہ کسی ناکے یا سڑک پر نعرے لگاتی ہیں اور صف آرا محافظوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ انہیں گرفتار کرنا ہے کہ نہیں کرنا؟ ان سب کو منظّم کون کر رہا ہے....!؟ کیونکہ ہر قابلِ ذکر ضیاء مخالف معروف قیادت اور کارکنان تو پہلے ہی قابو کیے جا چکے ہیں۔ پھر مخبروں کی رپورٹیں آنے لگیں کہ کوئی عوامی تحریک ہے جو یہ کارخانہ چلا رہی ہے؟ کراچی اور لاہور والوں کو تو بالکل ہی سمجھ میں نہ آیا کہ پیپلز پارٹی تو سمجھ میں آتی مگر عوامی تحریک کیسے سیاسی بلا بن سکتی ہے؟ پلیجو اور فاضل راہو تو برسوں سے جیل میں ہیں۔

ایم آر ڈی تحریک دراصل راہو پلیجو نظریاتی لیبارٹری میں تیار ہونے والی مزاحمتی پروڈکٹ کی پہلی فیلڈ ٹیسٹنگ تھی۔ مجھے برطانوی اخبار گارڈین میں شائع ہونے والا تجزیہ یاد ہے جس کا لبِ لباب تھا کہ ضیا رجیم کے لیے پیپلز پارٹی نہیں، عوامی تحریک خطرہ ہے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے رسول بخش پلیجو کے سیاسی سفر سے کوئی دلچسپی نہیں۔ حیدر بخش جتوئی کی ہاری تحریک سے لے کر ون یونٹ مخالف تحریک تک، مشرقی پاکستان و بلوچستان میں فوجی آپریشن کی مخالفت، تنگ نظر قوم پرستوں سے تعلیمی اداروں میں پنجہ آزمائی، بہاری نہ کھپن، محروم صوبوں کا سیاسی اتحاد، ولی خان اینڈ کمپنی سے معانقہ و علیحدگی، اینٹی کالا باغ ڈیم تحریک، وفاقی سیاست میں پنجاب کے دوہرے کردار پر انگشت نمائی، طبقاتی و قومی جدوجہد کی بین الاقوامی ترقی پسند جدوجہد کے ساتھ یکجائی کا تجربہ، محکوم عورتوں سے مفلوک بچوں تک سب کو سیاسی بیداری کے دائرے میں لانے کی کوشش، ہر سال کسی نہ کسی مسئلے پر لانگ مارچ۔ کیا پلیجو بس یہی تھا؟

اور جب پلیجو دنیا سے رخصت ہوا تو بس ایک خبر تھا؟ سینئیر سیاستداں؟ بزرگ سندھی سیاستداں، قوم پرست سیاستداں، مزاحمتی سیاستداں آج انتقال کر گئے۔ وہ فلاں کے والد تھے، انہوں نے کئی سیاسی تحریکوں میں حصہ لیا۔ پسماندگان میں ان ان کو چھوڑا۔ زید اور بکر نے دکھ بھرے ٹویٹ کر دیے ہیں۔ اللہ اللہ خیر صلا۔ ہاں بھئی یہ بتاؤ ریحام خان کی کتاب کے بارے میں تازہ مصالحہ کیا ہے؟ میری آخری ملاقات پلیجو صاحب سے قریباً دو ماہ پہلے کراچی میں ہوئی۔ نقاہت زیادہ تھی لہذا اپنے آپ سے سوال کرتے؟ کیا میں ناکام رہا؟ پھر خود ہی جواب دیتے کامیابی منزل پا لینا ہے یا سفر کے دوران تھک کے بیٹھ جانے کے بجائے سفر کو جاری رکھنا؟ اگر کامیابی منزل پا لینا ہے تو شاید میں ناکام ہوں۔ اگر چلتے رہنا ہے تو پھر مجھ سے زیادہ کامیاب تو کوئی ہے ہی نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میرے پیچھے بھی کوئی نہ کوئی چل رہا ہو گا۔ ہو سکتا ہے وہ مجھ سے بہتر ہو۔ روح کہتی ہے ابھی نہیں جانا، بہت کام باقی ہے، جسم کہتا ہے تجھے ایک لمبی نیند چاہیے۔ اب دیکھوں ان میں سے کون جیتتا ہے؟ اور دو روز پہلے سات جون کو پلیجو کا جسم جیت گیا۔ روح اب کوئی اور جسم ڈھونڈھ رہی ہو گی۔

پلیجو صاحب سے پچھلے بیس برس میں کئی ملاقاتوں کے بعد جا کے یہ بھید کھلا کہ وہ کتنے زیرک آدمی ہیں۔ طالبِ علمانہ معصومیت سے گفتگو کا آغاز کرتے اور جب آپ کسی بھی سوال کا اپنی علمی اوقات کے حساب سے جواب دے کر نہتے ہو جاتے تو پھر پلیجو صاحب منطق در منطق تاریخ و فلسفے کا سیاست کے فرمے پر دھاگہ در دھاگہ، گانٹھ در گانٹھ جواب بنتے چلے جاتے اور ملاقات ختم ہوتے ہی مہمان علم و منطق کا یہ تھان اٹھائے گھر روانہ ہو جاتا۔ جس شخص کے ڈرائنگ روم میں قالین گھس گھس کے دری بن چکا ہو، دیواروں سے سفیدی ٹوٹ ٹوٹ کے گر رہی ہو۔ پورے کمرے میں بس ہو چی منہ کی ایک تصویر اور کسی پرستار کی بنائی بہت ہی بور سی کوئی پینٹنگ لٹکی ہوئی

Gul Hayat Institute

ہو۔ مسہری اتنی کہنہ ہو کہ اس کی چوبی پٹیوں کے ریشے تک ہر آنے جانے والے کو از بر ہو جائیں۔

مگر اس ماحول میں بھی گفتگو لطیف کے سُر سے مودی کی تازہ باریکیوں، مارکسی جدلیاتی اصولوں کے لاطینی امریکا سے ایشیا تک اطلاق میں کامیابیوں اور ناکامیوں کی وجوہات سے ہوتی ہوئی اچانک ٹھٹہ سے آنے والے کسی پریشان حال ہاری کے بیٹے کی ضمانت کا راستہ ڈھونڈنے کی جانب مڑ جائے اور پھر دریائے سندھ کے اوپری اور زیریں علاقوں کو کتنے ملین مکعب فٹ پانی کی درکاری کے چارٹ کی جانب رخ کرتے ہوئے اچانک تنگ نظر قوم پرستی کے تلخ تجربات، سن چالیس کی قرارداد کے پاکستان اور آج کے پاکستان کے موازنے کا موڑ کاٹ کر مقامی اشرافیہ کی سامراجی دلالی اور متوسط طبقے کی چھوٹی چھوٹی چالاکیوں پر منتج ہو کر چاول کی روٹی بنانے کی پانچ آسان ترکیبوں کے بیان پر ختم ہو جائے۔ ایسے شخص کے بارے میں کم از کم مجھے کوئی نہ سمجھائے کہ وہ کتنا بڑا یا چھوٹا آدمی ہے۔

پلیجو صاحب نے مجھے لطیف سمجھانے کی کئی بار ناکام کوشش کی۔ پھر انہیں ایک روز خود ہی احساس ہو گیا کہ یہ آدمی پیدل ہے اس پر توانائی لگانا بے کار ہے۔ مگر آج میں اعتراف کر سکتا ہوں کہ غالب اور بلھے شاہ کا کلام پڑھتے ہوئے جہاں جہاں اٹکتا تھا وہاں وہاں پلیجو ہاتھ بڑھا کر دلدل سے نکال لیتا تھا۔ کبھی کبھی تو شک ہی ہوتا کہ یہ تینوں کہیں کلاس فیلو تو نہیں رہے۔ مگر جب دوسرے ہی سانس میں پلیجو صاحب غالب سے نابلد اردو دان جنتا اور بلھے شاہ سے نابلد پنجابیوں کے بارے میں کہتے کہ ان کا زیورِ جہل سے مرصع طرزِ رعونت بتاتا ہے کہ لطافت اور شعری سمجھ چھو کے بھی نہیں گذری تو تینوں کے ہم جماعت ہونے کا شک دور ہو جاتا۔

بقولِ پلیجو جس طرح میں نے غالب اور بلھے شاہ کو پڑھا اگر پنجابی اور اردو کے ٹھیکیدار پڑھ لیتے تو انہیں بنگالی، بلوچی اور سندھی کی تکلیف بھی فوراً سمجھ میں آجاتی۔ بے وقوف رعایا ہونا اتنی خراب بات نہیں۔ مگر بے وقوف اشرافیہ ہونا دراصل وہ عذابِ علیم ہے کہ جس کی بشارت خدا نے دی ہے۔ میں پلیجو کو کسی ایک علمی، فکری، نظریاتی یا سیاسی خانے میں بند کرنے یا ڈیڑھ نمبر کی فکری عینک سے دیکھنے سے قاصر ہوں۔ میں اتنا بینا بالکل نہیں کہ پورا ہاتھی ایک نگاہ میں ناپ سکوں۔ میرا موہوم سا تصورِ پلیجو اگر ہے بھی تو بس اتنا کہ ایک شخص کہیں سے آیا اور آئینے بیچتا بیچتا شام ڈھلے بازار سے چلا گیا۔ کتنے آئینے بکے یا ٹوٹے؟ وہ جانے رب جانے۔

یہی سب کچھ تھا جس دم وہ یہاں تھا
چلے جانے پہ اس کے جانے کیا نہیں (جون ایلیا)

(بشکریہ ہم سب)

پلیجو صاحب کی واپسی

وسعت اللہ خان

رسول بخش پلیجو سے ہزاروں لوگوں کی طرح میرا تعلق بھی نیاز مندانہ ہے۔شاید ہمارے مابین ایک غیر تحریری معاہدہ ہے کہ جب بھی ملاقات ہوگی سیاست کے سوا ہر موضوع پر بات ہوگی۔خیر بات کیا ہوتی ہے؟ میں تو انہیں بس ایک آدھ سوال کر کے چھیڑ دیتا ہوں اور پھر ساٹھ برس سے زائد پر پھیلے سیاسی، سماجی، عمرانی، نظریاتی، ادبی و رومانی مشاہدہ کار کی گفتگو کے دانے اپنی ذہنی مالا میں پروتا چلا جاتا ہوں۔اس تعلق کی کیمسٹری کچھ ایسی ہے کہ پلیجو صاحب کو کبھی یہ نہیں پوچھنا پڑتا کہ یہ جو تم نے سوال اٹھایا ہے اس کی مزید وضاحت کرو۔یا مجھے کہنا پڑے کہ آپ کی یہ بات پوری طرح میری سمجھ میں نہیں آئی کہ اس سے آپ کی کیا مراد ہے۔

اسی کیمسٹری کے ساتھ دو ہزار تیرہ کے کسی دن حیدرآباد کے نسیم نگر کے پلیجو ہاؤس میں علیل پلیجو صاحب کی عیادت کے لیے گیا تو بنا سیاق و سباق میں نے پہلی بار ایک سیاسی سوال پوچھا۔آپ تو ایسے نہ تھے یہ آپ نے کیا کیا؟ کہنے لگے انسان سے کچھ باتیں سرزد ہو جاتی ہیں وجہ بعد میں ڈھونڈتا پھرتا ہے۔اب آپ پوچھیں گے کہ سوال کا سیاق و سباق کیا تھا اور پھر جواب میں کیا پوشیدہ تھا۔عرض یہ ہے کہ یہ سوال اپنے صاحبزادے ایاز لطیف پلیجو کو پارٹی قیادت سونپنے کے بارے میں تھا۔نہ میں نے سوال میں کسی کا نام لیا نہ پلیجو صاحب نے جواب میں کسی کا نام لیا اور بات بھی ہوگئی۔یہ تھی کیمسٹری۔

گذشتہ روز اس سوال کا تفصیلی جواب بغیر پوچھے ایک بار پھر مل گیا۔جب اچانک رسول بخش پلیجو نے ایک پریس کانفرنس میں یہ بم پھوڑا کہ قومی عوامی تحریک پر دشمن قوتوں کا براہِ راست و بلا واسطہ قبضہ ہو چکا ہے۔لہذا اب سابقہ عوامی تحریک کو بحال کرنے کا اعلان کیا جاتا ہے۔آج کے بعد

میرااور ساتھیوں کاایاز لطیف سے کوئی تنظیمی تعلق نہیں رہا۔بیان میں مزید کہا گیا کہ ہم کشمیریوں کے حقِ خودارادیت کے لیے جاری جدوجہد کی مکمل حمایت کرتے ہیں۔چائنا پاکستان اکنامک کاریڈور منصوبے میں سندھ کو شامل کرتے ہوئے اس کا دائرہ کیٹی بندر تک بڑھایا جائے۔پاکستان کو کثیر قومی ریاست قرار دے کر سندھی، پشتو، پنجابی، بلوچی اور سرائیکی کو قومی زبانوں کا درجہ دیا جائے۔بحال شدہ عوامی تحریک کا تنظیمی کنونشن اکتوبر کے تیسرے ہفتے میں حیدرآباد میں ہوگا وغیرہ وغیرہ...

مجھے پارٹی کے اندرونی حالات تو نہیں معلوم مگر ایک نہ ایک دن باپ کے آئیڈیل ازم اور بیٹے کی سیاسی عملیت پسندی میں ٹکراؤ ہونا ہی تھا سو ہو گیا۔اس ٹکراؤ اور طلاق کے نتیجے میں پیپلز پارٹی کے ڈائنوسار کے سامنے موہن جودڑو کے آثار کی طرح بکھری پڑی پیر پرست، قوم پرست و لبرل سیکولر تنظیموں اور گروہوں کی سیاست مزید کمزور ہوگی یا اس میں طاقت کا انجکشن لگے گا فوری طور پر بتانا کسی کے لیے بھی مشکل ہے۔

جنرل ضیاالحق کے دور تک سندھ کی سیاست میں صف بندی شیشے کی طرح صاف تھی۔پیپلز پارٹی سندھ کا سیاسی چہرہ تھی اور اب بھی ہے مگر عوامی تحریک جیسی تنظیمیں سندھ کی امنگوں کا چہرہ تھیں۔اس کا واضح ترین اظہار انیس سو تراسی کی تحریکِ بحالیِ جمہوریت میں سندھ کے مجموعی جدو جہدی کردار کی شکل میں اب تاریخ کا حصہ ہے۔مگر جب مشترکہ دشمن سامنے سے ہٹ گیا تو سیاست بھی پتوں کی طرح اڑنے لگی۔پیپلز پارٹی تو اپنی روایتی قلعہ بندی بچانے میں کامیاب رہی البتہ فاضل راہو کی شہادت کے سبب عوامی تحریک جیسی منظم جماعت گویا انجن سے محروم ہوگئی اور جوش وجذبہ اور چہروں پر مستقبل کی چمک ماند پڑتی گئی۔

جی ایم سید کی زندگی میں ہی یہ ہو گیا کہ جئے سندھ کے مختلف دھڑے کیا چاہتے ہیں؟ کچھ پتہ نہیں چلتا تھا اور آج تو جئے سندھ کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ کہاں سے آیا کدھر گیا وہ۔قادر مگسی کیوں آئے، کیا کیا، کیوں سائیڈ لائن ہو گئے۔عجیب مانوس اجنبی تھا مجھے تو حیران کر گیا وہ۔

پیسے کی چمک، قبائلی عصبیت، بھتہ خوری، جرم اور سیاست کی انڈر ہینڈ ڈیلنگ، ایجنسیوں کا کردار، زرداریانہ پیپلز پارٹی کی منڈیانہ وکاروباری حکمتِ عملی، بااثر روحانی وسیاسی خانوادوں کی نئی نسل کی تیزی سے بدلتی ترجیحات، ٹنل ویژن، کتاب سے اجنبیت، غرض آج کا سندھ اس سیاسی گودام جیسا ہے جہاں تاروں کے گچھے کچھ اس طرح پڑے ہیں کہ کچھ پتہ نہیں چلتا کونسی تار کا کنکشن

Gul Hayat Institute

کہاں جڑا ہوا ہے، کونسی پیچ میں سے ٹوٹی ہوئی ہے اور کونسی بالکل ناکارہ ہو چکی ہے اور کون سی نہ نظر آنے والی تار سے کس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔

اس گودام کی چھت دیکھیں تو اس پر پیسے، موقع پرستی اور شارٹ کٹ کی چمگادڑیں الٹی لٹکی دکھائی دیں گی۔ چمگادڑ کی تشبیہہ میں اس لیے استعمال کر رہا ہوں کہ اس کے بارے میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ پرندہ ہے یا جانور یا کوئی بیچ کی چیز۔ چمگادڑ اندھیرے میں رہنے کی عادی ہوتی ہے۔ روشنی کو دشمن سمجھتی ہے۔ گویا چمگادڑ کے لیے اندھیرا ہی روشنی ہے۔

مجھے رسول بخش پلیجو جیسے کلاسیکی دور کے سیاستدان و عالم کے متحرک ہونے پر خوشی بھی ہے اور یہ دکھ بھی کہ جو عمر گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر نوجوانوں کا جمگھٹا آراستہ کر کے انہیں تاریخ، سیاست اور ادب کے اسباق و تجربات منتقل کرنے کی ہے، انہیں یہ بتانے کی ہے کہ جدوجہد راستے میں قید و بند انسان کو کتنا کمزور یا طاقت ور بناتی ہے اور سیاست محض لیپ ٹاپ، ٹویٹر، فیس بک، کنسرٹس اور آٹھ تا بارہ بجے تک کے چینلی اکھاڑوں میں زور آزمائی سے آگے نہیں بڑھتی بلکہ پیدل چلنے، دروازہ کھٹکھٹانے، کسی محروم کو گلے لگانے اور بغیر ٹوکے پوری بات سننے سے ہی آگے بڑھتی ہے۔ اس عمر میں رسول بخش پلیجو کو ایک بار پھر گھر سے باہر نکلنا پڑ رہا ہے۔

لوگ کہتے ہیں سندھ اب ستر، اسی اور نوے کی دہائی کا سندھ نہیں رہا۔ نئی نسل اپنی مالک آپ ہے۔ اس کے آدرش اور خیالات بالکل مختلف ہیں۔ اس کی زندگی میں آئیڈیل ازم بس اتنا باقی ہے جو کسی کیرئیرسٹ نسل کو آگے بڑھانے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ پلیجو صاحب کو چھیاسی برس کی عمر میں یہ سب نہیں کرنا چاہیے۔ ان کی صحت ٹھیک نہیں ہے۔ لیکن اگر انہوں نے یہ انتہائی قدم اٹھایا ہے تو سوچئے ناامیدی کا اندھیرا کس قدر گہرا ہے۔ بقول جون ایلیا

ہم جو دنیا سے تنگ آئے ہیں
تنگ آتے چلے گئے ہوں گے

(بشکریہ جنگ)

(پلیجو صاحب زندگی کے آخری دنوں میں اپنے بیٹے سے طبقاتی معاملات پر نظریاتی اختلاف کی بنا پر دوبارہ متحرک ہونے پر لکھی گئی تحریر)

Gul Hayat Institute

فیمینزم اور پاکستان میں تحریکِ نسواں

ڈاکٹر روبینہ سہگل

سندھیانی تحریک: ضیاء کی آمریت کے دور میں ویف خواتین موومنٹ کی پہچان تھی مگر ٹھیک اسی عرصے میں سندھ میں غیر معروف مگر متوسط اور نچلے طبقے کی سندھیانی تحریک بھی اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھی۔ اس تنظیم کی ابتدا بدین اور ٹھٹھہ کے اضلاع میں ہوئی تھی مگر جلد ہی یہ تنظیم سندھ کے دیگر اضلاع تک پھیل گئی۔ اس تنظیم کی بنیاد عوامی تحریک کے خواتین ونگ نے رکھی۔ اس تنظیم نے پدرسری نظام اور آمریت کے خلاف بھرپور جدوجہد کی۔ سندھیانی تحریک نے سندھ کی محنت کش خواتین کو متحرک کیا۔ اس تنظیم کے مقاصد میں سندھی نیشنلزم کا فروغ، صوبائی خودمختاری، طبقاتی تفریق، صنفی امتیاز، پدرسری نظام میں عورت کی محکومیت اور جمہوریت کے لیے جدوجہد شامل تھی۔ ان کا ماننا تھا کہ ہر معاملہ عورت کا معاملہ ہے اس لیے یہ تنظیم جمہوری جدوجہد سے خود کو الگ نہیں کرسکتی۔

اس تنظیم نے اپنی اس جدوجہد کے دوران عورت کے خلاف رسموں مثلاً کاروکاری اور قران سے شادی اور جائیداد میں عورتوں کو حق سے محرومی جیسے مسائل کے خلاف بھی مؤثر آواز بلند کی۔ یہ تنظیم اپنے بھرپور احتجاج کے حوالے سے بھی مشہور ہوئی جس میں تھانے کا گھیراؤ وغیرہ شامل ہے۔ اس کے علاوہ جاگیردارنہ اور سرمایہ درانہ سماج کے مقابل اس تنظیم نے خواتین میں شعور سازی میں اہم کردار ادا کیا۔ اگرچہ مذہبی اور چند سیاسی حلقوں نے اس تنظیم کے حوالے سے بہت منفی تحریک چلائی اور ان کو کافر اور راجہ داہر کی بیٹیاں تک کہا گیا مگر اس نے اپنا کام جاری رکھا۔ سندھیانی تحریک کی خواتین ویف کی نسبت نہ صرف زیادہ ایکٹو تھیں بلکہ وہ اپنے سماج اور کلچر سے زیادہ جڑی ہوئی تھیں۔ انھوں نے اپنی تحریک میں سلوگن، گانوں اور دیگر کلچرل چیزوں کا بھرپور استعمال کیا۔

Gul Hayat Institute

پلیجو ایک اعلیٰ ظرف انسان

عطیہ داؤد

آج جب پلیجو دنیا سے چلے گئے ہیں بہت سارے لوگ ان کی زندگی کے مختلف پہلوئں پر روشنی ڈال رہے ہیں۔ سندہ میں ایسا کوئی بھی علم اور ادب دوست انسان نہیں ہے جو کہ ان کی ادبی اور خاص طور پر تنقیدی حوالے سے کیئے گئے کام سے متاثر نہ ہوا ہو۔ سیاست میں بھی ان کا اپنا ایک خاص مقام رہا ہے۔ لیکن آج میں اپنی زندگی کے ایک واقعے کا ذکر کرتے ہوۓ انہیں خراج تحسین پیش کر رہی ہوں۔

یہ غالباً 2000ء سے پہلے کی بات ہے۔ اس زمانے میں موبائل فون اور فیس بوک وغیرہ نہیں ہوا کرتا تھا۔ پی ٹی سی ایل فون بھی سب کے گھر میں نہیں ہوا کرتے تھے۔ جب میں کسی ریسرچ کے سلسلے میں بدین گئی تھی۔ وہاں پر پریس کلب میں صحافیوں سے ایک جیتی جاگتی کہانی سنی کہ ایک لڑکی جس نے اپنی مرضی سے شادی کی تھی۔ اور وہ بچے کی ماں بننے والی ہے، لیکن اس کے ماں باپ نے اس کو زبردستی گھر میں قید کیا ہوا ہے۔ اور بچے کے جنم میں چند ماہ باقی ہیں لیکن اس کا بچہ ضائع کروانے کے لئے کوششیں کی جارہی ہیں۔ میں اس لڑکے سے ملی اور اسے وومن ایکشن فورم کراچی کی طرف سے مدد کا یقین دلاتے ہوۓ اس مہم میں آنکھیں بند کر کے کود پڑی۔ لڑکے کو لے کر میں کراچی آگئی۔ اور اس کو ابڑو کے ایک دوست میزبان کے گھر میں ٹھہرایا۔ وومن ایکشن فورم کراچی نے یہ کیس لڑنے کا ارادہ کیا۔ لڑکی کی ماں ایک این جی او میں کام کرتی تھیں۔ اور بڑے اثر ورسوخ کی مالک تھیں۔ ہم نے ووف کی طرف سے ایک وکیل کیا۔ جو کہ کراچی کا تھا۔ مگر اس کو حیدرآباد میں جا کر کیس لڑنا تھا۔ لڑکے کی طرف سے اس منکوحہ کو حبس بے جا میں رکھنے کا کیس داخل ہوا تو کورٹ کے حکم سے لڑکی کو کسی بھی طرح سے حاصل کیا گیا۔ یہ ایک الگ کہانی ہے

کہ کراچی ووف کی خواتین کس طرح سے دن رات کوششیں کرتی رہیں ۔ کیونکہ لڑکی کے گھر والوں نے لڑکی کو چھپا دیا تھا۔ یہ ایک الگ کہانی ہے جس کو لکھا بھی گیا ہے۔

یہاں صرف پلیجو صاحب کے حوالے سے کہانی بیان کرنی ہے۔ لڑکی کو قانون کے مطابق حیدر آباد کے دارالامان میں رکھا گیا۔ اب کورٹ میں پیش کرنا تھا۔ جس کے لئے ہمارے وکیل نے دو دن بعد کی تاریخ لی تھی۔ اور ہم کراچی سے کچھ عورتیں اس پیشی کے لئے آنے والے تھے۔ سردیوں کی وہ ایک ٹھٹھرتی ہوئی رات تھی۔ گیارہ یا بارہ بج رہے تھے کہ گھر کی فون پر بدین یا پھر حیدر آباد کے صحافی دوست نے یہ اطلاع دی کہ آج صبح سویرے ہی لڑکی کو عدالت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ لڑکی کے والدین کی طرف سے ان کا وکیل رسول بخش انڑ تھے جو کہ ایک قابل اور سینئر وکیل تھے۔ لڑکی کے والدین زبردستی لڑکی سے یہ بیان دلانے پر بضد تھے کہ لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی اور اس سے خلع چاہتی ہے۔ یہ اطلاع سنتے ہی میرے پاؤں تلے زمین نکل گئی تھی۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ میں اپنی ساتھی خواتین سے رابطہ کرتی۔ اس لئے ہر حال میں حیدر آباد جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ بیٹیاں چھوٹی تھیں۔ اور سو رہی تھیں۔ اس لئے ان کو گھر میں اکیلا چھوڑ کر ابڑو مجھے بس اسٹاپ تک چھوڑنے بھی نہیں جا سکتے تھے۔ میں آدھی رات کو گھر سے نکلی، دوست کے گھر سے اسکے لڑکے کو نیند سے جگایا۔ اور ہم دونوں پیدل بس اسٹاپ تک گئے اور رات کے پچھلے پہر تک حیدر آباد پہنچ گئے۔ ہم دونوں کورٹ سے باہر نیچے زمین پر بیٹھے ہوئے سردی سے کانپ رہے تھے۔ اور پھر صبح کا اجالا پھیلا۔ تو ہم کورٹ کے احاطے کے اندر جا کر کھڑے ہو گئے۔ ابڑو نے ہماری ان دوستوں کو جن کے گھروں میں فون تھا۔ صبح ہوتے ہی اطلاع کر دی تھی۔ وہ وکیل کو فون ملاتی رہیں لیکن ہمارا وکیل گھوڑے بیچ کر اپنے گھر میں گہری نیند سو رہا تھا۔

میں اور وہ لڑکا ہم نہیں جانتے تھے کہ ہم کیا کریں گے۔ میرے دماغ میں صرف وہ لڑکی گھوم رہی تھی جس سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ تم اگر ہمت کرو تو تمہیں اپنا حق ضرور ملے گا۔ ۔ میری اور اس لڑکے کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ اچانک دور سے پلیجو صاحب اپنے اسسٹنٹ کے ساتھ آتے دکھائی دیئے۔ تھکن سے چور میں اور وہ لڑکا نیچے زمین پر پلتھی مار کر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ پلیجو صاحب مجھے دیکھ بھی لیں گے اور پہچان بھی لیں گے۔ وہ اتنے بڑے وکیل۔ نہیں نہیں میں اس سے آگے سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ مایوسی سے پھر سے نظریں نیچی کئے ہوئے بیٹھ گئی۔ مجھے لڑکے نے بتایا کہ پلیجو صاحب ادھر ہماری طرف آ رہے

Gul Hayat Institute

ہیں۔ مجھے یقین نہیں آیا۔ اتنی دیر میں پلیجو صاحب کی آواز گونجی۔ ”عطیہ تم ادھر؟ اس وقت کیا کر رہی ہو؟“۔ میں کھڑی ہو گئی۔ اور ان کی بات کا جواب میرے آنسو تھے۔ جو میرے گالوں تک بہنے لگے تھے۔ ان کے پوچھنے پر میں نے بتایا۔ اور یہ کہا کہ آج ہم یہ کیس ہار جائیں گے۔ ایک لڑکی کی امید ہار جائے گی۔ سچ ہار جائے گا۔ پلیجو صاحب میری بات سن رہے تھے۔ تب اچانک نہ جانے میرے دل میں کیا آیا کہ اور میں ان کے قدم چھونے کے لئے جھکی دوپٹہ ان کے قدموں میں رکھنا چاہا۔ اور کہا کہ ایک لڑکی کی امید کو بچالیں۔ پلیجو صاحب ہکا بکا مجھے دیکھ رہے تھے۔ میرے سر پر ہاتھ رکھا۔ اور کہا تم فکر نہ کرو۔ اب یہ میرا مسئلہ ہے۔ میں نے امید کے ساتھ کہا کہ آپ بہت بڑے وکیل ہیں لیکن وومن ایکشن فورم مل کر آپ کی فیس ادا کرے گی۔ پلیجو صاحب نے کہا۔ میں نے کہا نا کہ یہ اب میرا مسئلہ ہے۔ فیس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ مجھے تو یہ حیرانی ہے کہ آپ لوگوں کو پہلے مجھے بتانا چاہئے تھا۔ اور اس کے بعد پلیجو صاحب نے یہ کیس لے لیا۔ تو ہمیں اب پورا یقین ہو چکا تھا کہ اب سچ کو جیتنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ پلیجو صاحب نے اس دن وکالت نامہ داخل کیا اور دوسری تاریخ لے لی۔

جس دن اگلی پیشی تھی تو ہم کراچی سے بہت ساری خواتین۔ حیدرآباد کے صحافی دوست عدالت میں موجود تھے۔ تو اس دن ہمیں خبر ملی کہ پلیجو صاحب کی ماں کا انتقال ہو گیا ہے۔ ہم سب میں مایوسی کی لہر پھیل گئی۔ سوچ رہے تھے کہ اب کیا ہو گا۔ یہ بھی خیال آیا کہ ماں جیسی بات ہے۔ شاید اب وہ اپنے کسی ماتحت کو کیس لڑنے کے لئے بھیجیں گے۔ لیکن مقررہ وقت سے بھی کچھ دیر پہلے پلیجو صاحب موجود تھے۔ انہوں نے وہ کیس خود لڑا۔ کامیابی ملی۔ آج وہ لڑکی اور لڑکا اپنی زندگی میں بہت خوش ہیں۔ ان کے بچے ہیں۔ گھر والوں سے بھی صلح ہو گئی۔۔ پلیجو صاحب جو کہ کامیاب وکیل کے ساتھ ساتھ سیاسی لیڈر بھی ہیں۔ ہم نے تو یہ دیکھا اور سنا ہے کہ سیاسی لیڈر کسی کو ایک پھول بھی ہاتھ میں پکڑا دیں یا پانی کا گلاس بھی پلا دیں تو اس کی خوب تشہیر کرتے ہیں۔ لیکن پلیجو صاحب نے کبھی کسی سے اس بات کا ذکر تک نہیں کیا۔

اس کے کئی مہینوں یا سالوں بعد ایک بار پلیجو صاحب نے مجھے فون کیا کہ وہ دادو میں کسی عورت کا کیس لڑ رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کراچی ووف میں سے کوئی بھی وہاں شامل ہو۔ میں نے اپنی خوشقسمتی سمجھی اور حیدرآباد ان کے گھر گئی جہاں سے میں ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر دادو گئی۔ وہ کیس بھی کسی غریب عورت کا تھا جو کہ انسانی ہمدردی کے تحت لڑ رہے تھے۔ وہاں میں نے

Gul Hayat Institute

دیکھا کہ کئی غریب خاندان اور خاص طور پر عورتیں ان کو عزت اور احترام کے ساتھ سلام کر رہی تھیں۔ آنے جانے کے اس سفر میں پلیجو صاحب سے خاص طور پر ادبی اور سیاسی گفتگو ہوتی رہی۔ میں جو بات کرنے میں کسی حد تک منہ پھٹ بھی ہوں۔ لیکن پلیجو صاحب میری کسی بات سے میری کسی بھی اختلاف رائے سے ناراضگی کے بجائے مسکراتے رہے۔ یہ ان کی اعلیٰ ظرفی تھی۔ ۔ یہ ان کی تربیت کا نتیجہ ہے کہ سندھیانی تحریک کی خواتین نے ہمیشہ سے بردباری سے کام لیا ہے۔

ان سے ہماری دوستیاں، ملاقاتیں۔ رفاقتیں اپنی جگہ، لیکن لاہور میں عصریا وومن ایکشن فورم کے کچھ پروگرامز میں، میں نے ان پر کھل کر تنقید بھی کی لیکن وہ خندہ پیشانی سے سنتے رہے اور کبھی اس تنقید کو ذاتی دشمنی تصور نہیں کیا۔ ہال سے باہر نکلنے پر ہم لوگ ساتھ مل کر پھر سے قہقہے لگاتے اور گیت گاتے رہتے تھے۔ یہ ظرف میں نے صرف پلیجو صاحب اور ان کے ساتھیوں میں ہی دیکھا۔

(بشکریہ فیس بک)

خراج عقیدت

ڈاکٹر شاہد مسعود

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو صاحب سے بہت ملاقاتیں ہوئیں اور ہمیشہ یہ احساس ہوا کہ سندھ کا یہ سپوت نہ صرف ملکی بلکہ عالمی سیاست، تاریخ اور ادب پر کمال عبور رکھتا ہے۔ خوبصورت شخصیت! ۔۔۔ پلیجو صاحب کی کمی کبھی پوری نہ ہو سکے گی اور ان کی جدوجہد تاریخ کا اہم ترین حصہ ہے۔ اللہ درجات بلند فرمائے۔ آمین

نیند کے نَین ہیں پیا!

نذیر سروھی

عمر کتنی بھی بڑی ہو وہ چھوٹی ہوتی ہے، کچھ لوگ جیتے جی بھی مرے ہوئے ہوتے ہیں اور کچھ لوگ مر کر بھی زندہ رہتے ہیں۔ تینتیس برس میں مسیح بن جاتا ہے تو یرو شلم، ناصرہ، اور بیت اللحم کا تعارف بن جاتا ہے۔ کوئی پینسٹھ برس کا بھٹائی بن جاتا ہے جو موہن جو دڑو اور پوری سندھ کی جان پہچان بن جاتا ہے۔ کوئی جی ایم سید، کوئی حیدر بخش جتوئی، کوئی ابراہیم جویو تو کوئی شیخ ایاز بن جاتا ہے۔ تو کوئی بیسویں اور اکیسویں صدی کا چھیاسی سالہ رسول بخش پلیجو بن جاتا ہے۔ جو نہ صرف سندھ، پاکستان بلکہ ایشیا کا بہت بڑا فلاسافر تھا، اسکالر تھا، دانشور تھا، مفکّر تھا۔ سیاسی رہنمأ تھا، شاگرد تھا، اُستاد تھا، ادیب تھا، شاعر تھا، صحافی تھا، انقلابی تھا، آرٹسٹ تھا، مصور تھا، گائک تھا، موسیقار تھا، سماجی سائنسدان تھا، قانوندان تھا، وکیل تھا، مارکسٹ تھا، ماؤسٹ تھا، لیننسٹ تھا، مقرر تھا، انسانی تاریخ اس کی مُٹھی میں بند تھی۔ وہ جو بنی اسرائیل سے بھی واقف تھا تو فلسطین سے بھی، کنعان سے بھی تو نمرود سے بھی۔ وہ جو چیوپس اور خوفو سے تو واقف تھا ہی ان کے احراموں سے بھی۔ وہ جو رامیسس کو بھی جانتا تھا تو موسیٰ کو بھی۔ وہ! جو تھامس فلسفے سے تو آراستہ تھا ہی لیکن تھالیس ملطی کے تعلیمی نظام سے بھی۔ وہ تو انا کسا غورث اور فیثا غورث کے اسکول سے بھی واقف تھا تو تھیانو اور میاء کے تعلیمی طریقے سے بھی۔ وہ سُقراط کی علمی اُڑان بھی جانتا تھا تو ارسطو فیتر کے ڈرامے کی اداکارہ پراگسا گورا کو بھی جانتا تھا۔

وہ پلیجو، جو افلاطون کی اکیڈمی سے نکلے ہوئے ارسطو اور سکندر اعظم کو بھی اچھی طرح جانتا تھا! وہ، اریدو، ار اور نیفر کو جیسے، بنتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ سدوم کے حکمرانوں سے واقف تھا تو بابل کے کنوؤں سے بھی، اور اس کی روایات و رسومات سے بھی۔ وہ سکندریہ سے بھی واقف تھا تو سوس سے بھی۔

Gul Hayat Institute

وہ پلیجو، جو رازی کو بھی جانتا تھا تو ابنِ رُشد کو بھی۔ وہ اسپاسیا سے بھی واقف تھا اور ہپائیہ سے بھی۔ وہ ہپاٹیہ، جو بقول ابنِ رُشد ”علم کے نام پر قتل کر دی گئی،“ وہ پلیجو صاحب، جن کے لیے شاید شیخ ایاز نے یہ نظم لکھی تھی۔

ہم نیند کے تین ہیں، پیا!
سوئے ہوئے سانس جاگے،
جائے دور دور۔
ستارے پھلانگے ہمارا شعور،
سینکڑوں چاند ساتھی،
کہکشاؤں کے سینکڑوں قافلے رہگذر میں،
سفر میں
سینکڑوں کائناتیں،
نہ آغاز جن کا نہ انجام جن کا،
زمان و مکاں سے مسلسل نجاتیں،
ازل سے ابد تک سُکھ کی براتیں،
جب بھی لوٹ آئیں،
سینکڑوں راز لائیں،
سینکڑوں ساز کے لیے آواز لائیں،
سینکڑوں چاند اُٹھائیں،
ستارے بنائیں،
جنہوں سے آکر جگ سارا جگمگائیں،
ہم جاگ کے بھاگ ہیں پیا!

وہ! رسول بخش پلیجو، جو تھا تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متاثر، اس کو عظیم مانتا تھا، لیکن گوتم بدھ اور کنفیوشس سے بھی باقاعدہ واقف تھا اور حضرت عمرؓ کے چچا کو بھی پسند کرتا تھا۔ وہ، تو التمیرہ غار میں موجود تصاویر کی زبان بھی سمجھ لیا کرتا تھا، وہ حسان بن ثابت کے خیالات بھی پڑھا کرتا تھا تو اُمراءُ القیس سے بھی ناواقف نہیں تھا۔ پلیجو صاحب، سائیں ابراہیم جویو کا شاگرد تھا اور اُس پر فخر

Gul Hayat Institute

محسوس کرتا تھا، اسی ابراہیم جویو نے کہا تھا کہ ''رسول بخش پلیجو سندھی ادب کا ترگنیف ہے''۔

تقریباً دو ہزار سال پہلے رومی فلاسافر سینیکا نے کہا تھا کہ ''جس زندگی میں مرنے کی جرأت نہیں وہ غلام کے برابر ہے''۔ اور تقریباً دو ہزار برس بعد سندھ میں رسول بخش پلیجو خاموش اعلان کی طرح نکل آیا جیسے اس کی بہادر بے باک اور نڈر زندگی کہہ رہی ہو کہ ''مجھ میں مرنے کی جرئت موجود ہے، میں غلام نہیں ہوں۔''

رسول بخش پلیجو جابروں کے سامنے سرنگوں نہیں کرتا تھا، آمروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتا تھا، وہ بہت بڑا مقرر تھا۔ جب آمروں اور جرنلوں اور جنگوں پر تقریر کرتا تھا یا لکھتا تھا ہٹلر، چنگیز خان، نیپولین بوناپارٹ سے ہوتا ہوا سب کو سامنے لاکر کھڑا کر دیا کرتا تھا۔

بینظیر بھٹو نے کہا تھا کہ ''پلیجو، ضیاءُ الحق کے خلاف جنگ میں ہمیشہ ہمارے ساتھ رہا''۔

جب سندھی زبان میں ترقی پسند ادب اور شاعری کے خلاف رجعت پرست گروہ نے ترقی پسند ادیبوں، کہانیکاروں اور شاعروں کے خلاف فتوے دلوانے کا سلسلہ شروع کیا تو مولانا غلام محمد گرامی کی کتاب ''مشرقی شاعری کی اقدار اور رجحانات'' کے بعد رسول بخش پلیجو نے ''اندھے اُلٹے طبیب'' جیسی بہترین کتاب لکھ کر سندھی ترقی پسند ادب، شاعری، ترقی پسند ادیبوں اور شاعروں کی وکالت کی۔ مقدمہ لڑنے کا انداز دیکھیں ذرا! ''اگر حافظ، خیام، فردوسی، رومی، امیر خسرو، شاہ، سچل اور دوسرے اپنے دوَر میں بغاوت نہ کرتے تو زندہ ہی دفن ہو جاتے اور کسی کو پتہ تک نہیں چلتا کہ ان ناموں والے لوگ بھی دنیا میں تھے۔ بُلھا شاہ، فرید، عطار اور سنائی جیسے شاعر ''انالحق'' کا نعرہ نہیں لگاتے۔ اگر اقبال یزدان کے دامن چاک کرنے کی دھمکی نہ دیتا تو اس کے فن میں عظیم خلوص، سچائی، وجدان، حسن اور کمال پیدا نہ ہوتا اور وہ اس طرح دفن ہو جاتے کہ سننے میں بھی نہ آتے کہ وہ تھے بھی یا نہیں...؟ سچ تو یہ ہے کہ شیخ ایاز اور اس دوَر کے نوجوان سندھی ادیب، ان اساتذہ کی بیباکی، شوخی، گستاخی کی مقابلے میں بلکل دبکے ہوئے اور سنجیدہ نظر آتے ہیں۔ درحقیقت ہمارے جو نقّادچی ان نرم آوازوں کو سن کر حواس باختہ ہو گئے ہیں ان کو چاہئے کہ وہ سرکار سے درخواست کریں کہ وہ ان سبھی مندرجہ بالا متذکّرہ اردو، فارسی اور عربی شاعروں کی سبھی کتابوں کو آگ لگوادے اور ان کی شاعری پڑھنے پر پابندی عائد کردے، کیونکہ جب تک فن اور فکر کے ان اماموں کا کلام زندہ ہے تب تک ہر دور اور زمانہ میں جرأت، رندی، مستی اور بے باکی کی صدائیں فضا میں گونجتی رہیں گی، ہر دوَر اور زمانے میں ''ایاز'' پیدا ہوتے رہینگے، جو

Gul Hayat Institute

ان نوس نوس کرنے والے نقاد چیوں کی نیندیں حرام کرتے رہینگے اور انکی کمزور دلوں کو لرزاتے رہینگے۔'' اس کے بعد پھر پلیجو صاحب نے اسی موضوع اور تتبع پر دوسری کتاب ''ھنسوں کی نسل'' لکھی، ''دیکھ کر لال پھول''، ''بیٹھنا مجھے اچھا نہیں لگتا''، ''کوٹ لکھپت کا قیدی''، ''کورٹ کہانیاں''، ''ویتنامی کہانیاں'' پلیجو صاحب شاعر بھی تھے، جب وہ شاعری کرتا تھے ''تمہارے بعد'' کتاب میں ایسی نظمیں شامل کرتے:

نہیں، تیرے اور میرے جوتوں کو بھی،
ایسے صاف اور چمکدار بنانے کے لیے،
ایسی پالش بازار سے نہیں ملے گی،
یہ پالش،
جس نے، ان لانگ بوٹوں پر لگی،
اتنی صدیوں کی غلاظت،
اتنے نسلوں اور قوموں کے،
خون کے دھبے دھو کر،
ان کو اتنا صاف اور چمکیلا کیا ہے کہ،
وہ دنیا کے کسی کارخانے میں نہیں بن سکتی،
یہ ایک گہرا ہنر ہے،
راتوں رات یا دن دِہاڑے،
ان کو چاٹ کر،
ایسا صاف اور چکمتار کھتی ہیں،
تیرے اور میرے جیسے لوگوں کی زبانیں،
یہ وہ کاریگر زبانیں ہیں،
جو کل،
تیرے اور میرے ساتھ،
جلسوں اور جلوسوں میں، تھانوں اور بندوارڈوں میں،
قوم اور دھرتی،

Gul Hayat Institute

جمہوریت اور سوشلزم کے،
فلک شگاف نعرے لگا کر۔
اقتدار کے ایوانوں کو لرزاتی تھیں،
اور کل پھر بھی وہی نعرے لگا کر،
خود میں وہی تاثیر پیدا کر کے پرسوں پھر آکر،
راتوں رات یا دن دہاڑے،
ان کو چاٹ کر ایسا صاف اور چمکدار رکھنے کی،
کاریگری میں مگن ہو جائینگی"

پلیجو صاحب کو کئی زبانوں پر دسترس حاصل تھی، وہ انگریزی، فارسی، عربی، ہندی، سنسکرت، پنجابی، سرائیکی، پشتو، اردو اور سندھی کلاسیکی ادب اور شاعری پر تو عبور رکھتے تھے۔اس لئے انہوں نے بہت ساری چیزیں ترجمہ کر کے سندھی ادب میں خوبصورت اضافہ کیا اور ہمارے اوپر احسان بھی کیا۔ ویتنامی کہانیاں، شاعری، انگریزی، فارسی، اسکاٹ لینڈ، امریکہ، روس، جرمن نظمیں، ترکی، فلسطین، جپانی، بنگالی، بلوچی، لوگ گیت، پستو ٹپے، عربی کی نظمیں ترجمہ کر کے ہماری اور آنے والی نسلوں کی گود میں ڈالی ہیں۔

'تمہارے بعد' کتاب میں جو ترجمے، ہمیں اور آنے والی نسلوں کے لیے پلیجو صاحب نے دیے ہیں اگر پلیجو صاحب مذکورہ ترجمے نہ کرتے تو ہم اور ہماری آنے والی نسلیں اتنے باکمال ادب اور شاعری سے محروم رہ جاتے۔

ایک مرتبہ پانچ جُون دوہزار نو 2009-06-05 کو پلیجو صاحب ہمارے شہر گمبٹ میں آئے تھے اور ان کو "دنیا کی ارتقا میں ادب کا کردار" کے موضوع پر لیکچر دینا تھا، ہم بڑی بےچینی سے انتظار کر رہے تھے۔ آخر کار وہ وقت آیا جب پلیجو صاحب اسٹیج پر بیٹھے اور اپنے موضوع پر تقریر کرنے لگے، سچ تو یہ ہے کہ پلیجو صاحب تقریر کر رہے تھے، پوری دنیا کا ادب شاعری ہومر، پریسڈ، یوریپائیڈس، داؤد، والٹیئر، وکٹر ہیوگو، سارتر، وکٹر ہارا، بائرن، شیکسپیئر، شیلے، ٹالسٹائی، دوستو وسکی، گورکی، مایاکوفسکی، والٹ وٹمئین، ھیمنگوے، روسو، اناتول، بالزاک، ایمل، زولا، کارلائل، برناڈشا، ایچ جی ویلس، ڈکنس، ھارڈے، شولوخوف، گوگول، چیخوف، تھامس پین، رابندر ناتھ ٹیگور، لطیف، غالب، لوھسون، ماؤتون، نظیر اکبر آبادی، علامہ اقبال، فیض اور شیخ ایاز

Gul Hayat Institute

تک ہر دؤر اور زمانے کے ملکی حالات، تبدیلیوں اور اثرات کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے اپنے حالات و سکنات، ادب اور شاعری لے کر ہمارے سامنے رکھدیں۔ سننے والے حیران رہ گئے۔

پلیجو صاحب اپنے موضوع پر پوری دنیا کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے حالیہ حالات تک پہنچتے تھے، وہ جب قانون پر بات کرتے تو حمورابی سے ہوتے اسالمنڈ اور پروفیسر گرے سے ہوتے ہوئے، دنیا سے تقابلا کراتے ہوئے حال تک پہنچتے تھے۔

رسول بخش پلیجو صاحب نے کہا تھا کہ شیخ ایاز کا مطالعہ وسیع ہے لیکن گہرا نہیں۔ جس کے مطالعے کا اعتراف خود پلیجو صاحب کرتا ہے وہ سندھی زبان کا عظیم شاعر شیخ ایاز بھی اعتراف کرتا تھا کہ ''جب رسول بخش پلیجو شاہ لطیف کے ابیات کی تشریح کرتا ہے تو ایسے لگتا ہے جیسے یہ ابیات میں پہلی بار سُن رہا ہوں اسی شیخ ایاز نے کہا تھا کہ پلیجو صاحب نے اپنے سارے خاندان کو سندھ کے لیے قربان کیا ہے جس کی مثال سندھ تو کیا برصغیر میں کہیں شاید ہو۔''

پلیجو صاحب جب مذہب پہ بات کرتے یا تقریر کرتے تھے تو یونان سے، عراق سے، مصر سے اور یروشلم سے نکلے ہوئے ادیان سے ہوتے ہوئے اپنے دؤر تک کے ادیان کی پوری تاریخ سمیٹ کر سامنے رکھ دیتے، وہ جب انسانی تاریخ، سیاست، سماجی، نظام، اور فنون کی بات کرتے یا انسانی ارتقا کی بات کرتے یا تقریر کرتے تو غاروں میں رہنے والے لوگوں سے لیکر جانور پالنے، گھر بنانے سے لیکر جانور پالنے، کرغس سے لیکر افلاطون کی خیالی ریاست سے ہوتے ہوئے سائی لون کے کاغذ بنانے سے لے کر آج کی آسمان تک پہنچنے والی انسانی ارتقا تک لے آتے تھے، وہ جب سائنس پر بات کرتے یا تقریر کرتے تھے تو آگ دیارفت ہونے سے لیکر پہیہ بنانے والے سے لیکر نیوٹن، رائیٹ برادرس سے لیکر، آئن سٹائن، مادام کیوری سے لیکر اسٹیفن ہاکنگ تک ساری سائنسی سوچ سمیٹ کر سامنے رکھ دیا کرتے تھے۔

رسول بخش پلیجو صاحب اپنی پوری زندگی میں انوکھے آدمی رہے۔ جو لوگوں کی تربیت کر کے انہیں معاشرے کے مفید انسان و منفرد انسان بناتے تھے۔ جو لوگ انہوں نے بنائے ان میں سب سے پہلے جو نام آتا ہے وہ ہے ان کی شریکِ حیات جیجی زرینہ بلوچ کا، وہ ''جیجی'' جو نہ صرف ایاز لطیف پلیجو کی جیجی تھی بلکہ صرف رسول بخش پلیجو کے علاوہ باقی ہم سب کی جیجی (ماں) تھی۔ یہاں تک کہ جی۔ایم۔سید بھی زرینہ بلوچ کو جیجی (ماں) کہتے تھے۔ وہ عظیم (ماں) جیجی جس کی آواز میں فطرت نے بڑی قوت رکھی تھی۔

Gul Hayat Institute

اور تو خبر نہیں لیکن مرنے کے بعد،
تجھ سے ملنے کی حسرتیں رہینگی۔
سے لیکر
میں بھی گولی چلاؤں،
میں بھی گولی چلاؤں۔

جیسے سینکڑوں گانے، گیت اور غزل جو جیجی زرینہ بلوچ نے گائے ان کی موسیقی بھی رسول بخش پلیجو نے ترتیب دی تھی۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے ذہن پلیجو صاحب نے بنائے جو آج عوامی تحریک میں ہوں یا نہ ہوں لیکن ان کی پہچان رسول بخش پلیجو صاحب ہی ہیں۔ جو لوگ پلیجو صاحب کے سایہءِ شفقت کے قریب رہے وہ ہیرو بن گئے۔ پلیجو صاحب جب سیاست کی بات کرتے یا تقریر کرتے تھے تو ہیگل، مارکس، اینجلس، لینن اور ماؤزے تنگ تک کا فکر و فلسفہ سامنے رکھ دیا کرتے تھے۔ لیکن اپنی سیاست سندھ اور پاکستان کے سیاسی، سماجی اور جغرافیائی و معروضی حالات کو سامنے رکھ کر کیا کرتے تھے۔ بوقتِ ضرورت حاضر دماغی، جرأت اور برق رفتاری سے تاریخ ساز فیصلے کرنا تو پلیجو صاحب سے سیکھنے چاہیئیں تھے، انہوں نے اپنی تحریک میں عورتوں کو جو حصہ دیا اس کو تو سندھ کی سیاست کبھی بُھلا نہ سکے گی۔ پلیجو صاحب، مسیح اور میونزر کی طرح سماج میں موجود محروم لوگوں کے رہنمأ تھے۔ ان کو ان کے حقوق کا نہ صرف شعور و ادراک دیتے تھے بلکہ ان کو ان کے حقوقِ کے حاصلات کی تربیت بھی دیتے تھے۔ رسول بخش پلیجو صاحب سچ گو انسان تھے، وہ اپنی تقریر و تحریر میں اور اپنی سیاسی تحریک میں سچے، نڈر اور بے باک آدمی تھے، اپنے عمل میں بھی سچے اور کھرے آدمی تھے، آج جب وہ ہمارے درمیاں نہیں رہے تو اُن کا کردار، چلتا پھرتا عمل ہمارے سامنے ہے، ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اُن کی روشن کی ہوئی مشعل کو لیکر آگے بڑھیں، اپنے اور محروم لوگوں کے حقوق کی حاصلات کے لیے ان کی طرح سچائی اور خلوص کے ساتھ جدوجہد کریں، جس کے لیے ہی شاید کسی نے کہا تھا کہ:

سچ کی جنگ میں،
ایک بھی ہزار کی مانند۔

Gul Hayat Institute

ہائے....!رسول بخش پلیجو

نذیر لغاری

رسول بخش پلیجو ہمارے درمیاں نہیں رہے۔ جنگشاہی کے گاؤں منگر خان پلیجو میں جنم لینے والے رسول بخش پلیجو آج اس دنیا سے چلے گئے۔ مگر وہ آنے والے زمانوں میں اپنے افکار، نظریات، رجحانات، اپنی سوچ، اپنے طرزِ عمل، اپنے سیاسی اور سماجی رویوں، اپنے علم اور دانش کے ساتھ زندہ رہیں گے۔ وہ علم سوچتے تھے، وہ علم بولتے تھے، وہ سماج کی تہہ در تہہ پرتوں کی تاریخی جدلیت کا شعور رکھتے تھے، وہ جدلیاتی مادیت کے بہترین شارح تھے۔

وہ لطیفیات کے عالم تھے، شاہ عبداللطیف بھٹائی اور بابا بلھے شاہ کی شاعری کے عصری شعور اور تحت الشعور کا ریاضیاتی علم رکھتے تھے۔ وہ ہر سیاسی اور سماجی سوال کو حل کرتے ہوئے سائنسی اور فلسفیانہ توجیہات کیلئے دنیا کے نامور فلسفیوں اور سماجی سائنسدانوں کے ساتھ ساتھ اپنی سرزمین کے نابغہ روزگار شاعروں اور دانشوروں کے حوالے بھی دیتے تھے۔

وہ بلا کے مقرر تھے، وہ اپنے علم، اپنی دانش اور اپنے اندازِ بیاں سے ایک سماں باندھ دیتے تھے۔ وہ اپنی گفتگو کے دوران علم کا ایک حصار بنا لیتے اور پھر اپنے سامعین کو علم کے اس حصار سے باہر نہ نکلنے دیتے۔ پلیجو صاحب کا حافظہ غضب کا تھا، وہ جب کسی شاعر، فلسفی، ادیب، اسکالر کا حوالہ دیتے تو کتاب، صفحہ اور سطر کے ساتھ حوالہ دیتے۔ وہ سندھی، سرائیکی، پنجابی، بنگالی، عربی، فارسی اور بلوچی شاعری کے مستقل قاری تھے۔ وہ پاکستان کی متعدد مقامی زبانوں کے علاوہ بعض دیگر علاقوں کی زبانیں روانی سے بولتے تھے۔ انہیں عربی، فارسی، بنگالی اور ہندی زبانوں کے سینکڑوں اشعار ازبریاد تھے، وہ سندھی کے نثری اور شعری ادب کے اپنے دور کے سکہ بند ادیب تھے۔ انہوں نے سندھی ادب میں اپنی تنقیدی کتاب "اندھا اوندھا ویج" کے ذریعے سندھی کے ترقی

Gul Hayat Institute

پسندانہ اور رجعت پسندانہ ادب کے درمیان ایک حد فاصل قائم کردی۔ جس ادب کو انہوں نے عوام دشمن کہہ کر مسترد کردیا اسے عوام اور عوام دوست قارئین میں پذیرائی نہ مل سکی اور جس ادب کو انہوں نے عوام دوست کہہ کر قبول کیا اسے قبولیت عام حاصل ہوئی۔

ادب کی دنیا میں وہ شیخ ایاز، رشید بھٹی، ابراہیم جویو، شمشیر الحیدری، آغا سلیم، نجم عباسی، ایاز قادری، جمال ابڑو، ابراہیم منشی، تاجل بیوس، عبدالرحمن نقاش اور بعض دیگر قلمکاروں کے ہمعصر بھی تھے اور ہم مجلس بھی تھے، وہ شیخ ایاز کی شاعری اور رشید بھٹی کے نثری ادب کو سب سے زیادہ پسند کرتے تھے۔

سیاست کے بارے میں ان کا نقطہء نظر اس مذہبی رویے کے مصداق ہوا کرتا تھا کہ ''دین کے اندر پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔'' وہ فرد کی سیاست کی بجائے خاندان کی سیاست کے قائل تھے۔ وہ اور ان کی پارٹی کے تمام لوگ اپنے تمام اہل خانہ، بیوی بچوں، بھائی بہنوں اور عزیز واقارب کے ساتھ پارٹی میں شامل ہوتے۔ جب جنرل ضیاء کے مارشل لاء کے خلاف ایم آر ڈی کی تحریک چلی تو پلیجو صاحب کی عوامی تحریک کے لیڈروں اور کارکنوں نے اپنے بیوی بچوں سمیت پورے خاندانوں کی گرفتاریاں پیش کیں، یوں سندھ کے سینکڑوں سیاسی خاندان پورے اہل خانہ سمیت جیلوں میں قید تھے۔ بڑی عمر کے بوڑھے، بوڑھیاں اور کمسن بچے بچیاں اور نوجوان مرد اور عورتیں سب تھانوں، زندانوں اور بندی خانوں کے اسیر تھے۔

رسول بخش پلیجو ہمارے عہد کی ایک عہد ساز شخصیت تھے، ہماری زندگی بھر کی خوش نصیبیوں اور بدنصیبیوں میں یہی ایک بڑی خوش نصیبی ہے کہ ہم رسول بخش پلیجو کے دور میں پیدا ہوئے، ہم اُن کے مجلس نشین رہے، ہم نے ان گنت بار انہیں دیکھا، ان گنت بار انہیں سنا، ان گنت بار ان سے گفتگو کی، بہت دفعہ ان کی مجلس میں ہنسے، بارہا ان کے ساتھ بیٹھ کر روئے بھی، ان کے ساتھ اتفاق کیا، ان کے ساتھ اختلاف بھی کیا، ہم ملتے تو مستقل ملتے۔ نہ ملتے تو برسوں نہ ملتے، ہماری ملاقاتوں میں بہت فاصلے ہوئے مگر ہمارے دلوں میں کبھی فاصلے نہ ہوئے، ہم نے شاگرد ہونے کے رشتے کو نبھانے کی کوشش کی، انہوں نے استاد کا رشتہ ہمیشہ برقرار رکھا، میں ان کا نہایت نالائق شاگرد تھا، وہ ہمارے عہد کے ایک بے مثال نابغہ روزگار استاد تھے، پلیجو صاحب فوت ہوگئے، پلیجو صاحب ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

(بشکریہ روزنامہ پاکستان)

Gul Hayat Institute

پلیجو....آج بھی گامزنِ احتجاج

جی این مغل

ایک تنظیم ''عوامی تحریک'' ہے جس کے سربراہ مرحوم رسول بخش پلیجو تھے جو حال ہی میں انتقال کر گئے ہیں۔ گزشتہ کئی دنوں سے عوامی تحریک کے مرد و خواتین کارکن صوبے کے مختلف شہروں اور علاقوں میں جلوس نکال کر نہ فقط سندھ کو نظرانداز کئے جانے والے ''نئے پاکستان'' کے خواب کے خلاف آواز اٹھا رہے ہیں بلکہ متعدد مشکلات جن میں سندھ کافی عرصے سے گھرا ہوا ہے، کے خلاف بھی احتجاج کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ان ایشوز میں سندھ کو دریائے سندھ سے محروم کرنے اور سندھ بھر میں پیدا ہونے والی پانی کی شدید کمی، روز بروز سندھ کے سیاسی کارکنوں کو خفیہ طور پر اغوا کر کے گم کرنے کی کارروائیاں، سندھ کو تقسیم کرنے کی باتیں دوبارہ شروع کئے جانے کے امکانات، کراچی سمیت سندھ کے دیگر علاقوں میں کئی لاکھ غیر قانونی غیر ملکیوں کو ہر قسم کی سرگرمی کرنے کی آزادی، حالانکہ 2010ء اور 2011ء میں اس وقت کے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کراچی بدامنی کیس کی سماعت کے دوران اس بات کی طرف مرکزی اور صوبائی حکومت کی توجہ مبذول کرانے کے بعد سخت ہدایات جاری کر چکے ہیں کہ ان کو فوری طور پر کیمپوں میں منتقل کرنے کے بعد انہیں اپنے اپنے ملکوں کو واپس بھیجا جائے۔ این ایف سی ایوارڈ پر گزشتہ آٹھ سال تو عمل نہیں کیا گیا مگر ''نئے پاکستان'' کا خواب دکھانے والے حکمران اطلاعات کے مطابق اس ایوارڈ کے تحت صوبوں کو ملنے والی رقوم سے 8 فیصد کٹوتی کرنے پر بضد ہیں، وغیرہ وغیرہ، اس تنظیم کی طرف سے نہ ختم ہونے والے یہ جلوس اور یہ مطالبات دیکھ اور سن کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یا تو پلیجو صاحب انتقال نہیں کر گئے بلکہ زندہ ہیں اور کسی خفیہ مقام سے اپنی اس جماعت کی رہنمائی کر رہے ہیں یا پلیجو صاحب کی روح سندھ کے عوام اور اپنی جماعت کی رہنمائی کر رہی ہے۔ (بشکریہ جنگ)

Gul Hayat Institute

سندھ کے مقدمے کا وکیل رسول بخش پلیجو

مظہر لغاری

رسول بخش پلیجو کو پنجابی، سرائیکی، انگریزی اور فارسی پر دسترس حاصل تھی۔ ماڈرن ورلڈ ہسٹری ان کی انگلیوں کی نوک پر ہوتی تھی۔ ملٹری سائنس، مذاہب کا تقابلی جائزہ ان کی دلچسپی کے موضوعات میں شامل تھے۔ بڑی حد تک قرآن پاک انہیں یاد تھا اور بڑے بڑے مولانا ان سے بحث مباحثے سے کتراتے تھے۔ پلیجو سحر انگیز مقرر تھے اور ان کی تقریر جلسوں اور آل پارٹیز کانفرنسوں کا ایجنڈا تبدیل کر کے رکھ دیتی تھی۔ دیگر سندھی سیاسی رہنماؤں جی ایم سید، شیخ عبدالمجید سندھی، حیدر بخش جتوئی اور کامریڈ غلام محمد لغاری کی طرح برسوں تک ملک کی دور دراز جیلیں بھگتیں۔ وہ ان رہنماؤں میں سے تھے جنہیں سندھ میں 'فاتحِ جیل خانہ جات' کہا جاتا ہے۔ رسول بخش پلیجو سیاستدان بڑے تھے یا ادیب؟ اس سوال کا جواب شاید اتنا آسان نہ ہو لیکن سندھی ادب سے شناسائی رکھنے والے ہمیشہ سے کہتے رہے ہیں کہ بطور ادیب وہ بہت بڑے آدمی تھے۔ ان کی کتاب 'سندی ذات ہنجن' (ہنس پرندوں کی ذات) ادبی تنقید کا فن پارہ ہے جس میں انہوں نے ارسطو کے poetics کی طرح جدید ادب اور فن کو عوام دوستی کے معیار پر پرکھنے کے اصول وضع کر دیے ہیں۔ ان کی کہانیاں اور شاعری بھی مقبول ہیں اور ان کی بنائی ہوئی دھنوں پر انقلابی گیت گائے گئے ہیں جو سیاسی جلسوں میں گائے اور بجائے جاتے ہیں۔ لوگ شاہ لطیف کو صرف مرشد سمجھتے تھے۔ پلیجو اور جی ایم سید نے مل کر شاہ لطیف کو ایک عظیم شاعر کے طور پر دریافت کیا اور ان کی شاعری میں موجود عوام دوستی اور وطن دوستی کو سندھ کی سیاسی جدوجہد سے جوڑ دیا۔ اس مرحلے پر انہوں نے دائیں بازو کے ان قدامت پسند سندھی ادیبوں کے گروہ کو شکست دی جو جماعت اسلامی کا حصہ تھے اور جو رات دن سندھ کے عوام کے لیے شاہ لطیف کی شاعری کو

مذہبی تناظر میں پیش کرتے اور ایسی تشریح کو re-inforce کرتے آرہے تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جو سندھ کے شہر شہر جاکر طرحی مشاعرے منعقد کرتے، ترقی پسند ادب اور شاعری کو کفر قرار دیتے، ایسی کتابیں شائع کرتے جن میں جی ایم سید اور شیخ ایاز کو کافر اور بھارتی ایجنٹ قرار دیا جاتا۔ ان کی شاہ لطیف کی تشریح کے مطابق بادشاہ عمر سومرو کا قلعہ انسانی جسم کا استعارہ تھا، اس قلعے میں قید عورت ماروی انسان کی روح تھی اور مجموعی طور پر عمر ماروی کا قصہ تڑپتی ہوئی روح کا بدن کی قید سے آزادی کا معاملہ تھا۔ شاہ لطیف کے کردار ماروی کو رسول بخش پلیجو اور جی ایم سید نے اس طرح بیان کیا جس میں عمر سومرو کی سفاکی، عوام دشمن طرز حکمرانی اور قیدی ماروی کی اپنے عوام کے ساتھ لا زوال محبت، نہ جھکنا نہ بکنا، سمجھوتے نہ کرنا اور ظلم کے خلاف ڈٹ جانا شامل تھا۔ انقلابی سیاست نے اسی ماروی کو حقوق سے محروم سندھ کا استعارہ بنایا اور اس کو حقوق سے محروم کرنے والے ڈکٹیٹر اور جابر حکمران عمر سومرو ٹھہرے۔ یہی نہیں، پلیجو نے لطیف کو ایک ایسے فیمنسٹ شاعر کے طور پر پیش کیا جس نے اپنی شاعری میں عورت کے آزاد ہونے یا رہنے میں حائل مسائل کی عکاسی کی اور بغیر کسی لگی لپٹی کے سیدھا سیدھا عورت کی طرفداری کی۔

لطیف کی سات سورمیوں کے کردار امر ہوگئے۔ وہ لطیف جس کی شاعری میں کوئی مرد ہیرو نہیں تھا اور جس نے ایک شادی شدہ عورت سوہنی کے اپنی پسند کے پارٹنر میہار کے ساتھ ملنے کی کھل کر حمایت کی: 'سوہنی جب اپنے شوہر کے پاس موجود ہوتی ہے تو میری نظر میں وہ ناپاک ہوتی ہے۔' لطیف نے یہ کہا اور پلیجو نے اس کی تشریح ایک ایسے معاشرے میں کی جہاں ایسی صورت حال کو بلاشبہ کاروکاری کا کیس سمجھا جاسکتا تھا۔ جماعت اسلامی ان دنوں سندھ میں سندھ کا نام بدل کر 'باب الاسلام' رکھنے کے لیے تحریک چلا رہی تھی اور لوگوں میں مذہبی جذبات ابھار کر اس کے لیے راہ ہموار کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دلیل یہ تھی کہ محمد بن قاسم کے ذریعے اسلام پہلے سندھ میں اور اسکے بعد برصغیر میں داخل ہوا تھا، چنانچہ سندھ کچھ نہیں، جس کے لیے خواہ مخواہ جیئے سندھ کے نعرے لگائے جارہے ہیں۔ مقصد سندھ کی ترقی پسند اور عوام دوست سیاست کو مذہب کے ذریعے تباہ کرنا تھا۔ اس میں مزید مصالحہ ڈالنے کے لیے راجہ ڈاہر کا ظلم اور عربوں کی دریاءدلی کو اجاگر کیا جاتا۔ پلیجو نے اس رجعت پسند فتنے کے خلاف مضامین کی ایک سیریز لکھی، تقاریر کیں، مناظرے اور مباحثے کیے اور جماعت اسلامی کی ادبی تنظیم کو اپنے دلائل سے شکست فاش دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ شاہ لطیف عوام دوست انقلابی شاعر قرار پائے، راجہ ڈاہر اپنے وطن

کے لیے لڑنے والا سرفروش ٹھہرا۔ باب الاسلام کا پروجیکٹ سندھ کے لوگوں کو ان کی تاریخ و تمدن سے محروم کرنے کی سازش ثابت ہوا۔ پلیجو نے اس طرح عوام دوست سیاست کے راستے سے نظریاتی کانٹے اور بارودی سرنگیں ہٹادیں۔ سندھ وطن دوست سیاست کے لیے تیار ہو چکا تو اگلا مرحلہ جی ایم سید سے اختلاف رکھنے کا تھا، نظریاتی اختلاف جنہیں پلیجو نے بڑے عرصے سے پس پشت رکھا ہوا تھا کہ ابھی وہ مرحلہ نہیں آیا تھا اور رجعت پسند قوتوں سے چلتی لڑائی کے دوران اپنی صفوں میں انتشار نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا۔

پلیجو نے جی ایم سید کی سیاست کا تنقیدی جائزہ پیش کیا کہ وہ سندھ کی آزادی تو چاہتے ہیں لیکن سندھی عوام کی آزادی غالباًان کا مطمع نظر نہیں ہے۔ اور یہ کیسا آزاد سندھ ہوگا جس میں ہاری ویسا ہی غلام اور طاقت واقتدار کا سرچشمہ وڈیرہ رہے گا۔ ایسی آزادی اور موجودہ غلامی میں کیا فرق ہے؟ پلیجو نے کہا کہ آزادی کی جدوجہد وڈیرے نہیں محنت کش لوگ کریں گے اور ایک سوشلسٹ نظام قائم کرنے کے لیے کریں گے۔ مستقبل میں جمہوری معاشرے کے قیام کے لیے اپنی سمت اور روش آج ہی سے درست رکھنا ہوگی جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایسا غیر مبہم مؤقف ترک کرنا ہوگا جو وڈیروں کے لیے گنجائشیں نکال سکتا ہو۔ جی ایم سید جو بلاشبہ اپنی قربانیوں اور جدوجہد سے سندھی قوم پرستی کے امام کے منصب پر فائز ہو چکے تھے، انہیں پلیجو نے اس دلیل کے ساتھ چیلنج کیا کہ سندھ دوستی پر کسی خاص گروہ یا شخصیت کی اجارہ داری نہیں ہے۔ آزاد سندھ کے کئی متبادل تصورات پیش کیے جا سکتے ہیں اور کیے جانے چاہئیں۔ یہ ایک مستند برانڈ کے ساتھ نئے تصورات کی مسابقت تھی جس میں بہت سارے ناخوشگوار حالات اور واقعات دیکھنے کو ملے لیکن پلیجو اپنا الگ انقلابی تشخص بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کی ایک اہم کامیابی یہ تھی کہ وہ سندھ کے غریب مرد اور عورت کو سیاسی مطالعے سے لیس کر کے انقلابی سیاست میں لے آئے۔ دوسری اہم کامیابی یہ تھی کہ انہوں نے سندھ کو پہلی منظم انقلابی پارٹی دی جو قومی عوامی جمہوری انقلاب کے لیے جدوجہد کر رہی تھی۔ سندھ کی کسی بھی سیاسی جماعت کے پروگرام کو عام کرنے اور کارکنوں کی نظریاتی تربیت کے لیے کبھی اتنا مواد نہیں چھپا تھا جتنا سندھی عوامی تحریک نے شائع کیا۔ انہوں نے ایسے سوشلسٹ پیدا کیے جو سندھ کے عوام کو معاشی، سیاسی اور ثقافتی طور پر آزاد دیکھنا چاہتے تھے اور جنہیں جمہوری انسانی حقوق کا اس وقت بھی ادراک تھا جب وہ تحریکیں پیدا ابھی نہیں ہوئی تھیں جنہیں آج کے مذہبی موم بتی موومنٹ کہتے ہیں۔ میرے خیال میں سیاست کے میدان میں پلیجو کی سب سے بڑی کامیابی

Gul Hayat Institute

سندھی عورت اور بالخصوص ہاری عورت کو سیاست کے مرکزی اسٹیج پر لے کر آنا ہے۔

سندھیانی تحریک سندھ کی پہلی منظم عورت تنظیم بنی جس میں اپنے طور پر جلسے، جلوس، لانگ مارچ اور اسٹریٹ ایجی ٹیشن کی صلاحیت موجود تھی۔ محض یہی نہیں، ایک مرحلے پر اسے مسلح جدوجہد کے لیے بھی تیار کیا گیا۔ پلیجو نے انقلابی ادب کی ترقی میں ایسا کردار ادا کیا کہ سندھ کو شیخ ایاز جیسا شاعر ملا جس نے سندھی عوام کی سیاسی جدوجہد کو رومانوی بنا دیا۔ سینکڑوں منفرد لہجے کے شاعر اور جدید سٹوری رائیٹرز ملے۔ وہ جب جیل سے آزاد ہوئے تو سندھ مزاحمتی ادب سے گونج رہا تھا۔ معروف اردو ادیب اور صحافی انور سن رائے نے انہیں اپنی کتاب 'چیخ' پیش کی اور کتاب کی رونمائی کے لیے مدعو کیا۔ پلیجو نے اپنے خطاب میں کتاب کے مختلف فنی و فکری پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور اپنا تجزیہ یوں ختم کیا: 'انور سن رائے نے کتاب کا نام چیخ رکھا ہے۔ اگر آپ نے چیخ سننی ہے تو سندھی کا ادب پڑھیں۔ یہ تو کراہ بھی نہیں ہے۔'

(مظہر لغاری سندھی کے شاعر اور جانے مانے صحافی ہیں۔ سیاست اور سماج کے معاملات پر سندھی، اردو اور انگریزی زبانوں میں لکھتے ہیں۔) (بشکریہ سجاگ نقطہ نظر)

خراج عقیدت

مظہر عباس

Gul Hayat Institute

سندھ کی واحد قوم پرست جماعت جو پیپلز پارٹی کو چیلنج کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی وہ رسول بخش پلیجو (مرحوم) کی جماعت عوامی تحریک ہے۔ وہ ایم آر ڈی تحریک کے دوران ایک بہت بڑے نام کے ساتھ ابھر کر سامنے آئے اور ان کی جماعت میں بہت زیادہ منظّم بازو تھے جن میں اکثریت دیہی خواتین و مرد شامل ہیں۔ میں نے اپنے چند صحافی دوستوں کے ہمراہ رسول بخش پلیجو (مرحوم) سے ان کے انتقال سے ایک ماہ قبل ملاقات کی تھی اور انہوں نے ایاز کی جانب سے چنی گئی لائن پر مایوسی کا اظہار کیا تھا۔ (بشکریہ جنگ)

آسمان تری لحد پر شبنم افشانی کرے

انیس ہارون

رسول بخش پلیجو صاحب سے میری ملاقات ۱۹۸۵ء میں اس وقت ہوئی تھی جب وہ ایک قیدی کی حیثیت سے جناح ہسپتال کراچی میں پروفیسر ہارون احمد کے زیرِ علاج تھے۔ پلیجو صاحب کو گرمیوں میں بھی سخت سردی محسوس ہونے اور کپکپی کی شکایت تھی۔ ظاہر ہے انسان پتھر کا تو نہیں بنا ہوتا۔ قیدِ تنہائی ایک عرصے تک بھگتنے کے اثرات ذہن اور جسم کو متاثر کرتے ہیں۔ ہارون نے مجھ سے پلیجو صاحب کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ انہیں ایک علیحدہ کمرے میں رکھا گیا ہے اور سوائے ڈاکٹروں کے انہیں کسی سے ملاقات کی اجازت نہیں ہے۔ دو سپاہی اُن پر نظر رکھنے کے لئے موجود رہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا اگر میں کچھ وقت نکال کر اُن سے مل لیا کروں تو اچھا ہوگا۔

چنانچہ ایک روز میں جناح ہسپتال گئی جہاں پر ہارون مجھے پلیجو صاحب کے کمرے میں لے آئے۔ سپاہیوں سے باہر انتظار کرنے کو کہا اور اس طرح پلیجو صاحب سے میرا تعارف ہوا، سندھ کے مشہور مارکسسٹ دانشور اور ایم آر ڈی میں ان کی جماعت خصوصاً سندھیانی خواتین کا اُن دنوں بہت چرچا تھا اور میں بھی جانتی تھی۔ پیپلز پارٹی، لیفٹ کی سیاست اور وومین ایکشن فورم (WAF) کے حوالے سے وہ مجھ سے بھی واقف تھے لیکن یہ ہماری پہلی باقاعدہ ملاقات تھی۔ پلیجو صاحب متواتر جیل میں رہنے کی وجہ سے کافی کمزور نظر آرہے تھے۔ وہ چادر اوڑھے پلنگ پر لیٹے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی مگر ہارون نے انہیں منع کیا اور کمرے میں جو واحد کرسی رکھی تھی مجھے اُس پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود اپنے مریض دیکھنے باہر چلے گئے۔

ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ واپس آئے تو ہمارے درمیان اتنی باتیں ہو چکی تھیں کہ برسوں کی شناسائی لگتی تھی۔ جب تک پلیجو صاحب ہسپتال میں رہے یہ ملاقاتیں جاری رہیں۔

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو کو سندھ میں عوامی تحریک کے قائد اور ایک مخصوص نظریہ کے حامل سندھی نیشلسٹ کی حیثیت سے تو لوگ انہیں جان گئے تھے۔ ۱۹۸۳ کی تحریکِ بحالی جمہوریت میں عوامی تحریک نے جو منظم اور موثر کردار ادا کیا اس سے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ ان کی جڑیں عوام میں خصوصاً کسانوں میں مضبوط ہیں لیکن رسول بخش پلیجو کے پنجاب کے تاریخی دورے نے انہیں سیاست میں ایک اہم مقام دے دیا۔ اہل پنجاب نے جس والہانہ انداز سے اُن کا استقبال کیا اور یہ محسوس کیا جانے لگا کہ وہ صرف سندھ ہی نہیں بلکہ پاکستان کی سیاست میں اہم کردار ادا کریں گے۔ لیکن ساتھ ہی رجعت پسند قوتوں نے جو کسی بھی دور میں کوئی تبدیلی نہیں چاہتیں اپنی بیان بازی اور مظاہروں کے ذریعے پلیجو صاحب کو ایک متنازعہ شخصیت بنا دیا۔ ایک طبقہ ان کی راست گوئی کی تعریف اور دوسرا شدت سے ان پر تنقید کرنے لگا۔ یہاں تک کہ انہیں پھانسی دینے کا مہذب نعرہ تک لگایا گیا۔

اس پر میرے سوال کہ ”سندھ کی تاریخ کے حوالے سے جو آپ پر پنجاب میں کڑی تنقید کی گئی“ کے جواب میں انہوں نے کہا کہ

”آپ کا اشارہ محمد بن قاسم کی طرف ہے۔ دیکھیے تاریخ میں نے نہیں لکھی۔ چچ نامے کا مورخ میں نہیں تھا۔ اگر ہمیں سالہا سال تک غلط دوا گھول کر پلائی جاتی رہی تو اُس کا اثر فوراً ہی تو نہیں ختم ہو گا۔ لیکن کوئی تو یہ کہنے والا ہو کہ سچ کیا ہے۔ ہمیں جھوٹ کی افیون کیوں پلائی جا رہی ہے۔ سچ ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے۔ اگر آج چار لوگ بھی آپ کی بات سمجھ گئے ہیں تو یہ بات آگے ہی جائے گی۔ ایک صحیح عمل شروع ہو جائے تو وہ پیچھے کی طرف نہیں جا سکتا۔ صرف نشاندہی کرنے کی ضرورت ہے۔ لوگوں میں اتنی صلاحیت ہے کہ وہ خود پرکھ لیں کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے۔

ویسے ہمیشہ سے میرا یہ اصول رہا ہے۔ کہ کسی بات کو اس وقت تک سچ مانو جب تک اس کی سچائی نہ پرکھو اور کسی کی برائی کو اُس وقت تک نہ تسلیم نہ کرو جب تک تمہیں معقول وجہ نظر نہ آئے۔ میرا مطلب ہے کہ ہر چیز کو question کرو ورنہ جھوٹ کے جال جو ہمارے چاروں طرف بنے ہوئے ہیں اُن سے کبھی نہیں نکل پائیں گے۔ رہی قوم پرستی کی بات تو وہ آپ جانتی ہیں کہ کن کے ہاتھوں میں ہے۔“

کردار کشی اور سچ کو جھوٹ ثابت کرنا تو مخصوص گروہ کا تو پیشہ ہے۔ لیکن مجھے خوشی ہے۔ کہ صحیح بات بھی اخباروں نے چھاپی ہے۔ لیکن میں سمجھتی ہوں کہ آج پنجاب میں بھی ہزاروں لوگ

پلیجو کی کہی بات کو صحیح سمجھتے ہیں۔

پھر جب وہ محمد علی سوسائٹی والے گھر چلے گئے جہاں غلام فاطمہ پلیجو رہتی تھیں وہاں بھی میں ان سے ملنے جاتی رہی۔ ہسپتال میں ہی یہ طے ہو گیا تھا کہ سندھیانی تحریک کو ''ویف'' سے قریب لایا جائے اور مشترکہ جدوجہد کی جائے۔ واضح رہے کہ ویف ان دنوں ایک تنظیم نہیں تھی۔ بلکہ خواتین تنظیموں اور انفرادی خواتین کا ایک پلیٹ فارم تھی۔ چنانچہ ویف نے کراچی پریس کلب میں ایک بڑی تقریب کا اہتمام کیا اور سندھیانی تحریک کی کثیر تعداد میں خواتین اس تقریب میں شریک ہوئیں جس میں کئی اہم خواتین بھی تھیں۔ اُن دنوں شہناز راہو سندھیانی تحریک کی صدر تھیں، ان کے ساتھ جیجی زرینہ، مریم، حور النساء پلیجو، غلام فاطمہ پلیجو، اختر بلوچ، ممتاز نظامانی تک شاگرد تحریک میں تھیں۔ کچھ ہی عرصے میں وہ سندھیانی کی ایک اہم لیڈر بن کر میدان میں آگئیں۔ میرے رشتے جو اُس وقت ان سے قائم ہوئے وہ آج تک برقرار ہیں۔ اس تعلق کا سہرا رسول بخش پلیجو ہی کے سر بندھا اور ایک اٹوٹ بندھن بن گیا۔

جب پلیجو صاحب حیدرآباد چلے گئے تو اُن سے ملاقاتیں کم ہو گئیں۔ پھر ایم کیو ایم بن گئی۔ کافی عرصے بعد جب ملاقات ہوئی تو پلیجو صاحب کچھ ناراض سے لگتے تھے۔ مجھے لگا کہ شاید وہ یہ نا سمجھ رہے ہوں کہ سب اردو بولنے والے ایم کیو ایم کے ساتھ ہیں۔ میں نے بھی کچھ صفائی پیش کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ انسان اپنے خیالات، مستقل مزاجی، اصول اور عمل سے پہچانا جاتا ہے۔ پھر کچھ سال پہلے جب میں حیدرآباد ویف کے پروگرام میں گئی جس میں بھورو بھیل کو خراج پیش کرنے کے لئے ایک مشاعرے کا اہتمام کیا گیا۔ پلیجو صاحب ہال میں اندر ہی بیٹھے ہوئے تھے جب میں داخل ہوئی تو انہوں نے کھڑے ہو کر میرا استقبال کیا۔ جو یقیناً اُن کی بڑائی تھی۔ اور کہا ''آپ نے سندھ کے حقوق کے لئے جو کام کیا ہے اس کے لئے ہمیں فخر ہے۔''

08.03.2019

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو: ایک تاریخی شخصیت

پروفیسر عزیز الدین (لاہور)

پاکستان کی سیاست کو جعلی قوم پرستی اور نقلی ترقی پسندی کے لات و منات سے پاک کرنے کی سب سے بڑی اور تاریخی کوشش رسول بخش پلیجو نے کی ہے۔ صفائی کا ہر کام ابھی تک رسول بخش پلیجو صاحب کی جانب سے جاری ہے۔ جس طرح ماضی کے بت شکنوں کو ان کے مخالفین نے گالیوں سے نوازا، اسی طرح رسول بخش پلیجو پر بھی ایک جانب پنجاب کا ایجنٹ تو دوسری جانب نسل پرست ہونے کا الزام لگایا جارہا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی دوسرے اور بھی مختلف الزامات ہیں جو کہ کبھی کبھار ان پر لگائے جاتے ہیں۔

رسول بخش پلیجو کے سیاسی میدان میں داخل ہونے سے قبل سندھ میں قوم پرستی کی اجارہ داری جی ایم سید کے پاس تھی۔ سندھ کے ہر مسئلے پر جی ایم سید کو حرفِ آخر سمجھا گیا۔ اپنی جاگیردارانہ سوچ کی بناء پر جی ایم سید نے عام سندھی لوگوں کو بھیڑ بکریوں اور جانور سے زیادہ حیثیت نہیں دی اور ان کی جانب ان کا رویہ حقارت و ہتک آمیز تھا۔ اس کے باوجود اسے سندھ کا وارث سمجھنا اور کہلوانے کا اصرار تھا۔ جی ایم سید سندھی عوام کو سندھ کے حقوق کی جنگ لڑنے کے قابل نہیں سمجھتا۔ اسے عوام کی قوت اور صلاحیت پر یقین نہیں ہے۔ ان کے خیال میں اگر سندھ کے حقوق حاصل کرنے میں سندھ کی آبادی کا کچھ حصہ کردار ادا کرنے کا اہل ہے تو سندھ کا وڈیرہ طبقہ ہے جس کا لیڈر وہ خود ہے۔ سندھ کا جاگیردار طبقہ، عقل، شعور، سمجھ بوجھ اور لڑائی کی خصلتوں کا مالک ہے۔ اس طبقے کے نمائندے کے طور پر جی ایم سید ہی ایسا شخص ہے جو جیسا چاہے، جس طرح چاہے اور جس بھی طریقے سے مناسب سمجھے سندھ کے جاہل، لاشعور، بے بس اور جدوجہد کرنے میں نااہل سندھی عوام کو ان کے حقوق دلوا سکتا ہے۔ جی ایم سید کو اختیار حاصل ہے کہ وہ

Gul Hayat Institute

چاہے تو حاصلاتِ حقوق کے بہانے سندھی عوام کے بدترین دشمن، آمروں اور مارشل لائی قوتوں سے تعاون کرے۔ چاہے تو پناہ گیروں کے خونخوار ترین ٹولے سے سمجھوتہ کرے۔ یا چاہے تو پنجابی فاشی کا حامی و مددگار بنے۔ کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ جی ایم سید کے فیصلوں پر تنقید کرے۔ خصوصاً کسی سندھی کو یہ حق بلکل نہیں پہنچتا کہ اس ''عقلِ کُل'' کی جانب انگشتِ نمائی کی جرأت کرے۔

جب تک رسول بخش پلیجو نے اس ''عقلِ کُل'' کو چیلنج نہیں کیا تھا جی ایم سید سندھی قوم پرستی کا ٹھیکہ دار بنا ہوا تھا۔ جاگیردارانہ سماج میں عموماً ''عقلِ کُل'' پر بھروسہ کرنا اور عوام کی ذہانت، تخلیقی صلاحیت اور بہادری کے بارے میں حقارت آمیز سلوک اختیار رکھنے والا روّیہ موجود ہوتا ہے۔ یہ روّیہ جاگیردار طبقے کے لوگوں میں تو موجود ہوتا ہے مگر صدیوں پرانی پروپیگنڈا کے نتیجے میں عوام کے ایک حصے پر اثرانداز ہو جاتا ہے اور معاشرتی طور پر یہ ایک مسلمہ حقیقت سمجھی جاتی ہے۔

جی ایم سید کی وڈیرانہ جعلی قوم پرستی کے خلاف رسول بخش پلیجو کی جدوجہد سندھ کی سیاسی تاریخ میں ایک اہم موڑ ہے، یہ جدوجہد پلیجو صاحب نے فکری محاذ پر بھی لڑی ہے اور عملی محاذ پر بھی۔ ایک جانب اس نے سندھ کے قومی حقوق کے حاصلات کے لئے کسی بھی قسم کے سمجھوتے بازی کے بغیر، بے رحمانہ جنگ لڑی اور اس کے لئے کسی بھی ایسی قومیت یا لسانی گروہ کو معاف نہیں کیا، جس پر سندھ کا قرض رہتا ہو، پھر چاہے وہ کتنا بھی تھوڑا کیوں نہ ہو۔ وہ پنجابی اور پناہ گیر کے خلاف بھی لڑا، مگر حساب کتاب کرتے وقت اس نے پختون و بلوچ کو بھی نظرانداز نہیں کیا۔ قرض قرض ہوتا ہے، چاہے وہ تنکے برابر ہی کیوں نہ ہو، اس کی وصولی فوری طور نہیں، تو کئی برسوں بعد کیوں نہ کرنی ہو۔

رسول بخش پلیجو نے ثابت کیا کہ قومی حقوق کو حاصل کرنے کی لڑائی سندھ کے اصل وارث یعنی سندھی عوام کے مختلف حصوں خصوصاً غریب دہقانوں اور مزدوروں کو ساتھ لیکر چلنے کے بغیر فتح سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔ سندھ کا جاگیردار بطور ایک طبقے کے اس قابل نہیں کہ وہ یہ جنگ ثابت قدمی کیساتھ لڑ سکے۔ وہ ایک مظلوم قوم کا فرد ہونے کے باوجود پنجابی و پناہ گیر استحصالی عناصر اور اس سے جڑی ریاستی مشینری کیساتھ منسلک ہے۔ مادرِ وطن سندھ کو فروخت کرنے میں اس نے نہایت گندہ کردار ادا کیا ہے۔ قومی حقوق کی جنگ کو کامیابی کیساتھ ہمکنار کرنے کیلئے، سندھی عوام میں شعور پیدا کرنے، انہیں متحرک کرنا ضروری ہے۔ سندھی عوام کا اتحاد ہی قومی جبر کے خاتمے

Gul Hayat Institute

کی ضمانت بن سکتا ہے۔

رسول بخش پلیجو قومی جبر اور نابرابری/غیر مساوی کے مسئلے کو پاکستان کے اہم ترین تضادات میں شمار کرتا ہے۔ان کے خیال میں یہ ایک ایسا تضاد ہے، جس کی پردہ پوشی کرنا یااس کو کم اہمیت دینے سے معاشرتی تبدیلی کا عمل کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔اس لئے وہ اس ترقی پسندی کو نقلی ترقی پسندی سمجھتا ہے، جو قومی سوال کو ''اگر مگر'' کے چکر میں ڈال کر اسے بھنور میں پھنسائے،اسے غیر اہم قرار دیکر بھلادینا چاہئے۔

رسول بخش پلیجو کی فکری جدوجہد میں پوری سندھی عوام ہی اصل وارث اور اپنی نجات دہندہ ہیں، لیکن کیاوہ نجات اکیلے تن تنہا حاصل کر سکتے ہیں؟پلیجو صاحب کے خیال میں چونکہ قومی جنگ طبقاتی اور سامراج دشمن جنگ سے منسلک ہے، چنانچہ اسے تن تنہا دیگر لڑائیاں ان میں لڑتے ہوئے، فریقین سے ان کو علیحدہ کر کے جیتی نہیں جاسکتی۔ یہ ایک اہم اور فیصلہ کن لڑائی تو ہے، لیکن پھر بھی یہ ایک ایسی لڑائی کا حصہ ہے، جو کہ ایک بڑی جنگِ عظیم کا حصّہ ہے،اس لڑائی کا اثر پوری جنگِ عظیم پر پڑ سکتا ہے، مگر اسے بڑی جنگ کی منصوبہ بندی سے الگ کر کے تنہا خود نہیں لڑا جاسکتا۔

یہ نقطۂِ نظر بین الاقوامیت پسندی کا نقطۂِ نظر ہے،اس لئے پلیجو صاحب سندھ کے قومی حقوق کی جنگ فتح کرنے کیلئے پاکستان میں بسنے والی تمام مظلوم قومیتوں اور مظلوم عوام کے اتحاد کو ضروری اور لازم قرار دیتا ہے۔ وہ نہ صرف سندھی، بلوچ اور پختون اتحاد کی بات کرتے ہیں، بلکہ پنجاب کی مظلوم عوام کیساتھ اتحاد کا بھی علمبر دار ہے۔

پنجاب کے مظلوم عوام کے ساتھ اتحاد...!؟سندھی وڈیرانہ قومپرستی کی نظر میں تو یہ کفر کا کلمہ ہے اور اسے ادا کرنے والا پنجاب کا ایجنٹ ہے ؟

سندھی جاگیر دار تو خود اپنی عوام کو ساتھ لیکر چلنے اور ایک جمہوری تنظیم کی شکل میں اس کی قیادت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے پنجاب کی عوام کے ساتھ اتحاد کرنا تو ایک دوسری مصیبت پیدا کرنی ہوگی اور وہ بھی تب، جب اس اتحاد کی دعوت دینے والا اس کا علمبر دار پلیجو ہے ،ناکہ سید، نہ میر نہ پیر، نہ وڈیرہ نہ جاگیر دار۔آخر اس متوسط طبقے کے اس قانوندان کو یہ جرأت کیسے ہوئی کہ اس نے سندھ کے روایتی جاگیر دار سیاستدانوں کی اجازت اور بغیر مشورے کے، اس کے دلالوں کے اشاروں کی پرواہ کئے بغیر، لاہور، پشاور، کوئٹہ اور کراچی میں سیاست کرتا پھرے؟ یہ تو

Gul Hayat Institute

قیامت قریب کی نشانی ہے !۔ سندھ کے وڈیرے تو جیسے چاہیں سندھ کا سودا کرتے رہیں، انہیں اس بات کا اختیار ہے کیونکہ وہ سندھ کی سرزمین کو اپنی ملکیت سمجھتے ہیں، اپنے باپ دادا کی میراث کیساتھ چاہیں تو سیاہ کریں چاہیں تو سفید۔ مگر سندھ کے کسی متوسط طبقے کے بندے کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ سندھ کے حقوق کے تحفظ کے لئے کسی سے بات چیت کر سکے۔

جی ایم سید کا ٹولہ، رسول بخش پلیجو کو پنجاب کا ایجنٹ صرف سندھ کے لوگوں کے سامنے کہتا ہے، مگر جب اپنے پنجابی جاگیر دار دوستوں، عزیزوں اور رشتہ داروں کیساتھ پلیجو کی شکایت کرنی ہوتی ہے تو وہ اسے پنجاب کا ایجنٹ نہیں بلکہ ''کمیونسٹ'' قرار دیتے رہتے ہیں، کہ وہ (پلیجو) سندھ میں طبقاتی جدوجہد کی بات کرتا ہے اور کسانوں کو جاگیرداروں کے خلاف بھڑکاتا ہے۔

رسول بخش پلیجو کی بین الاقوامیت صرف پاکستان کی مختلف قومیتوں کے مابین اتحاد تک محدود نہیں، وہ اس سے بھی بڑھ کر چاہتا ہے۔ اس کی بین الاقوامیت میں ایشیا، پیسیفک کی اقوام اور ممالک بھی آتے ہیں، اس کے بعد ساری مظلوم دنیا آتی ہے اور اس کے بھی اگلے مرحلے میں پوری دنیا کے انسان آتے ہیں۔

جعلی قوم پرستی کے ساتھ جو دوسرا بت کھڑا کیا گیا تھا وہ تھا نقلی ترقی پسندی کا بت۔ پلیجو صاحب نے اس بت کو توڑنے کا گناہ بھی کیا۔ نقلی ترقی پسندی ایک ایسا روگ تھا جو کہ پاکستان کی ترقی پسند تحریک کو روزِ اوّل سے لگا ہوا تھا۔ سندھ میں اس کا علمبردار نقوی نازشی سندھ دشمن سازشی ٹولہ تھا۔ ''بغل میں چھری، زبان پر رام رام۔'' جس طرح جی ایم سید کے پاس قوم پرستی کی اجارہ داری تھی، اسی طرح ان ''نقالوں'' نے انقلاب کا ٹھیکہ اٹھائے رکھا تھا اور ٹھیکے کے بین الاقوامی لائسنس فریم کروا کر دفتر میں سجائے رکھے تھے۔ وہ بھی عوام سے اتنے ہی دور اور اندر سے اتنے ہی عوام دشمن ہیں، جتنا جی ایم سید۔ جی ایم سید ایک قسم کے برہمن ہیں تو یہ دوسرے قسم کے وشنو کے پجاری ہیں، تو دوسرا کرشن کا پجاری برہمن، لیکن دونوں شودروں اور کم ذات والوں کے ازلی ابدی دشمن اور انہیں حقیر و کمی مخلوق سمجھنے والے ہیں۔

سندھ میں نقلی ترقی پسند بیرونِ ملک سے برآمد کی گئی جنس تھے، جسمانی طرح بھی اور نظریاتی طور پر بھی۔ یہ پناہ گیروں کا ایک ٹولہ جو کہ ثقافتی احساسِ برتری سے مکمل لیس تھا اور انہوں نے مقامی لوگوں کو درآمد کر کے ان پر احسان کرنے کا اس طرح فیصلہ کروایا تھا، جس طرح جی ایم سید نے خدا ترسی کے جذبے کے تحت مقامی بھیڑوں بکریوں کے ریوڑ کو قصابوں کی چھری سے

بچانے کا فیصلہ کیا تھا۔

پاکستان میں وارد ہونے کے بعد پناہ گیروں نے پنجابیوں سے لڑ جھگڑ کے بعد آخر کار ان کے ساتھ تصفیہ کر لیا تھا۔ تھوڑی بہت لڑائی جھگڑے کا عمل تو پھر بھی جاری تھا، لیکن دونوں کے مابین اتحاد بنیادی بات تھی۔ اتحاد اس بات پر تھا کہ ''کھاؤ اور کھانے دو''۔ ہمارے پناہ گیر نقلی ترقی پسندوں نے بھی اس بات ''پناہ گیر + پنجابی گٹھ جوڑ'' کے خلاف کچھ بھی نہ کہنے کا فیصلہ کیا اور اس مقصد کی خاطر دنیا کے ہر مسئلے کا فوری، اصلی اور آخری سبب طبقاتی جدوجہد کو قرار دیا، ان دونوں کے مابین دوسرے کسی سوال، کسی تکلیف، کسی عارضے، کسی جھگڑے کا کوئی بھی وجود نہ تھا۔

''من و خیال تو۔ باخیر و شر چہ کار مرا''

سید کے حوالے تھا جاگیرداروں کا مسئلہ، اور ان کی عوام کے خلاف سازش۔ بات صاف ہو گئی۔ اب آگے بڑھو، طبقاتی سوال پر بحث کرو، اور اسٹڈی ہوئی ختم۔ اس کے بعد کارکنان کا اسکول ہو گا تو اس میں سامراج کے مختلف پہلوؤں سے جتنی لعنتیں ڈلوانا ممکن ہو نگی اتنی مل بیٹھ کر ڈالی جائیں گی، جتنا تبصرہ کرنا ہو گا کیا جائے گا۔ مگر قومی سوال پر کوئی بات نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ یہ عوام سے متصادم ہونے کی بات ہو گی اور یہ مسئلہ طبقاتی ہے ناکہ قومی۔ لیکن اگر کوئی قومیتی مسئلہ ہے بھی (پنجابی تو آخر میں بد معاشی کرتے ہیں) تو اس کا پناہ گیروں سے کیا واسطہ؟ یہ بچارے تو مڈل کلاس کے لوگ ہیں، یہ کسی کو کیوں تکلیف پہنچائیں گے۔ لیکن پھر بھی اگر آپ کو کوئی قومی مسئلہ نظر آتا ہے تو کامریڈ! اس کا حل تو صرف سوشلزم آنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ سرمایہ داری، جاگیرداری نظام میں تو اسکا کوئی حل ہی نہیں۔ آپ سوشلزم لائیں تو یہ مسئلہ خود بخود حل ہو جائیگا۔

یہاں ہمارے پاس پنجاب میں بھی اس طرح کے لوگ موجود تھے، لیکن وہ ایسے چتر کار، ایسے چکر باز اور کالے کوے کو سفید دھاگے کی ڈھیری ثابت کرنے کی اہلیت رکھنے والے نہ تھے۔ ان کی چکر بازی ان کے ماتھے پر تحریر ہوتی تھی وہ واشگاف کہتے تھے کہ قومی مسئلہ کوئی وجود نہیں رکھتا۔ اصل بات صرف طبقاتی مسئلہ اور سامراج کی مخالفت ہے۔

سندھ میں موجودہ نقلی ترقی پسند اپنے ساتھ ایک جانب تو یو پی۔ سی پی کی درباروں میں سے سازش اور ہیرا پھیری کا وسیع تجربہ او ترقی یافتہ ٹیکنالوجی لیکر آئے تھے، یعنی وہ انقلاب کے لائسنس ہولڈر تھے۔ اس لئے ان کی نظریاتی بے ایمانی سے پردہ اٹھانا مشکل کام تھا۔ یہ کام، جو کہ رسول بخش پلیجو نے سر انجام دیا، یہ ایک تاریخ ساز کارنامہ ہے۔ ان دنوں ان لوگوں کا بڑا دبدبہ تھا، اور

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو کی بات ماننے والے کم لوگ تھے۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے اس وقت ان یاروں کے ساتھ کھڑے ہو کر رسول بخش پلیجو صاحب کی مخالفت کی تھی، وہ آج خود بخود پلیجو والی بات کر رہے ہیں۔ سائنسی فکر رکھنے والا شخص دور ہی سے گڑھے کی نشاندہی کرتا ہے۔ جبکہ عام رواجی سوچ رکھنے والا بندہ گڑھے میں گرنے کے بعد ہی اس کے متعلق سوچتا ہے۔

نقلی ترقی پسندی چاہے نقوی نازشی ٹولے کی ہو یا اس کا کوئی پنجابی، پختون برانڈ، وہ ایک طویل عرصے تک پاکستان کی ترقی پسند اور جمہوری تحریک کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ بنا رہا ہے۔ اس نے پنجابی، پناہ گیر شاونزم کو نظریاتی بنیاد فراہم کیا، اسے پھیلایا اور اس طرح مظلوم قومیتوں میں حقیقی ترقی پسندوں کو کمزور کر کے جاگیردارانہ قوم پرستی کو مضبوط کرنے میں اپنا کردار ادا کیا۔

نقلی ترقی پسندی کا باب آج بند ہو رہا ہے۔ پاکستان کی ترقی پسند تحریک میں قومی سوال کو ایک اہم ترین سوال کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن اب ترقی پسند تحریک کو پٹڑی سے اتارنے کا فرض ٹراٹسکی پسند لوگوں نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ قومی سوال کے متعلق ان کا روّیہ پنجابی کہاوت کے مطابق ”ماں سے زیادہ پیار کرنے والی پھوپھی“ جیسا ہے۔ مقصد یہ کہ حقیقت کو اصل سے زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کیا جانا چاہئے۔ لوگوں کے ذہنوں میں غیر حقیقت پسندانہ امیدیں ابھاری جائیں تا کہ تحریک کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے اور تنظیم سے عوام کا اعتماد اٹھ جائے۔ بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک میں پیدا ہونے والے مسائل کو ان کی اصل معنٰی اور مطلب سے ہٹا کر پوری کمیونسٹ تحریک پر الزام ڈالنا بھی ٹراٹسکی سوچ کا ایک اظہار ہے۔ رسول بخش پلیجو کی جانب سے ٹراٹسکی فکر کے خلاف جدوجہد بھی پاکستان کی انقلابی تحریک میں قابل قدر اضافہ ہے۔

رسول بخش پلیجو نے چہار سو جنگ لڑی ہے۔ بیک وقت جاگیردارانہ سوچ کے نمائندوں، سندھو دیشیوں سے، نقلی ترقی پسندوں کے ساتھ اور ٹراٹسکائیوں کیساتھ، اسی لئے وہ ان تمام کی جانب سے ”واجب القتل“ ٹھہرایا گیا ہے۔ ایک جانب پنجابیوں کا ایجنٹ قرار دیا جارہا ہے تو دوسری جانب نسل پرست۔

Gul Hayat Institute

پنجابیوں کا ایجنٹ ہونے والی بات بھی عجیب مضحکہ خیز ہے۔ پلیجو صاحب نے سندھی عوام کو متحرک کرنے کی زبردست کوششیں کی ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے ان لوگوں کو بھی اتحاد کی دعوت دی، جن کے بارے میں ہر کوئی یوں کہتا ہے کہ وہ پلیجو کیساتھ اتحاد میں کبھی بھی نہیں آئیں گے۔ لیکن چونکہ پلیجو صاحب نے سندھی عوام کے اتحاد کو سندھی عوام کے حقوق اور نجات کیلئے

انتہائی ضروری سمجھا، چنانچہ وہ ایسے لوگوں کی دہلیز پر بھی گیا، پنجابی کہاوت کے مطابق "برے کے گھر تک گیا"، حالات اس بات کی تقاضہ کر رہے تھے، سندھی عوام انتشار و گروہ بندی کا شکار ہے۔ اس لئے عوام کا اتحاد ایک ضروری امر بن گیا۔ ایک جانب تبلیغی جماعت، جماعتِ اسلامی، پی پی، جی ایم سید ٹولہ اور ہر چڑھتے سورج کے پجاری وڈیرے سندھی عوام کی ٹانگوں میں خونی جونکوں کی مانند چپکی ہوئی ہیں، تو دوسری جانب سندھ میں آبادی کا تناسب تیزی کے ساتھ سندھیوں کے خلاف تبدیل ہو رہا ہے۔ سندھ کی جانب بیرونی نقلِ مکانی کی یہ صورتحال برقرار رہی تو وہ دن آنے میں دیر نہیں لگے گی جب "خدانہ کرے" سندھی اپنی دھرتی پر اقلیت میں تبدیل ہو جائیں گے۔ ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے پلیجو صاحب نے سندھی قوم کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے کیلئے سنجیدگی کے ساتھ بھرپور کوششیں کیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنے سندھ سے باہر چند اتحادیوں کی تنقید کی بھی پرواہ نہیں کی، اور اس نے سندھی عوام کے اتحاد کے مشن کو جاری رکھا۔ اب وہ لوگ جو پہلے رسول بخش پلیجو کے اتحاد کی وسعت/ پھیلاؤ کے خلاف تھے اور پھر سندھی عوام کے سخت دباؤ کی وجہ سے رسول بخش پلیجو کے جوڑے ہوئے اتحاد میں شامل ہوئے۔ وہ اب پھر سے اسے پنجاب کا ایجنٹ قرار دے رہے ہیں، حالانکہ انہی قوتوں نے آج تک سندھی عوام کے اتحاد میں رکاوٹیں کھڑی کی ہیں اور اسی طرح پنجابی، پناہ گیر حکمراں طبقے کی خدمت گزاری کا کردار ادا کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ پنجاب کا ایجنٹ وہ ہے جو پنجاب کے حکمراں طبقوں کی شان کے قصیدے گا رہا ہے اور سندھی اتحاد میں روڑے اٹکا رہا ہے؟ پنجاب کا ایجنٹ ہونے کا مطلب کیا ہے؟ کیا کسی ملک گیر پارٹی میں شامل ہونے سے کوئی سندھی شودر یا پلیت بن جاتا ہے اور پنجاب کا ایجنٹ ہو جاتا ہے؟ ہمارے وہ پاک دامن سندھی بزرگ جو آج پلیجو کو پنجاب کا ایجنٹ اس لئے قرار دے رہے ہیں کہ وہ عوامی نیشنل پارٹی کا سیکریٹری جنرل ہے۔ تو کیا وہ برسہا برس پاکستان لیول کی پارٹیوں مسلم لیگ وغیرہ میں شامل نہیں رہے ہیں؟ اور آج بھی ان میں شامل نہیں ہیں؟ کیا۔۔۔! جب بھٹو کو پنجابی جرنیلوں اور ججوں کی ملی بھگت سے پھانسی دی گئی تو اس وقت ان کے اس ظالمانہ بیہودہ اور خطرناک فعل کی تعریف میں یہ بزرگین سب سے آگے پیش پیش نہیں تھے؟ اس کے بعد جب پنجاب کے بدترین ٹولے کی نمائندگی کرتے ہوئے جنرل ضیاء اقتدار پر قابض ہوا تو سندھیوں کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھا گیا۔ 1983ء کی جمہوری تحریک کے دوران سندھیوں کے ساتھ وہ کونسا ظلم تھا جو نہیں کیا گیا؟ دیہاتی سندھی آبادی پر فوجی ایکشن ہوا، ہزاروں سندھیوں کو گرفتار کیا گیا،

بیگناہ قتل ہونے والوں اور ٹارچر سیلوں میں اذیت ناک موت مرنے والوں کی تعداد میں نئے ریکارڈ قائم ہوئے۔ پنجاب کے ظالم عوام دشمن اور بد ترین گروہ کی نمائندگی کرنے والے ظالم ترین شخص (ضیاء) کی تعریف میں زمین و آسمان کس نے ایک کر دیئے؟ کس نے اس نام نہاد شرافت کی تعریفیں کیں؟ مارشل لاء کے اس قہری زمانے میں کون زیرِ عتاب رہا اور کس پر ابرِ رحمت کی بارش ہوتی رہی؟

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ پیپلز پارٹی بھی پنجاب کی نمائندہ تھی اور ہے، لیکن بھٹو کے زمانے میں بھی رسول بخش پلیجو زیرِ عتاب تھا اور آج بھی ہے، جبکہ ہمارے جی ایم سید کے ہم پیالہ و ہم نوالہ پاکباز وڈیرے پی پی کے بھٹو دور میں بھی سرکار اور اسمبلیوں میں موجیں کرتے رہے تو پی پی کے بینظیر زمانے میں بھی موجیں اڑاتے رہے ہیں۔ جی ایم سید کے مداح اور پیر و کار وڈیروں نے اقتدار کی کس کس دہلیز پر سجدہ نہیں کیا؟ اس لحاظ سے وہ پنجابی جاگیرداروں سے کسی طور بھی کم نہیں ہیں۔

درحقیقت کسی ملک گیر پارٹی میں شامل ہونا اصل سوال نہیں، یہ گناہ کس نے نہیں کیا؟ اصل سوال یہ ہے کہ آپ کونسے پروگرام والی پارٹی میں شامل ہو کر اس کے ساتھ چلتے ہیں؟ کیا پلیجو نے جماعتِ اسلامی اور مسلم لیگ کیساتھ اتحاد کیا ہے؟ عوامی نیشنل پارٹی جس کا وہ جنرل سیکریٹری ہے، ایسی ترقی پسند جماعت ہے، جس میں مظلوم قومیتوں کے جانے مانے رہنماء اہم عہدوں پر فائز ہیں، جسکا پروگرام قومی جبر اور غیر مساویت کی شدت سے انحرافی کرتے ہوئے ایسے اقدامات تجویز کرتا ہے جس سے قومی جبر کا خاتمہ ممکن ہو سکے۔

عوامی نیشنل پارٹی میں پنجابی بھی موجود ہیں، لیکن ہر صوبے کی برابری کی بنیاد پر نمائندگی کی وجہ سے وہ اس میں مجموعی طرح اقلیت میں ہیں۔ اے این پی میں شامل پنجابیوں نے خود اپنے صوبے کے سرائیکی اور پنجابی کی بنیاد پر تقسیم کو رضاکارانہ طور پر نہ صرف تسلیم کیا ہے بلکہ روزِ اوّل سے ہی مظلوم سرائیکی قومیت کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کی ہے۔

رسول بخش پلیجو کو پنجاب کا ایجنٹ قرار دینے والے پاکباز بزرگوں کو پنجابی جرنیل اور جاگیردار تو قبول ہیں، مگر انہیں پنجابی محنت کش اسی طرح قبول نہیں جس طرح سندھی محنت کش اور کسان۔

اگر پنجاب کے اندر ایک گروپ سندھیوں کے حقوق کی حمایت کرتا ہے تو سندھی لیڈران کو وہ حمایت قبول کرنی چاہئے تھی اور جس شخص نے اس حمایت کو لینے کی کوشش کی ہے تو انہیں اس کا

ساتھ دینا چاہئے تھا، اور اس کی دانشمندی کی تعریف کرنی چاہئے تھی۔ لیکن سندھی وڈیرا شاہی کے لئے یہ انا کا مسئلہ ہے کہ کوئی متوسط طبقے کا لیڈر ایسی سیاست کرنے میں کامیاب ہو۔ دراصل ہمارے پاکباز سندھی بزرگین یہ نہیں چاہتے کہ سندھ سے مڈل اور محنت کش طبقے کی قیادت ابھرے اور پورے ملک میں اعتماد بحال ہو اور سندھی وڈیرہ شاہی اپنی پرانی اجارہ داری اور گدی نشینی سے محروم ہو جائے۔

خود پنجاب میں بھی وہ لوگ جو رسول بخش پلیجو صاحب کے نقطۂ نظر کی حمایت کرتے ہیں ، اور سندھیوں کے خلاف ہونے والے جبر اور ظلم کی مخالفت اور مذمّت کرتے ہیں اور پنجاب میں سندھ کے خلاف ہونے والی پروپیگنڈہ کا جواب دیتے ہیں، انہیں جی ایم سید کے (پنجابی) طبقاتی بھائی بند ''سندھ کا ایجنٹ'' قرار دیتے ہیں۔ دونوں اطراف وڈیروں کو ایک سی تکلیف ہے۔ چنانچہ وہ شکایات بھی اسی قسم کی کرتے ہیں۔

رسول بخش پلیجو صاحب کو آج تک جن مغلضات سے نوازا گیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ نسل پرست ہے، دلچسپ امر یہ ہے کہ ایسا الزام لگانے والے وہ لوگ ہیں جن میں خود نسل پرستی کے واضح رجحانات موجود ہیں۔

دراصل نسل پرستی ہے کیا؟

نسل پرستی کی جو تعریف و تشریح آج تک کی گئی ہے وہ یہ کہ نسل پرستی سے مراد کسی خاص نسل خصوصاً اپنی نسل کو دیگر انسان ذات سے بہتر اور بالا سمجھنا۔ اس معنٰی میں ہٹلر اور اس کی نازی پارٹی نسل پرست تھے کیونکہ وہ جرمن آریائی نسل کو جس سے خود ان کا تعلق تھا دیگر انسان ذات سے زیادہ ذہین، صحتمند، تخلیقی صلاحیتوں کا مالک اور مختصراً یہ کہ دیگر انسانوں سے بہتر اور بالاتر سمجھتے تھے۔ اس معنٰی میں جنوبی افریقہ کی گوری حکومت اور اس کی سیاسی جماعت نسل پرست ہیں، کیونکہ وہ گوروں کو کالوں اور گندمی رنگت والے انسانوں سے خود کو بہتر اور بالاتر سمجھتے ہیں۔ وہ صرف گوروں کو ہی حکومت کرنے کا اہل سمجھتے ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ آج تک جتنے بھی نسل پرست لوگ یا جماعتیں وجود میں آئی ہیں وہ سب کی سب بالادست قوموں سے تعلق رکھتی ہیں۔ جنوبی افریقہ کی اقلیتی گوری سرکار کو بھی سیاہ فام اکثریت پر بالادستی اور آمریت قائم ہے۔

نسل پرستی دراصل بالادست قوم کا نظریاتی ہتھیار ہے۔ جس کے ذریعے وہ اپنے ہم قوم لوگوں کو حکمرانی کا جواز فراہم کرتی ہے، اور ان میں پیدا ہونے والے احساس جرم کو دور کرتی ہے،

اور انہیں یقین دلاتی ہے کہ ان کی ناجائز بالادستی فطری قوانین کے عین مطابق ہے۔ اس طرح بالادست قوم، محکوم قوم کو جدوجہد کرنے سے روکنے، احساسِ شکست پیدا کرنے اور انہیں رضائے الٰہی پر راضی رکھنے کے لئے نسل پرستی کے ذریعے نظریاتی زنجیر پہناتی ہے۔ نسل پرست بالادست قوموں کے دانشوران، مظلوم قوموں کو مختلف حربوں سے حقارت و تذلیل کا نشانہ بناتے ہیں۔ محکوم قوموں کی زبان، ثقافت، تہذیبی خاصیتیں سب مذاق کا نشانہ بنتی ہیں۔ نسل پرست بالادست قوم کے دانشوران، اپنی زبان، ثقافت اور تہذیبی خصوصیات کو بڑھا چڑھا کر اور رنگ و روغن لگا کر خوبصورت بنا کر پیش کرتے ہیں، تاکہ مظلوم قوموں پر ان کا رعب و دبدبہ جم سکے۔

اس پس منظر میں دیکھا جائے تو پاکستان میں صرف اردو بولنے والا اقلیتی لسانی گروہ ہی ملک کی آبادی کا ایک ایسا حصہ ہے جس میں نسل پرستی کی واضح خصوصیات موجود ہیں۔ یہ گروہ اردو زبان اور دہلی و لکھنوی کی زوال پذیر درباری ثقافت کو انسانی تہذیبی ارتقاء کی اعلیٰ منزل قرار دیتا ہے اور اس کا روّیہ پاکستان کی اصل وارث قوموں/ قومیتوں کی زبانوں، ثقافتوں اور تہذیبی خصوصیات کی جانب نہایت ہتک آمیز اور حقارت آمیز ہے۔

رسول بخش پلیجو سندھی زبان، ثقافت اور تہذیبی خصوصیات کو باقی دنیا کی زبانوں، ثقافتوں اور تہذیبی خصوصیات سے اعلیٰ نہیں سمجھتے، مگر انہیں ان کے مقابلے میں کم تسلیم کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں۔ اپنی زبان سے پیار کرنا، اپنے اعلیٰ ادبی شاہکاروں کا دنیا کے اعلیٰ ادبی شاہکاروں کیساتھ موازنہ کرنا اور انہیں عالمی ادب میں جائز مقام دلانے کو کسی بھی طور پر نسل پرستی نہیں کہا جاسکتا۔ نسل پرستی تو اس وقت وجود میں آتی ہے جب تعصب کی عینک چڑھا کر دوسری دنیا کو خود سے کمتر سمجھا جائے اور اس کی بیعزتی کی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں بسنے والی مختلف اقوام کی نہ صرف اپنی اپنی مخصوص تاریخ ہے بلکہ ان قوموں کی مخصوص جغرافیائی حالات کے اندر رہتے ہوئے تربیت ہوئی ہے۔ تاریخ و جغرافیائی دونوں اثرات ان کی اجتماع کردار کی بناوٹ پر پڑتا ہے اور وہ خصوصیات جنم لیتی ہیں جنہیں ہم قومی خصوصیات کہتے ہیں۔

یہ خصوصیات سینکڑوں برس کے ارتقائی مراحل کے نتیجے میں جڑ کر تیار ہوتی ہیں۔ وہ تبدیل نہ ہونے جیسی تو ہوتی ہیں، لیکن انہیں تبدیل کرنے کے لئے طویل عرصہ درکار ہوتا ہے۔ جرمن قوم بحیثیت ایک قوم کے اتنی تو محنتی ہے کہ اسے ”کام کے نشے میں مبتلا“ قوم کہا جاتا ہے، جبکہ ان

کے مقابلے ہیں انگریز قوم باوجود اس حقیقت کے کہ ''صنعتی انقلاب'' وہی لائے، مگر واضح طور پر جرمنوں سے محنت اور مشقت میں بہت پیچھے ہیں، دوسری بات کہ ہر قوم کی قومی خصوصیات کے ساتھ کچھ باتیں اچھی اور قابل تعریف ہوتی ہیں تو کچھ خراب و قابلِ تنقید بھی۔

جب رسول بخش پلیجو صاحب پناہ گیروں کی نفسیات میں موجود کچھ خراب اور غلط خصوصیات کی نشاندہی کرتے ہیں تو وہ کوئی گناہ نہیں کرتے۔ سندھیوں، پنجابیوں، بلوچوں، پشتونوں اور سرائیکیوں سمیت سب کا یہی حال ہے۔ ان میں اچھائیاں بھی ہیں اور برائیاں بھی۔ ان سب کو ماضی سے کچھ ملا ہے وہ تمام کا تمام نہ اچھا ہے اور نہ ہی اس قابل کہ اسے سوائے کسی تبدیلی کے جوں کا توں ہی رہنے دیا جائے۔

لیکن آج کی حقیقت یہ ہے کہ پناہ گیروں کی منفی اور بری خصوصیات نے سندھیوں کے لئے بہت بڑی مشکلاتیں/دشواریاں پیدا کی ہیں اور ان کا جینا محال کر دیا ہے، اس لئے پناہ گیر منفی و خراب اور عوام دشمن خصوصیات پر تنقید کرنا اور ان کا مقابلہ کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ پناہ گیر منفی خصوصیات اور مظلوم سندھی قوم کی منفی خصوصیات ایک جیسی نہیں ہیں۔ نسل پرستی یہ نہیں کہ آپ دنیا کی مختلف قوموں یا لسانی گروہوں کی منفی اور خراب خصوصیات کی نشاندہی کریں ۔بلکہ نسل پرستی یہ ہے کہ ان میں موجود مثبت اور اچھے پہلوؤں اور خصوصیات سے مکمل انکاری ہوں، اور خود اپنی قوم یا گروہ میں ہر چیز اور خصوصیت کو اچھا اور بہتر سمجھنے لگیں اور اس میں کسی بھی قسم کی برائی، خرابی، کمزوری یا نقص کو تسلیم کرنے سے انکار کریں۔ مصیبت یہ ہے کہ ہمارے اردو بولنے والے بھائیوں میں خود تنقیدی نہ کرنے کی بری خصوصیت تمام اتم درجے میں موجود ہے، جس نے صورتحال کو خراب کیا ہے اور مزید خراب کرنے کے قوی امکانات موجود ہیں۔

مندرجہ بالا تجزیئے سے یہ بات بلکل مکمل طور پر واضح ہو رہی ہے کہ رسول بخش پلیجو صاحب پر ''پنجاب کا ایجنٹ'' اور ''نسل پرست'' ہونے کا الزام بلکل غلط، بوگس اور بے بنیاد ہے۔ رسول بخش پلیجو صاحب ایک ایسے جمہوریت پسند، انقلابی شخصیت ہیں جن سے جعلی اور وڈیرانہ قومپرست، نقلی ترقی پسند، ٹراٹسکائی، نسل پرست اور ثقافتی برتری کی دلدل میں پھنسے گروہ ،لوگ، ٹولے اور پارٹیاں خوفزدہ ہیں۔

(پلیجو صاحب کی سالگرہ پر لکھا گیا۔)

Gul Hayat Institute

سائیں رسول بخش پلیجو سے کیا ہوا ایک وعدہ جو وفا نہ ہو سکا۔ (چند یادداشتیں)

اسلم رسولپوری (راجن پور)

"آپ کو سندھ کا ایک انچ بھی نہیں دے سکتا" یہ کہتے ہوئے رسول بخش پلیجو صوفے پر اٹھ کر سیدھے بیٹھ گئے۔ یہ وسط مارچ 1975ء کا واقعہ ہے۔ جب ملتان میں 3 روزہ سرائیکی کانفرنس ہو رہی تھی۔ رسول بخش پلیجو بھی اس میں شرکت کے لیئے آئے ہوئے تھے۔ وہ سرائیکی رسم الخط کمیٹی (جس کا میں سب سے جونیئر ممبر تھا) کے اجلاس میں شریک ہوئے۔ اور سندھی رسم الخط اپنانے کی درخواست کی۔ چونکہ وہ رسم الخط کمیٹی کے باقائدہ ممبر نہ تھے۔ اس لیئے انہوں نے فیصلے کے وقت ووٹ نہ دیا۔ جبکہ ان کے بجائے عطاء محمد حامی نے ووٹ دیا جو سندھی رسم الخط اپنانے کی حمایت میں تھا۔

رسم الخط کمیٹی کے وقفے کے دوران ہم منصور کریم سیال کی کوٹھی پر چائے پینے کے لیئے چلے گئے جن میں رسول بخش پلیجو، بئرسٹر تاج محمد لانگاہ، راقم الحروف اور کئی دوسرے دوست شامل تھے۔ وہاں سرائیکی اور سرائیکی کے مجوزہ صوبے کے بارے میں بات چیت ہوئی۔ اس بات چیت کے دوران کسی دوست نے کہا کے اوباوڑو کا علاقہ بھی سرائیکی صوبے کی حدود میں آتا ہے۔ جس پر پلیجو صاحب نے مندرجہ بالا بات کہی۔ پلیجو صاحب کے سخت رویے کو دیکھ کر کسی شخص نے اس پر مزید بات نہ کی اور گفتگو کا رخ دوسری طرف مڑ گیا۔

پلیجو صاحب سے یہ میری پہلی ملاقات تھی بعد میں نذیر لغاری کے ذریعے ان سے کراچی میں کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ اور پھر ان کے محبت آمیز اور دوستانہ رویے سے مجھے ان سے ایک انسیت ہو گئی۔ اس کے علاوہ ان کی علمی قابلیت، سیاسی نظریہ، بے باک اور پر جوش گفتگو نے مجھے اسیر کر

Gul Hayat Institute

لیا۔ وہ ایک نابغہ شخصیت تھے جو تاریخ میں کبھی کبھی پیدا ہوتی ہیں۔

کراچی میں ایک ملاقات ان کے مکان پر بھی ہوئی، برامدے میں بہت سے کارکن بیٹھے تھے،ان میں فاضل راہو صاحب بھی تھے۔ فاضل راہو صاحب سے یہ میری پہلی ملاقات تھی بعد میں پلیجو صاحب باہر آئے،ان سے علیک سلیک ہوئی،انہوں نے مجھے پہچان لیااور خیریت دریافت کی بعد میں زیادہ بات چیت پلیجو صاحب اور راہو صاحب کے درمیان ہوئی جو تحریک کے تنظیمی امور کے بارے میں تھی۔ اس دن مجھے اندازہ ہوا کے پلیجو صاحب ڈسیپلین کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ان کا خیال تھا کہ انسانے میں اپنے سیاسی تجربے میں جو سب سے اہم چیز سیکھی ہے وہ ڈسیپلین ہے۔

پلیجو صاحب سے دوسری ملاقات بھی ان کی جگہ پر کراچی میں ہوئی،نذیر لغاری صاحب بھی ساتھ تھے۔اس روز بینظیر بھٹو نے پلیجو صاحب کی رہائی کے سلسلے میں ایک کھانادے رکھا تھا۔ پلیجو صاحب نذیر لغاری اور مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ اس کھانے میں بڑے بڑے سیاسی رہنما شریک تھے۔ جن میں ممتاز بھٹو بھی شامل تھے۔اس کھانے میں مختصر وقت کے لیئے بینظیر سے میری بات چیت بھی ہوئی۔ اس کے بعد ایک بار پھر ایک سندھی دوست کے ساتھ میری ملاقات پلیجو صاحب سے حیدر آباد میں ان کے مکان پر ہوئی۔ وہ قدرے علیل تھے اور مکان کے پچھواڑے میں گراسی پلاٹ میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ ہم انہیں وہاں جا کر ملے۔ وہ ہمارے ساتھ واپس آکر کرسی پر بیٹھ گئے۔ میں جب بھی ان سے ملا انہوں نے عام طور پر میرے اہل خانہ کی خیریت دریافت کی۔ ایک بار انہوں نے مجھ سے پوچھا کے آپ کے سیاسی کام کے بارے میں آپ کی بیگم صاحبہ کا کیا رویا ہے۔ میں نے انہیں بتایا کہ رکاوٹ نہیں ڈالتیں۔ پھر پلیجو صاحب نے کہا کے مجھے اور آپکو سیاسی کام اپنے گھر سے شروع کرنا چاہیئے۔ اگر آپ کے گھر والے آپ کے کام کی اہمیت نہیں سمجھتے اور آپ سے اتفاق نہیں کرتے تو پھر ہر بار سیاسی کام پر جانے اور واپس آنے پر پوچھ گچھ ہو سکتی ہے۔ جس میں تلخی بھی ہو سکتی ہے۔ اس لیئے اپنے سیاسی کام میں اپنے گھر والوں کی رضامندی کو شامل رکھنا چاہیئے۔ میں نے پلیجو صاحب کی اس ہدایت کو گانٹھ میں باندھ رکھا ہے۔اس کے علاوہ ان سے ایک اور ملاقات بھی حیدر آباد میں ہوئی وہاں ہیومن رائیٹس کمیشن آف پاکستان کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ جس میں بطور ممبر مدعو تھا۔ وہاں پلیجو صاحب بھی موجود تھے یا بعد میں آئے۔ میں نے انہیں نہ دیکھا۔ میں پہلی صف میں راحت سعید کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ چائے کے وقفے کے دوران ہم باہر

Gul Hayat Institute

جانے لگے تو میری نظر پلیجو صاحب پر پڑی وہ دروازے کے ساتھ دوسری نشست پر بیٹھے ہوئے تھے۔انہوں نے مجھے پہچان لیااور اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے ان سے ہاتھ ملایاتوانہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیااور مجھے اپنے ساتھ باہر لے گئے۔ اور ہم دوسرے لوگوں سے الگ ایک جگہ پر جاکر کھڑے ہوگئے۔ پلیجو صاحب نے مجھے کہاکہ تم ان مہاجروں کے ہاتھ کیسے آ گئے۔ ان لوگوں نے عاصمہ جہانگیر کوجوایک شریف اور سادہ خاتون ہے جس کواپنے گھیرے میں لے رکھاہے۔ان کا اشارہ شاید آئی اے رحمان اور حسین نقی کی طرف تھا۔ میں نے اپنی ناسمجھی کا اظہار کیا تو وہ مسکرادیئے اور کہاکہ سوچ سمجھ کر اور حالات کاادراک کر کے قدم اٹھاناچاہیئے۔اس کے بعد ہم چائے پینے کے لیئے میز کی طرف چلے گئے اور وہاں بھی اپنی گفتگو جاری رکھی۔ پلیجو صاحب سے ایک اور ملاقات جناح ہسپتال کراچی میں ہوئی۔ پلیجو صاحب اس وقت کھانا کھارہے تھے۔انہوں نے مجھے بتایاکہ سرائیکی علاقے کادوراکرناچاہتاہوں میں آپ کے پاس بھی آؤنگالیکن اس سے پہلے ایک وفد بھیجونگاجو مجھے صورتحال کی رپورٹ دے گا۔اور جب وہ وفد آئے گاتو میرے بارے میں بتائے گا۔ کہ انہوں نے ہمیں بھیجاہےاوراس کاثبوت یہ ہے کہ آپ جب انہیں جناح ہسپتال میں ملے تھےتووہ کھاناکھارہے تھےاوران کی پلیٹ میں ایک مرغ پیس بھی رکھاہوا تھا۔اس کے کچھ دن بعد 1988ء میں ایک روز صبح 5 بجے میرے گھر کادروازاکھٹکھٹایاگیامیں باہر گیاتوایک مرددوبچےایک بچی کھڑے تھے۔ مرد نے مجھ سے ہاتھ ملایااور کہامیرانام خادم ٹالپرہے۔ ہمیں پلیجو صاحب نے بھیجاہے جس کاانہوں نے جناح ہسپتال میں آپ سے وعدہ کیاتھاجب وہ کھاناکھارہے تھےاوراس کی پلیٹ میں ایک مرغ پیس بھی رکھاہواتھا۔ پھرمیں انہیں اپنی بیٹھک پرلے آیاان میں ایک زاہدہ جمالی (بدین والی) تھی۔ دوسرے منصور بھنڈ اور تیسرے غفار کھوسو صاحب تھے۔ وہ کئی دن میرے پاس رہے۔میں نے انہیں جام پور،بنگلہ کورائی (محمد پور)اور ملتان میں لوگوں سے ملایااور میٹنگس کیں۔بنگلہ کورائی میں ایک بڑے مجمعے میں زاہدہ نے کمال کی تقریر کی۔اس طرح اس نے زمان جعفری کے مکان میں بھرپورانداز میں سیاسی حالات کاتجزیاکیاجس پروہاں کے لوگ ششدر تھے۔ملتان میں ہم نے ملتان قلعے کی سیر کی وہاں خادم ٹالپرنے فوٹوگرافی بھی کی اور قلعے پرسے شہر کامنظر دیکھاجوبیحد شاندار تھااور جس کی کمال تصویریں بنائی گئیں۔اس وفد کے دورے کے بعد جب میں کراچی گیااور نذیر لغاری سے ملاتوانہوں نے بتایاکہ خادم ٹالپرنے آپ کے علاقے کے دورے کی رپورٹ دے دی ہے جو میں آپ کو سنانے کے لئے کسی نہ کسی طرح سے اٹھالایاہوں۔

کار میں بیٹھے بیٹھے اس نے رپورٹ کے کچھ حصے سنائے جو بڑے تفصیلی تھے۔ حتیٰ کے جام پور میں کھسوں (جوتوں) کی خریداری اور شہر میں شہد کی مکھیوں کی لوگوں پر یلغار اور بھگدڑ کا منظر نامہ بھی خوبصورتی سے دکھایا گیا تھا۔

اس کے بعد جیسا کہ مجھے یاد پڑتا ہے خود پلیجو صاحب نے 5 مارچ 1989ء کو سرائیکی علاقے کا دورا کیا جس کی پہلے سے مجھے اطلاع دے دی گئی تھی۔ اس سلسلے میں وہ سب سے پہلے جام پور میں میرے چیمبر میں آئے۔ انہوں نے وہاں پریس کانفرنس کی اور صحافیوں کے سوالات کے جوابات دیئے بعدازاں انہوں نے بار ایسوسیئیشن جام پور سے خطاب کیا، بارروم کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ وکلاءَ کے علاوہ صحافی، سیاسی کارکن اور کئی دوسرے افراد بھی موجود تھے۔ پلیجو صاحب خطاب کے لیئے کھڑے ہوئے تو انہوں نے Worthy President ہی کہا تھا کہ بہت سے وکلاءِ پکار اٹھے سر اردو میں خطاب فرمائیں۔ پلیجو صاحب نے ان کی طرف دیکھا تھوڑا سا مسکرائے اور پھر اردو میں تقریر کی وہ اردو بڑی شستہ انداز میں روانی سے بول رہے تھے۔ ان کی اردو پر سندھی لہجے کا کوئی اثر دکھائی نہیں دے رہا تھا، جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں تفصیلی طور پر ملک اور بین الاقوامی صورتحال کا تجزیہ کیا جس میں سندھ کی صورتحال پر واضع مؤقف لیا گیا، جو عام طور پر سندھی عوامی تحریک کا ہوتا ہے۔ اس کے بعد میرے چیمبر کے باہر پلیجو صاحب کا بار کے صدر میاں ریاض حسین اور دوسرے کچھ وکلاءَ کے گروپ سے فوٹو بنایا گیا۔ اس کے بعد طئے شدہ پروگرام کے مطابق فاضل پور گئے وہاں جمیل دریشک نے اپنی بیٹھک پر بہت سے دوستوں کے ساتھ پلیجو صاحب کی ملاقات اور خطاب کا انتظام کرر کھا تھا۔ فاضل پور شہر میں داخل ہونے سے پہلے سیاسی کارکنوں نے قافلے کی شکل میں پلیجو صاحب کا استقبال کیا۔ انہوں نے سندھی عوامی تحریک کے جھنڈے اور بینر اٹھار کھے تھے۔ اور پلیجو صاحب اور تحریک کے حق میں نعرے لگا رہے تھے۔

پلیجو صاحب نے اپنی گفتگو میں سرائیکی علاقے کی صورتحال پر گفتگو کی اور باقائدہ تنظیم میں رہ کر کام کرنے پر زور دیا۔ فاضل پور کے پروگرام سے فارغ ہو کر ہم کوٹ مٹھن گئے۔ وہاں بھی شہر سے باہر اور خواجہ فرید کی دربار پر بھی لوگوں نے پلیجو صاحب کا استقبال کیا۔ پلیجو صاحب نے دربار کے اندر جا کر خواجہ فرید کے مزار پر فاتحہ پڑھی میں اور دوسرے دوست بھی شامل تھے، کچھ لوگوں نے وہاں بھی پلیجو صاحب کے فوٹو بنائے اس کے بعد پلیجو صاحب اپنے پروگرام کے مطابق آگے چلے گئے اور میں اپنے گھر رسول پور آگیا۔

Gul Hayat Institute

فاضل راہو صاحب کی پہلی برسی پر پلیجو صاحب کی خواہش پر میں ان کے گاؤں گیا وہاں حیران کن طور پر ایک بڑا مجمعہ تھا۔ جس میں بیشمار مرد اور خواتین پیدل چل کر آئے تھے۔ پروفیسر عزیزالدین بھی لاہور سے آئے ہوئے تھے۔ وہ یہ سارا منظر دیکھ کر ششدر تھے انہوں نے پلیجو صاحب سے پوچھا کہ اتنا بڑا اور شاندار انتظام کیسے ممکن ہوا ہے۔ پلیجو صاحب کا جواب تھا کہ یہ سب تنظیم کا کمال ہے اور پورا مجمعہ واقعی بیحد منظم انداز میں پورے پروگرام کو چلاتا رہا۔

پھر ایک بار پلیجو صاحب ملتان آئے انہوں نے مجھے بھی وہاں آنے کو کہا میں نے اپنے دوستوں کے ساتھ ایئرپورٹ پر ان کے دوستوں کا استقبال کیا وہ وہاں اپنے کسی دوست سے ملنے آئے تھے۔ میں ان کے ساتھ نہیں گیا البتہ شام کو تاج لانگاہ نے ان کے اعزاز میں ایک پروگرام مرتب کیا، میں پارٹی کارکن ہونے کی وجہ سے معزز مہمان کے ساتھ پروگرام میں شامل تھا۔ پلیجو صاحب نے اپنی استقبالیہ تقریر کے جواب میں مختصر گفتگو کی اور سرائیکی وسیب کے ساتھ اپنی جڑت کا یقین دلایا۔

ضیاءُالحق کے تاریک دوَر میں سرائیکی کے ہمدردوں کو ملک کا دشمن اور بھارتی ایجنٹ کہا جاتا تھا۔ ان دنوں سرائیکی سے ہمدردی رکھنے والے سیاسی کارکنوں نے سرائیکی صوبہ محاذ تشکیل دیا۔ جن میں تاج محمد لانگاہ، قاری نورالحق قریشی، سیٹھ عبیدالرحمٰن، افضل مسعود، ولایت حسین گردیزی، زمان جعفری اور کئی دوسرے لوگ شامل تھے۔ میں بعد میں اس میں شامل ہوا اور کلچرل سیکریٹری بنادیا گیا۔ ان ایام میں پلیجو صاحب سے میری ملاقات ہوئی کہ آپ اپنے ہم خیال دوستوں کے ساتھ مل کر ایک الگ سرائیکی جمہوری پارٹی بنائیں۔ میں نے پلیجو صاحب سے کہا کہ میں اگرچہ خود میں اس کی سکت نہیں بھاتا لیکن پھر بھی غور کرونگا کچھ دنوں بعد ضیاءُالحق کے ہونے والے حادثے کے بعد ملک میں جمہوریت واپس آئی تو تاج لانگاہ، رشید قمرانی، افضل مسعود، قاری نورالحق قریشی وغیرہ کے اسرار پر ہم نے مل کر اپنی پارٹی پاکستان سرائیکی پارٹی بنائی اور میں اس کا نائب صدر مقرر ہوا اور میں دوستوں کے دباؤ اور اپنے خوف کی وجہ سے پلیجو صاحب کی ہدایت کے مطابق اپنی الگ پارٹی نہ بنا سکا بلکہ اسی کو غنیمت سمجھا۔ اس کے بعد بھی پلیجو صاحب سے میرے دوستانہ مراسم قائم رہے اور انہوں نے کبھی اسکی شکایت بھی نہ کی تاہم مجھے تادم تحریر اس بات کا دکھ ہے کہ میں پلیجو صاحب سے کیا ہوا وعدہ پورا نہ کر سکا۔

Gul Hayat Institute

یادیں، رسول بخش پلیجو کی

یوسف نسقندی

رسول بخش پلیجو سے میری جان پہچان بہت پرانی ہے۔ وہ کوئی اتفاقیہ بھی نہ تھی۔ 1969ء میں جی ایم سید نے سندھ متحدہ محاذ کی دعوت پر شیخ مجیب الرحمان کو مدعو کیا تھا، پرل انٹر کانٹی ننٹل ہوٹل میں منعقدہ اس دعوت میں جی ایم سید نے ایوب کھوہڑو کو بھی مدعو کیا تھا جنہیں ان دنوں سندھ کا مجرم سمجھا جاتا تھا، اس بات پر سندھ وطن دوست قومی کارکنان اور جی ایم سید کے مابین سخت اختلاف کی بناء پر بائیکاٹ کر کے نکل گئے۔ اس وقت مجھے اقبال جتوئی اور نذیر چنا نے بتایا کہ رسول بخش پلیجو سندھی عوام کیلئے کام کرنا چاہتا ہے۔ کہو تو ان سے ملتے ہیں اور ہم گراؤنڈ ہوٹل کراچی میں آکر پلیجو صاحب سے ملے، وہ ملاقات مختصر سی تھی۔

قادر بخش نظامانی، میر علی بخش تالپور اور اکبر بار کزئی سے میری شناسائی پرانی تھی۔ 1960ء میں نظامانی صاحب مجھے پلیجو صاحب کا غائبانہ تعارف پہلے ہی کرا چکے تھے، لیکن ان کے ساتھ باقاعدہ پہلی ملاقات گراؤنڈ ہوٹل کراچی میں ہوئی۔ ایوبی آمریت کے خلاف جمہوری جدوجہد پورے ملک میں چل رہی تھی۔ اسی زمانے میں شاید سب سے زیادہ ظلم بلوچوں پر کیا گیا۔

نواب نوروز خان اور اس کے بیٹوں کو پھانسی پر چڑھایا گیا۔ کئی بلوچ رہنماؤں کو پابندِ سلاسل کیا گیا، کئی روپوش ہوگئے۔ ہمیں امید تھی کہ ایوبی آمریت کے خلاف سندھ سے بھی آواز اٹھے گی۔ 4۔ مارچ 1967ء کو حیدرآباد میں جب طلباء نے ایوبی نوکر شاہی سے ٹکر لی اور اپنے لہو کا نذرانہ دیا تو ہمیں یقین ہو گیا کہ اب سندھی عوام ایوبی آمریت کے خلاف لڑیں گے۔

ان دنوں کراچی کے مقامی سندھیوں میں سیاسی سمجھ بوجھ بلکل نہ تھی، اس وقت کراچی پر تارکین وطن کی بڑے پیمانے پر یلغار بڑھ رہی تھی، ہم نے سوچا کہ کراچی میں سندھیوں اور بلوچوں

Gul Hayat Institute

میں قومی جمہوری شعور بیدار کرنے اور انہیں جدوجہد کی راہ پر لانے کیلئے مشترکہ کوششیں کی جائیں۔

60ء کی دہائی کے دوران کراچی میں ہماری میر علی بخش خان تالپور، قادر بخش نظامانی اور دیگر دوستوں کے ساتھ ادبی، ثقافتی نشستیں اور سرگرمیاں جاری رہتی تھیں۔ اسی دوران ہماری باہمی سوچ یہ بنی کہ سندھی و بلوچ مظلوم عوام کے اتحاد اور مشترکہ جدوجہد کے سواء دونوں قوموں کی نجات ناممکن ہے۔ ہمارے مشن کا اہم مقصد ''سندھی بلوچ اتحاد'' ہو۔ اس سلسلے میں ہم نے طے کیا کہ سندھ کے دیگر دوستوں کے ساتھ بھی روابط استوار کئے جائیں۔

اس مقصد کے تحت 1972ء کو ہم نے حیدرآباد میں ایک اجلاس منعقد کیا، جس میں قادر بخش نظامانی، اکبر بارکزئی، رسول بخش پلیجو اور راقم موجود تھے۔ اس اجلاس میں اصولی طور پر یہ طے کیا گیا کہ سندھی بلوچ قومی جدوجہد کو یکجا ہو کر چلایا جائے۔ اس کے بعد ہمارا رابطہ مستقل رہا۔

بھٹو حکومت میں جب بلوچستان اور سرحد میں نعپ کی حکومتوں کو ختم کیا گیا تب 1974ء اور 1975ء کے وسط میں ہم نے دوسرا اجلاس میر علی بخش تالپور کے کراچی والے گھر میں منعقد کیا۔ اس اجلاس میں یہ طے ہوا کہ بلوچستان پر فوج کشی کی مذمت کرنی چاہیئے۔ دوسرے نمبر پر یہ طے ہوا کہ لیاری میں سندھی بلوچ تحریک کو فعال کیا جائے، تیسرا یہ طے کیا گیا کہ بی، ایس، او اور وطن دوست سندھی طلباء کے مابین ہم آہنگی اور روابط پیدا کئے جائیں کیونکہ اس زمانے میں کچھ عوام دشمن عناصر بلوچ اور سندھی طلباء کو آپس میں متصادم کرانے کی سازش کر رہے تھے اور انتہا پسند نسل پرست نعروں کو ہوا دی جا رہی تھی تاکہ سندھی بلوچ اتحاد کو زِک پہنچ سکے لیکن ہم نے بھی یہ طے کر لیا تھا کہ سندھ میں اس بیماری کو بڑھنے نہیں دیں گے۔

اس مقصد کے لئے ہم نے کراچی اور حیدرآباد میں مشترکہ ثقافتی، ادبی اور سیاسی پروگرامز کرنے شروع کئے، زیادہ تر اس طرح کے ادبی، ثقافتی پروگرام و مشاعرے حیدرآباد میں منعقد کرتے تھے، جن میں سندھی بلوچ ادباء، شعراء و دانشوران مل کر حصہ لیتے تھے۔ ان پروگراموں میں پلیجو صاحب آکر شریک ہوتے تھے۔ اس زمانے میں خالق ڈینا ہال کراچی میں بی، ایس او کا کونسل سیشن منعقد کیا گیا جس میں مہمانِ خصوصی رسول بخش پلیجو صاحب کو کیا گیا۔ اس اجلاس میں پلیجو صاحب نے اپنی تقریر میں ملک کے مظلوم قومیتوں اور مظلوم طبقات کے اتحاد پر زور دیا۔

1974ء میں جب بھٹو حکومت نے بلوچ اور پشتون رہنماؤں کے خلاف ''حیدرآباد سازش کیس'' تیار کیا اور انہیں قید کیا، تب جناب رسول بخش پلیجو، فاضل راہو اور میر علی بخش تالپور نے

بلوچ اور پشتون قیدی رہنماؤں کی ہر ممکن اخلاقی، مالی اور دوسری مدد کی۔ بعد میں اسی "سازش کیس" میں میر علی بخش تالپور کو بھی ملوث کر کے قید کیا گیا۔ "حیدرآباد سازش کیس" میں رسول بخش پلیجو صاحب نے میر علی بخش تالپور اور فتح خان کی وکالت کی۔

رسول بخش پلیجو واحد سندھی رہنماء تھے جنہوں نے بلوچستان پر فوجی ایکشن کی سخت مخالفت کی۔ دورے کئے اور تقاریر کیں۔ اس زمانے میں حیدرآباد میں ایک میٹنگ بلائی گئی جس میں مرحوم میر علی احمد خان تالپور اور میر رسول بخش تالپور بھی شریک ہوئے۔ اس میٹنگ میں فوجی ایکشن کرنے پر بھٹو حکومت کی سخت مذمت کی گئی۔ اس جرم میں اس وقت کی حکومت نے پلیجو صاحب کے وارنٹِ گرفتاری جاری کئے تو رسول بخش پلیجو صاحب روپوش ہو کر ہمارے ہاں لیاری میں آکر رہے۔ دورانِ روپوشی پلیجو صاحب نے لیاری کے وطن دوست اور ترقی پسند نوجوانوں اور ورکروں کیساتھ ملاقاتیں کیں اور انہیں اپنی سوچ، فکر اور نظریے سے آگاہ کیا۔ ان ملاقاتوں میں بی، ایس، او کے کارکنان اور بلوچ دانشوران بھی شریک ہوتے تھے۔ ان میں سے کئی نے ہمارے ساتھ ملکر کام کیا۔

لیاری میں پلیجو صاحب بلوچ بچوں کے ساتھ گپ شپ کرتے تھے اور انہیں کہتے تھے کہ مجھے بلوچی سکھاؤ۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ سکھانے میں یہ بچے میرے استاد ہیں۔ پلیجو صاحب نے تقریباً چھ ماہ سے زائد ہمارے ہاں روپوشی کا عرصہ گذارا۔ اسکے بعد وہ گرفتار ہوگئے، ہمارا رابطہ منقطع ہوگیا۔ آگے چل کر جب پارٹی میں توڑ پھوڑ ہوئی تو لیاری اور کراچی میں بھی پارٹی کے چند اہم افراد نکل گئے جنہوں نے کراچی میں ہمارے کاز اور سندھ بلوچستان اتحاد کے مقصد کو سخت نقصان پہنچایا۔

رسول بخش پلیجو صاحب میری نظر میں ایک عملی رہنماء تھے۔ ان کے ہر کام کا انداز تخلیقی تھا۔ انہوں نے سندھی بلوچ اور ملک کے دیگر مظلوم عوام کے مسائل پر بھرپور مشاہدہ کیا تھا۔ انہوں نے مزدوروں، طلبا، ادیبوں، دانشوروں اور عوام کے دیگر حصوں میں اندر رہ کر کام کیا ہے۔ وہ ایک زبردست مقرّر، دانشور، شاعر، رہنماء اور منتظم تھے۔ انہوں نے عوام کے سماجی حالات سے سیکھا۔ رسول بخش پلیجو صاحب پاکستان کے واحد قوم دوست اور ترقی پسند لیڈر تھے جنہوں نے ترقی پسند سیاست پر سب سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ انہوں نے اہم بنیادی مشکل کٹھن مسائل کو نہایت سادہ عوامی انداز میں پیش کیا ہے۔

رسول بخش پلیجو نہ صرف سندھ بلوچستان کے لیڈر بلکہ پورے ملک کی مظلوم قوموں کے

Gul Hayat Institute

رہنماء ہیں۔آج رسول بخش پلیجو پاکستان کے قوم دوست، محنت کش دوست، ترقی پسند، سامراج دشمن اور جمہوری قوتوں کو متحد و منظم کرنے کے سب سے بڑے ذمہ دار ہیں۔آج کے اہم تاریخی و پیچیدہ مسائل کو حل کرنے میں رسول بخش پلیجو ہی اہم کردار اور تاریخی رول ادا کر سکتے ہیں۔

(پلیجو صاحب کی سالگرہ پر لکھا گیا۔)

ایم آر ڈی تحریک اور سندھ کی سورما بیٹیاں

فضا قریشی

1980 کی دہائی کا زمانہ تھا۔ مارشل لا کا کالا قانون اپنے آب و تاب سے ملک پر حکمرانی کر بیچارے عوام سہمے اور خوفزدہ سے اپنے گھروں کے اندر محصور ہو کر رہ گئے تھے۔سیاسی سرگرمیاں تو کیا سیاست پر بات کرنے پر بھی کوڑے لگنے کا ڈر رہتا۔ پاکستان کا مطلب تو اب پھانسی، کوڑے اور سزا ہی رہ گیا تھا۔ یہ اسی دور کی باقیات ہے کہ اب بھی کچھ ہوٹلوں پر لکھا ملتا ہے کہ یہاں سیاسی گفتگو کرنا منع ہے۔ ملک بھر کی جمہوریت پسند قوتوں نے تحریک بحالی جمہوریت کی بنیاد ڈال دیے تھے اور 14اگست 1983سے پورے ملک میں ایم آر ڈی کی جدوجہد کا آغاز ہو چکا تھا۔

فقط نو ماہ پہلے 26 نومبر 1982 کو فاضل راہو کے گاؤں راہو کی میں سندھیانی تحریک کی بنیاد ڈالی گئی تھی جس میں اکثریت دیہات کی کسان اور مزدور خواتین کی تھی۔اور پھر پوری دنیا نے دیکھا کہ سخت سرکاری رکاوٹوں کے باوجود بھی سندھیانی تحریک کی دیہاتی خواتین نے حیدرآباد شاندار مظاہرے کر کے اہم شاہراہوں اور چوکوں سے 30 سے زائد عورتوں نے گرفتاریاں پیش کیں جس میں 12سال کی بچیوں سے لے کر 50سال کی خواتین بھی شامل تھیں۔

عوامی تحریک کے رہنما رسول بخش پلیجو اور فاضل راہو سمیت دوسرے کارکنان کی مائیں، بیٹیاں، بہنیں، بیویاں، بھتیجیاں، بھانجیاں شامل تھیں اور یہی طرز عمل تو اس سندھیانی تحریک کی طاقت رہا ہے۔ ان عام دیہاتی عورتوں نے بینظیر بھٹو اور نصرت بھٹو کے ساتھ اسی دور میں اسی جمہوریت کی بحالی کی جدوجہد میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو، ایک مارکسسٹ

غازی صلاح الدین

جمعرات کی صبح، کراچی کے ایک اسپتال میں رسول بخش پلیجو کا انتقال ہو گیا۔ یہ سندھ کی سیاست کا ایک بڑا واقعہ ہے بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ سیاست کے موجودہ منظر نامے میں پورے ملک میں کوئی ایسا سیاست داں موجود نہیں ہے کہ جس کی فکری اور تنظیمی جدوجہد نے عوام کی ایک بڑی تعداد کی سوچ اور سیاسی شعور کو اتنا متاثر کیا ہو۔

میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں اس کالم میں رسول بخش پلیجو کی شخصیت اور ان کی سیاست کا تجزیہ کروں۔ اپنے موضوع کے حوالے سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دیکھئے، ایسا ممکن ہے کہ کوئی سیاسی رہنما علم دانش کے پیمانے پر اتنا اعلیٰ مقام رکھتا ہو۔ یعنی سیاست کے فکری محاذ پر کوئی اپنا پرچم اتنی شان سے لہرائے۔ سندھ کی مزاحمتی سیاست میں ان کا ایک اچھوتا کردار رہا ہے۔

میں دراصل پاکستان کی سیاست کی فکری پسماندگی کا رونا رو رہا ہوں۔ اب، رسول بخش پلیجو کی وفات کے بعد یہ احساس زیادہ شدید ہو گیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ وہ نظریاتی طور پر ایک مارکسسٹ تھے یعنی بائیں بازو کی سیکولر سیاست کرتے تھے۔ ادب، فلسفہ اور تاریخ کا ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ وہ جدلیاتی مادیت کے مفکّر تھے۔ کئی زبانوں پر انہیں عبور حاصل تھا۔ انہوں نے کئی کتابیں اور کتابچے تحریر کئے۔ عوامی تحریک کی بنیاد ڈالی۔ ان کی سندھیانی تحریک عورتوں کی ایک ایسی سیاسی تنظیم ہے جس کی کوئی مثال نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ ان کے خیالات سے اختلاف بہت ممکن تھا، لیکن علمی سطح پر دلیل، اور حوالوں کے ساتھ، ان سے گفتگو کی جاسکتی تھی۔ میں ایک بار پھر کہوں گا کہ یہ چند الفاظ رسول بخش پلیجو کی شخصیت کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ یوں بھی میں موجودہ پاکستانی سیاست کی تاریک وادی میں کسی امید،

کسی روشنی کی جستجو میں بھٹک رہا ہوں۔ اس سیاست کے ماحول کی کثافتیں خوف اور بے یقینی کے تاثر کو ہوا دے رہی ہیں۔

جہاں تک رسول بخش پلیجو کا تعلق ہے تو میں نورالہدیٰ شاہ کی اس ٹویٹ کو نقل کرنا چاہتا ہوں۔

سندھ دھرتی کا پیارا غدّار.... رسول بخش پلیجو،
جس نے تین نسلوں کی ذہنی تربیت کی،
حقوق کیلئے احتجاج اور مزاحمت سکھائی،
غداریت کا الزام سینے پر سجانا سکھایا،
فن کاروں کو انقلاب گانا سکھایا،
شاعروں سے مزاحمتی انقلابی شاعری کروائی،
سندھی لڑکیوں کو عملی سیاست میں اتارا۔
الوداع --- --- --- --- ---

(بشکریہ جنگ)

Gul Hayat Institute

چلے تو جاں سے گذر گئے

ڈاکٹر ایوب شیخ

جناب رسول بخش پلیجو جو آج ہمارے درمیان نہیں رہے، اس لیے آج ملک میں وہ اہم آواز اور نظریاتی للکار بھی نہیں رہی۔ جناب پلیجو بچے کی مانند تھے، نازک اور نفیس تھے اور پہاڑ کی طرح سخت جاں تھے۔

ہم نے زندگی کے دس اہم ترین برس ایک ساتھ گزارے، وہ جوانی کے سب سے طاقتور برس تھے جو ان کے ساتھ گذارے۔ عام ملاقاتیں، جیل ملاقاتیں، کچھ مسافتیں، بہت ساری جدوجہد، بڑے بڑے معرکے ہم نے ان کی قیادت میں سر کیے۔ ہمیں جناب رسول بخش پلیجو نے جو بھی سکھایا وہ ایک سوال ''کیوں'' یا ''Why'' پر محیط تھا۔ اس کیوں یا why میں پوری دنیا ارض و سماوات شامل تھی۔

کائنات کی تخلیق، سائنس دانوں کی بغاوتیں، انسانی زندگی میں عورت کا کردار، یونان، عرب و ایران، چین و روس کی سیاست، امریکہ اور برطانیہ کی سامراجیت، سندھ کی سیاست، سندھی وڈیرے کی ہئیت، ساخت اور بناوٹ اور ان کی ترکتالیوں کے بارے میں انہوں نے بتایا، پڑھایا اور سکھایا تھا۔

سندھ کے بڑے دانشوروں اور شاعروں جناب محمد ابراہیم جویو اور شیخ ایاز کا خیال تھا کہ ''کاش ہمارے یہ دوست سیاست نہ کرتے تو ایک بہت پڑھے اور زیادہ پڑھے لکھے دانشور کی بہت ساری باتیں اور خدمات ہوتیں'' جبکہ سندھ کے نیم پڑھے لکھے ادیبوں اور دانشوروں کا خیال رہا ہے کہ ان کو صرف سیاست ہی کرنی چاہیے تھی، ادب لکھنا پلیجو کا کام نہیں تھا۔ پہلے خیال میں مثبت نیت شامل تو تھی لیکن وہ اہم دانشور سیاسی محاذ آرائی سے ڈرتے تھے۔ جبکہ دوسری رائے رکھنے

Gul Hayat Institute

والے ادیب و دانشور پلیجو صاحب کی دانش و تنقید اور ان کے بلند شعور سے خائف اور نالاں تھے۔ ان ادیبوں کا خیال تھا کہ جناب رسول بخش پلیجو سب کچھ کہیں، سب کچھ لکھیں لیکن ہم پر کچھ نہیں لکھیں، کوئی رائے زنی نہ کریں اور ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔ کیونکہ وہ قتل کیے بغیر دانشوروں کے ہاتھوں میں ان کی گھسی پٹی لاش تھما دیتے تھے۔

جناب رسول بخش پلیجو کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان کے لیے ''چین نواز'' تھے گویا کعبۃ اللہ سے خارج تھے۔ وہ جماعت اسلامی اور مذہبی جماعتوں کے لیے ملحد، کافر اور لائقِ جہنم تھے۔ وہ سندھی قوم پرستوں کے لیے ''پنجاب کے ایجنٹ''، اور پنجاب کے سرغنے جنرل حمید گل کی نظر میں ''پاکستان دشمن'' ہوتے تھے۔ وہ ایم کیو ایم کے لئے ''مہاجر دُشمن'' ہوتے تھے۔ پس ان جیسے القابات سے آراستہ ہو کر وہ ساری زندگی لڑتے رہے، کچھ کو چت کیا، کچھ کو زیر کیا، کچھ کو فاش کیا، کچھ نظریات کو تہس نہس کیا اور اسی لڑائی میں لگے ہاتھوں اپنے آپ کو بھی زخمی کیا۔ جناب رسول بخش پلیجو اپنی زندگی میں صرف ایک شخص کے حامی تھے اور وہ شخص بھی پلیجو صاحب کا حامی تھا۔ جس کا نام شاہ لطیف ہے۔ شاہ لطیف کا عوامی اور انقلابی بھیس پلیجو صاحب نے متعارف کروایا۔ شاہ لطیف کی ایک ایک ''وائی'' اور ''بیت'' منتظر رہتے تھے کہ کب پلیجو صاحب بولیں گے اور شاہ لطیف کو ان کی اصل معنوں میں پیش کریں گے۔

امر جلیل، آغا سلیم اور سندھ کے اکثر دانشور صرف اس ایک بات پر پلیجو صاحب سے متفق ہیں کہ شاہ لطیف پر ان سے زیادہ کوئی بھی سیر حاصل بات نہیں کر سکتا۔

پلیجو صاحب کی سیاسی تربیت اُردو بولنے والے مزدور رہنما بنی احمد کے ہاتھوں ہوئی۔ وہ امیر خسرو، غالب، میر، فیض، وارث شاہ، علامہ اقبال اور بلھے شاہ پر ایسی گفتگو کرتے تھے گویا وہ بھی ان کے گاؤں ''جنگ شاہی'' میں پیدا ہوئے تھے۔

پلیجو صاحب ملک کی بیشتر میڈیا اور بالخصوص اُردو میڈیا کے روّیے سے نالاں تھے، پلیجو صاحب اخباری سرخیوں ''مشتعل افراد نے بس کو آگ لگا دی'' یا ''معصوم لوگوں کے ہاتھوں میں کلاشن تھما دی'' جیسے جملوں سے خائف تھے، ایک دن انہوں نے بولا تھا کہ اُردو میڈیا کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ ''جانو آرائیں کو بھی جید سیاسی رہنمأ کے طور پر پیش کرنے کی قوت رکھتی ہے اور اصل بات کی بجائے غیر حقیقی بات کو چار چاند لگا کر پیش کرنے کی اہلیت اسی میڈیا سے سیکھی جا سکتی ہے۔''

Gul Hayat Institute

جناب رسول بخش پلیجو نے ادب میں بے راہ روی کے خلاف بھی جدوجہد کی۔ رجعت پرستوں کی جانب سے سندھ کے ترقی پسند ادب اور ادیبوں کے خلاف حملوں کے آگے ڈھال بنے اور 60ء کی دہائی میں شیخ ایاز کو ان حملوں سے خصوصی طور پر بچایا۔ کمیونزم کے نام پر عوام دُشمنی کو بے نقاب کیا۔ قوم پرستی کے قالب میں چھپی ہر ''پاکستانیت'' کو آشکار کیا۔ مجھے ایک موقع پر مرحوم جی ایم سید نے روزنامہ ''جاگو'' کراچی کے لئے انٹرویو میں کہا تھا کہ ''سندھ نے تین ذہن پیدا کیے لیکن تینوں ہی غدار نکلے، بھٹو، پلیجو اور کھوڑو۔'' میں نے اگلے سوال میں سید صاحب سے پوچھا تھا کہ پھر آپ نے اس ''غدار'' ایوب کھوڑو کے لئے اپنی پوری سیاست قربان کرنے کا کیوں سوچا تھا؟'' تو شاہ صاحب نے برملا کہا تھا کہ ''میں نے سوچا سدھر گئے ہوں گے۔'' پلیجو صاحب ''سدھر گیا ہوگا'' کے خلاف تھے۔ ان کے پڑھے ہوئے فلسفے نے انہیں ازبر کرایا تھا کہ اشیا اپنی بنیاد پر جاتی اور ترقی کرتی ہیں۔

ایک مرتبہ عوامی تحریک کے پانچ روزہ ورکشاپ میں جناب جویو صاحب، رشید بھٹی، طارق اشرف، تنویر عباسی خاص طور پر موجود تھے۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر لیکچر دیے تھے۔ اس موقع پر پلیجو صاحب نے ''اسلام کی تاریخ'' پر بہت بڑا اور اہم لیکچر دیا تھا۔ لیکچر کے بعد مرحوم ابراہیم جویو صاحب نے تبصرے میں کہا تھا کہ ''پلیجو صاحب اچھا ہوا کہ آپ مدرسے میں نہیں ہیں اور ترقی پسند ہیں۔ ورنہ پورا پاکستان مسلمان ہو جاتا''۔

جناب رسول بخش پلیجو کے سیاسی شانے پر کراچی سینٹرل جیل، کوٹ لکھپت جیل، سکھر سینٹرل جیل، حیدرآباد جیل، نارا جیل، لانڈھی جیل اور راولپنڈی جیل کے تمغے سجے ہوئے ہیں۔ جیلوں سے تبدیل ہوتے ہوئے یہ قیدی یونیورسٹیاں اور ان کی دیواریں آج بھی جناب پلیجو صاحب جیسے قیدی کی منتظر ہیں، جو جیل کو تبدیل کر سکے، راہ متعین کر سکے، آواز پیدا کر سکے اور آج کی کنفیوژڈ (Confused) دُنیا کو سمت بتا سکے۔

جناب رسول بخش پلیجو اپنی انوکھی روایتوں، زبردست کاوشوں اور جدوجہدوں کی وجہ سے ہمارے دلوں میں زندہ رہیں گے۔

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو: انقلاب وسیاسی مزاحمت کی علامت

اختر حفیظ

سندھ کی کون سی ایسی پگڈنڈی یا ڈگر ہوگی، جس پر سندھ میں انقلابی جدوجہد کی علامت سمجھے جانے والے اس سیاسی کردار کے پیروں نے مسافت نہ کی ہو۔ کسانوں سے لے کر محنت کش عورتوں اور مظلوم طبقات کے ساتھ ہم آواز ہونے والی اس شخصیت کو دنیا رسول بخش پلیجو کے نام سے جانتی ہے۔ ان کی تمام تر زندگی امیر مینائی کے اس شعر کی مانند رہی۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے۔

انہوں نے سندھ کے عوام کے درد کو تو اپنا سمجھا مگر اس ملک میں بسنے والے ہر اس انسان کے درد کو بھی اپنا درد جانا جو کسی آمر، سیاستدان یا استحصالی قوت کے عتاب کا شکار رہا۔

سندھ میں کسی زمانے میں سیاسی طور پر دو مکتبہء فکر تھے، جنہیں سندھ میں خاصی پذیرائی بھی ملی، ان میں ایک ذوالفقار علی بھٹو کی ''پیپلز پارٹی'' اور دوسری جی ایم سید کی قوم پرست سیاسی تحریک ''جیئے سندھ'' تھی۔ پیپلز پارٹی نے ہمیشہ انتخابی سیاست کی اور یہ جماعت اپنے دلفریب نعروں کی وجہ سے مقبول بھی ہوئی مگر دوسری جانب انتخابی سیاست سے لاتعلق رہنے والی جی ایم سید کی سیاسی فکر نے سندھ میں بسنے والوں کے ذہنوں کی سیاسی نشو نما میں اپنا کردار ادا کیا۔

اس دوران اگر کوئی نئے سیاسی خیالات کے ساتھ میدان میں اترا تو وہ رسول بخش پلیجو تھے جن کے ہاں معاملات کو دیکھنے اور پرکھنے کے کچھ الگ ہی زاویے تھے۔ یہ سندھ میں پہلی بار ہوا تھا کہ ایک نئی سیاسی فکر ابھرنے لگی تھی اور اس فکر سے منسلک تمام سیاسی کارکنوں کو ''پلیجسٹ'' کہا جاتا

Gul Hayat Institute

ہے۔اس فکر کی سیاسی حقیقت دراصل یہ تھی کہ عدم تشدد کے فلسفے پر قائم ایک ایسی پرامن جمہوری جدوجہد کا آغاز کیا جائے جس سے ان مظلوم طبقات کے حقوق کے لیے لڑا جائے جنہیں خود اپنی طاقت کا اندازہ نہیں تھا۔

ٹھٹہ کے ایک چھوٹے سے قصبے جنگشاہی میں 21 فروری 1930ء کو جنم لینے والے رسول بخش پلیجو نے سیاست کو اقتدار حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ انہیں نچلی سطح پر عوام میں متعارف کروانے اور انہیں اس بات کا یقین دلانے میں کامیاب رہے کہ سیاست محض جاگیرداروں، میروں، پیروں اور سرمایہ داروں کا حق نہیں ہے بلکہ سیاست کرنا اور اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھانا اس ملک کے ہر شہری کا بنیادی حق ہے۔

یہ سن 68-1967ء کا زمانہ تھا جب وہ نیشنل عوامی پارٹی (نعپ) کے جنرل سیکریٹری رہے مگر نعپ میں وہ زیادہ وقت نہ رہ سکے۔اس کے بعد وہ سندھی عوامی تحریک کی بنیاد رکھ چکے تھے جس کو سیاسی طور پر تقویت تب ملی جب ہاری رہنما فاضل راہو نے عملی طور پر اپنا بھرپور کردار نبھایا۔ان کے سیاسی کردار کو رسول بخش پلیجو ہمیشہ سراہتے رہے۔

یہ عوامی تحریک ہی تھی جس کی کوکھ سے سندھیانی تحریک کا جنم ہوا۔ وہی ''سندھیانی تحریک'' جس نے ایم آر ڈی سے لے کر ضیائی آمریت اور کالاباغ ڈیم کے خلاف بھرپور احتجاج کیے۔سندھ میں عوامی سطح پر عورت کو سیاست میں متعارف کروانے والے رسول بخش پلیجو ہی تھے، جنہوں نے معاشرے کو اس بات پر قائل کیا کہ سندھ کے دیہات اور دور دراز علاقوں میں بسنے والی عورتوں کا کام صرف اپنے خاوند کی خاطر مدارات کرنا اور بچے پیدا کرنا نہیں ہے بلکہ وہ خود کو شعوری طور آزاد کر کے وہ تمام حقوق حاصل کر سکتی ہے جو کہ اس کا بنیادی حق ہے۔

چنانچہ سندھ میں عورت سیاست کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا جو کہ سندھیانی تحریک کی شکل میں آج تک قائم ہے۔سندھیانی تحریک نے اپنا سیاسی حصہ ہاری تحریک میں بھی ڈالا۔وہ سندھ کو شعوری طور پر بیدار کرنا چاہتے تھے تاکہ خواتین اور مرد جس ذہنی غلامی میں جی رہے ہیں اس سے نجات حاصل کر سکیں۔

سندھ کی وہ ناخواندہ خواتین جن کے لیے اپنے گاؤں سے نکل کر شہر جانا پردیس جانے کے مترادف تھا،انہیں سندھ کے گلی کوچوں میں اپنے حق کے لیے لڑنے اور بڑی سے بڑی طاقت کے آگے ڈٹ جانے کا درس رسول بخش پلیجو نے دیا تھا۔آج بھی سندھیانی تحریک کا حصہ رہنے والی

Gul Hayat Institute

خواتین اس بات پر فخر محسوس کرتی ہیں کہ وہ ایک ایسی سیاسی پارٹی کا حصہ رہی ہیں، جس نے انہیں اس بات کا احساس دلایا کہ وہ صرف عورتیں نہیں ہیں بلکہ انسان بھی ہیں۔

رسول بخش پلیجو نے عوامی تحریک کا سیاسی مزاج ایسا رکھا کہ جس سے یہ پتہ چل سکے کہ اس پارٹی میں صرف وہی بقا پاسکتا ہے جسے دکھوں اور تکالیف کے ہوتے ہوئے بھی جدوجہد جاری رکھنے کا حوصلہ ہو۔ وہ ہمیشہ کہتے تھے کہ دنیا میں سب سے بڑا انسانی رشتہ سکھ کا نہیں دکھ کا ہے۔ اپنے بیٹے ایاز لطیف پلیجو کو کوٹ لکھپت جیل سے لکھے گئے ایک خط میں انہوں نے لکھا ہے:

''پہلی بات تو یہ کہ تم نے ابھی تک اپنی زندگی میں اپنی عمر کے حساب سے کوئی ایسا دکھ نہیں دیکھا ہے جسے حقیقی معنوں میں دکھ کہا جائے۔ تاریخ کے اس مرحلے تک لوگوں کی بڑی اکثریت کی دنیا دکھوں کی دنیا ہے، اس لیے کہ دنیا میں سب سے بڑا انسانی رشتہ سکھ کا نہیں بلکہ دکھ کا ہے۔ آج تک دکھ ہی انسانی و سماجی زندگی کے متعلق علم و شعور کا بڑے سے بڑا ذریعہ بنا ہے، جس نے بالواسطہ اور بلاواسطہ دکھ نہیں سہا ہے، اسے درد کے مارے انسانوں کی کیا خبر ہو گی''۔

"روشن خیالی، ترقی پسندی، اور انقلابیت کا مطلب عوام کی اکثریت کے لیے دکھوں کی دنیا کو تبدیل کر کے سکھوں کی دنیا تخلیق کرنا ہے۔ جنہوں نے دکھوں کی دنیا کا عذاب ہی برداشت نہیں کیا ہو گا، وہ اسے تبدیل کرنے کی کیا ضرورت محسوس کرے گا اور وہ کیا تبدیلی کی قدر کرے گا؟ ایسا انسان کیونکر روشن خیال، ترقی پسند اور انقلابی بننا چاہے گا؟ مگر اس بات کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس نے زیادہ دکھ دیکھے ہیں وہ خود ساختہ عظیم انقلابی بن گیا۔ حد سے زیادہ دکھ بھی آگ کی مانند ہیں جو اسے جلا دیتے ہیں۔''

انہوں نے ہمیشہ جناح کے اس پاکستان کی بات کی جو کہ روشن خیال اور سیکولر پاکستان ہے، جس میں کوئی مذہبی اور سماجی تفریق نہیں ہے۔ ان کا ماننا تھا کہ جناح نے جس پاکستان کی تخلیق چاہی تھی یہ وہ پاکستان نہیں ہے۔ انہوں نے پاکستان اس لیے بنایا تھا تاکہ ہندوستان میں بسنے والے مظلوم لوگوں کو ایک ایسی ریاست فراہم کی جا سکے، جس میں عوام خوشحال ہوں اور انہیں تمام انسانی اور شہری حقوق میسر ہوں۔

ویتنامی اور چینی انقلابی ادب پڑھنے والے رسول بخش پلیجو نے اپنے طرز سیاست میں ان تمام سیاسی حکمت عملیوں کو استعمال کرنے کی کوشش کی جو کہ انقلابی سیاست میں ماضی میں ہوتی آئی ہیں۔ جس زمانے میں انہیں کوٹ لکھپت جیل میں سیاسی قیدی کے طور پر رکھا گیا، تب انہوں نے جیل میں

Gul Hayat Institute

ایک کتاب ''کوٹ لکھپت جو قیدی'' لکھی، جو کہ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ایک جیل ڈائری ہے۔اور اس میں سیاسی باتوں سے لے کر ادب، فن اور لتا منگیشکر کے گیتوں کا بھی ذکر ہے۔

انہیں فنِ تقریر میں تو ملکہ حاصل تھا ہی، مگر سندھی ادب میں تنقید نگاری اور شاہ عبداللطیف بھٹائی کی شاعری کا ایک نیا تعارف بھی انہوں نے پیش کیا جو کہ اس سے قبل کسی نے بیان نہیں کیا تھا۔جی ایم سید نے شاہ لطیف کو سندھ کا قومی شاعر قرار دیا مگر رسول بخش پلیجو نے کہا کہ شاہ لطیف ایک انقلابی شاعر ہے۔جو کہ ہمیں سکھاتا ہے کہ کمزور ہو کر بھی طاقتور کیسے بنا جائے۔ دکھوں کے ہوتے ہوئے بھی حوصلے کیسے بلند رکھے جائیں،اور جس انداز سے وہ شاہ لطیف کے اشعار پڑھا کرتے تھے اس کے بعد کسی تشریح کی ضرورت کبھی پیش نہیں آتی تھی۔

رسول بخش پلیجو وہ سیاستدان تھے جو کہ ذرے سے ذخیرہ بنانے کا ہنر جانتے تھے۔وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ میں نے کئی بار صفر سے ابتداء کی ہے۔اس لیے اگر میں اکیلا بھی رہ گیا تو پھر سے صفر سے ابتدا کروں گا۔انہیں اس بات کا بھی اندازہ تھا کہ کس طرح لوگوں کو سیاسی دھارا میں شامل کر کے انہیں سیاسی طور پر تیار کیا جا سکتا ہے۔

گو کہ انہیں قوم پرست سیاستدان تصور کیا جاتا ہے مگر انہوں نے کبھی بھی ایسا دعویٰ نہیں کیا، کیوں کہ ان کا ماننا تھا کہ یہ سیاسی طور پر ایک سیاستدان کو محدود کر دیتا ہے۔تمام تر سیاسی اختلافات رکھنے کے باوجود جب بھی کسی سیاسی شخصیت پر مشکل وقت آتا وہ ان کی مدد کرنے پہنچ جاتے۔

رسول بخش پلیجو ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔جہاں انہوں نے ملکی سیاست پر اپنے اثرات چھوڑے ہیں، وہاں انہوں نے ادب، فنون لطیفہ اور سماجی طور پر بھی بہت سے کارنامے انجام دیے ہیں۔کسی زمانے میں سندھی زبان کے مشہور شاعر شیخ ایاز کو رجعت پسندوں نے گھیر لیا تھا، تب انہوں نے ان کے دفاع میں ایک کتاب ''اندھا اوندھا ونج'' لکھی۔سندھی ادب میں تراجم سے لے کر تنقید نگاری اور افسانوی ادب تک انہوں نے خوب لکھا۔جس طرح انہوں نے سندھ کے پانی کا مقدمہ اپنی کتاب ''Sindh-Punjab water dispute'' میں پیش کیا ہے وہ پڑھنے لائق ہے۔سندھ میں کالا باغ ڈیم کے خلاف اتنی پر اثر جدوجہد نہ ہو پاتی اگر رسول بخش پلیجو اسے عوامی سطح پر پیش نہ کرتے۔

عوامی تحریک کی سیاسی جدوجہد سندھ کی تاریخ میں ایک ایسا سنہری دور ہے جس میں سندھ کی عورتوں، طلبا و طالبات اور بچوں کی سیاسی تربیت ہوئی۔انقلابی گیتوں پر جھومنے والے رسول بخش

پلیجو نہ صرف مزاحمت کی علامت تھے بلکہ اپنی ذات میں ایک سراپا انقلاب بھی تھے۔ وہ کہتے تھے کہ حقیقی سورما وہ ہے جو کہ اپنی عقل و فہم کا بروقت استعمال کرے۔

اپنی ایک تحریر ''ذہنی و فکری بہادری کیا ہے؟'' میں وہ لکھتے ہیں:

''آج کے زمانے میں حق پرست انقلابی نظریے کے دو اہم اصول ہیں کہ دنیا کی مظلوم عوام اور مظلوم قوموں سے پیار کیا جائے۔ اور ان کے دشمن کا مرتے دم تک مقابلہ کیا جائے۔ سائنسی زبان میں ان اصولوں کو طبقاتی جدوجہد اور قومی جدوجہد کہا جاتا ہے۔ انقلابی اساتذہ نے سکھایا ہے کہ ان دونوں حق پرست جدوجہدوں کا انضمام کیا جائے، تبھی دنیا کے لٹیروں اور ان کے ڈھنڈورچیوں کو اکھاڑ پھینکیں گے۔''

منزل پانے سے زیادہ منزل کے راستے پر چلتے رہنے کے قائل رسول بخش پلیجو ایک اعلیٰ دماغ بھی تھے۔ وہ آج ہم میں نہیں رہے مگر ان کا سیاسی فکر ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے گا۔ وہ ان لوگوں کی آواز بن کر جیتے رہے جنہیں انہوں نے یہ یقین دلایا کہ ان کے منہ میں بھی زبان ہے اور وہ اگر چاہیں تو پہاڑ ریزہ ریزہ کر سکتے ہیں۔

پرانے خیالات کو ترک کرنے اور نئے راستے تخلیق کرنے والے رسول بخش پلیجو کئی نسلوں کے آئیڈیل رہیں گے۔

آدمی در عالم خاکی نمی آید بدست
عالم دیگر بباید ساخت وزنو آدمی۔ (حافظ)

(اس خاکی جہاں میں آدمی نہیں ملتا، ایک نیا جہاں ایک نئے انسان کے لیے چاہیے)

انہوں نے بھی سیاست اور مزاحمت کے ذریعے ایک نیا جہاں تخلیق کرنے کی کوشش کی جس کا عکس ہمیں ضرور اس انسان کی آنکھوں میں نظر آئے گا، جس نے پلیجو صاحب کی آنکھوں میں ان خوابوں کو دیکھا ہو گا جو کہ مظلوم عوام کی خوشحالی کے خواب ہیں۔

(اختر حفیظ سندھی زبان کے افسانہ نگار اور صحافی ہیں، اور ایک سندھی روزنامے میں کام کر رہے ہیں۔ ان سے ان کے ای میل ایڈریس akhterhafez@gmail.com پر رابطہ کیا جا سکتا ہے۔)

(بشکریہ ڈان نیوز)

Gul Hayat Institute

میرا بھائی...رسول بخش پلیجو

حور النساء پلیجو

ٹھٹہ ضلع کے ایک شہر جنگشاہی (ریلوی اسٹیشن) سے پون میل دور ندی کے کنارے ہمارا گاؤں منگر خان پلیجو کے نام سے مشہور ہے، ہمارے گاؤں کے آسپاس مختلف قبیلوں اور اقلیتوں، میگھواڑ، باگڑیوں کے گاؤں ہیں، تمام قصبوں کا آپس میں رواداری جیسا میل جول ہے۔ ہمارا علاقہ پتھریلی زمین، ریت کے ٹیلے اور کوہستانی پہاڑی سرزمین ہے، جہاں درختوں کی بجائے چھوٹے ریتیلے ٹیلوں اور پہاڑیوں پر ببر، جنگلی بیریوں اور مختلف قسم کے جنگلی پودے اگتے رہتے ہیں، جو کہ زیادہ تر سوکھے رہتے ہیں، جب بارشیں ہوتی ہیں۔ ساون کا موسم آتا ہے، تب ان سوکھے پودوں میں جان پڑ جاتی ہے اور جی اٹھتے ہیں، پہاڑیاں، ریت کے ٹیلے سبزہ زار بن جاتے ہیں۔ یہاں ہمیشہ پانی کی قلت رہی ہے، جب ساون میں دور دراز کی پہاڑیوں سے بارش کا پانی گر کر سیلاب کی صورت اختیار کرتا ہے، تب ہمارے گاؤں کی ندی میں بھی سیلاب آتا ہے، جب زیادہ برساتیں پڑتی ہیں تب بار بار ندی میں سیلاب بھی آتے رہتے ہیں، اور کئی دنوں تک ندی پورے آب وتاب سے رواں دواں بہتی رہتی ہے، جبکہ یہاں کے لوگ، بچے، بوڑھے، خواتین کے چہرے کھل اٹھتے ہیں، بڑوں سے لیکر بچوں تک سارا دن ندی میں نہانے، ڈبکیاں لگانے اور کپڑے دھونے میں گذار دیتے ہیں۔

پورے گاؤں میں صرف ہمارا ہی ایک گھر پڑھا لکھا تھا، ہمارے والد پڑھے لکھے اور پٹواری تھے، ان دنوں میرے تمام بھائی سندھ مدرسہ میں پڑھتے تھے، گاؤں میں کوئی اسکول نہیں تھا، صرف ایک مکتب تھا، زیادہ پڑھائی کو عیب سمجھا جاتا تھا، کھیتی باڑی، مال مویشی کو چرانے اور سنبھالنے کو اہمیت دی جاتی تھی چونکہ بھائی پڑھتے تھے، چنانچہ ان کو چور، نکما اور سست سمجھا جاتا تھا، مکتب سے دو چار جماعت پڑھ کے لڑکے جا کر کھیتی باڑی اور مال مویشی چراتے تھے، اور لڑکیوں کے ادلے بدلے،

Gul Hayat Institute

وٹے سٹے میں شادیاں ہو جاتی تھیں، وٹہ سٹہ کی شادیوں کی وجہ سے ان کے زندگیاں تباہ و برباد ہو جاتی تھیں، سندھی میں کہاوت ہے کہ، ''اٹے تے اٹو، کھارونہ کھٹو'' یعنی ''آٹے کے اوپر آٹا کھارانہ کھٹا'' برابر جنس یعنی انسان کے بدلے انسان۔ ان کی عمروں کو، ان کی خوبیوں اور صلاحیتوں کو نہیں دیکھا جاتا تھا، بھلے لڑکا کانا ہو، بڑی عمر کا ہو، لنگڑا ہو یا لڑکی پاگل ہو، عمر میں بڑی ہو، مگر آٹے کے اوپر آٹا، کھارانہ کھٹا کے مصداق انسان کے بدلے انسان۔ مطلب ایسی ہی شادیاں ہوتی تھیں۔

خاص طور پر لڑکیوں کی زندگی اجیرن بن جاتی تھی۔ ان بے جوڑ کی شادیوں میں ہر کوئی، لڑکی کا چچا، ماموں، بھائی، چچازاد، ماموں زاد وارث بنتے، ان کو وارث ہونے کے پہلے سے اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ لڑکے اور لڑکیوں کی آپس کی رنجشوں، ناراضگیوں کی لڑائیوں میں ہر کوئی لڑکی کو مارتا پیٹتا تھا۔ اور یوں خاندان میں تفرقے پڑ جاتے تھے، آپس کے خون کے رشتوں میں تضاد، نفرتیں ہو جاتیں۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاتے تھے۔ فریقین آمنے سامنے دوبدو ہو جاتے تھے۔ ہمارے خاندان پر بھی ایسی وٹہ سٹہ کی شادیوں کے بہت بڑے اثرات پڑے ہیں۔ ہماری بڑی بہن کی چچا کے پسند کی شادی کے بدلے میں وٹہ سٹہ کے عیوض شادی ہوئی تھی۔ چچا کی پسند کی شادی تھی۔ مگر چچا کے وٹہ سٹہ میں دی ہوئی ہماری بہن کی زبردستی شادی کی گئی تھی، یہ شادی بے جوڑ تھی۔ بہن اس شادی سے ناخوش تھی، لڑکے اور میری بہن دونوں میں زمین وآسمان کا فرق تھا۔ بہن اپنی زندگی سے ہاتھ اٹھانے اور مرنے مارنے پر تیار تھی۔

والد صاحب نے طلاق کی کوششیں کیں، لیکن پورا گاؤں، ہمارے چچا، اور ہمارے بڑے بھائی علی اکبر جو کہ رسول بخش پلیجو صاحب سے بھی بڑے تھے، سب کے سب طلاق کے خلاف تھے، کیوں کہ وہ پرانی ریتوں رسموں کے حامی تھے۔ طلاق کو غیر اخلاقی اور معیوب سمجھتے تھے۔ والد صاحب نے بڑی کوشش کیں، پورے گاؤں کے بڑے بوڑھوں بزرگوں، مولویوں، چھوٹے بڑے وڈیروں کو بلا کر فیصلہ کرواتے تھے، مگر کوئی حل نہیں نکل سکا، بالآخر گاؤں والوں، چچا، ملا، مولویوں نے فیصلہ کیا کہ لڑکی کو ہر حال میں سسُرال بھیج دینا چاہیے، بات سنتے ہوئے بھائی رسول بخش جو کہ اس وقت خاندان میں سب سے چھوٹی عمر کے تھے، مگر سنجیدگی سے اس معاملے کو دیکھتے ہوئے بڑے بھائی اور بابا کی غیر موجودگی میں پورے گھر اماں، بھائی، بہنوں، بڑے بھائی کی بیوی کو بچوں سمیت رات میں شفٹ کرا کے ٹھٹہ لے گئے، جب بڑے بھائی کو شفٹ ہونے کا پتہ چلا تو وہ بڑے عرصے تک گھر نہیں آئے۔

Gul Hayat Institute

ہماری خوش نصیبی ہی نہیں بلکہ ہمیں فخر ہے کہ ہم انکے چھوٹے بہن بھائی انکے زیرِ سایہ اور زیرِ تربیت رہے، انہی نے ہمیں باپ بن کر پالا، پڑھایا، لکھایا ہم سب بہن بھائیوں نے زیادہ تر وقت انہی کے ساتھ اکٹھے گزارا ہے، انکے ساتھ اس سفر میں رہتے ہوئے دکھ سکھ، خوشیوں اور لاتعداد حادثوں، تجربوں، قربانیوں، جدوجہدوں کے کئی مراحل دیکھے۔ پوری زندگی اسی گہما گہمی اور حیرت انگیز تجربوں سے گذری ہے، یہ ایک لا متناہی سفر کا سلسلہ تھا جو بیتا جا رہا تھا، ان کے دکھ سکھ والے سفر میں ہم مائیں، بہنیں دیگر گھر اور خاندان کی عورتیں ان کے ساتھ شریکِ سفر تھیں، اور میرے خیال میں اس سیاسی، سماجی، تاریخی تجربوں اور تبدیلیوں کا محور بھی یہ مظلوم عورتیں تھیں۔ وہ اپنے پیشے کے لحاظ سے کبھی ٹھٹہ کبھی حیدرآباد شفٹ ہوتے رہتے تھے، لہذا ہم چھوٹے بہن بھائیوں کو تعلیم کے حوالے سے انہی کے ساتھ رہنا پڑتا تھا، اُنہیں ہماری تعلیم کی ہمیشہ فکر رہتی تھی، اسکول کی پڑھائی سے لیکر ہوم ورک تک مضامین کو دیکھتے تھے، خود بھی ہمیں پڑھاتے تھے اور روزانہ ہمیں یاد کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی کام دیتے تھے، وہ کبھی خالی ہاتھ گھر نہیں آتے تھے، ہمیشہ ہمارے لیے کوئی نہ کوئی کتابیں لاتے تھے، کبھی گل پُھلُ رسالہ، کبھی مرزا قلیچ کی نیکی بدی، زینت ناول، تو کبھی محمد عثمان ڈیپلائی کی میروں، ملاں اور مولویوں پر مزاحیہ کہانیوں اور سانگھڑ جیسا ناول، آہستہ آہستہ برسہا برس درجہ بہ درجہ ان کتابوں میں اضافہ ہوتا رہا، کبھی اردو کی نامور ادیبہ عصمت چغتائی، قرأت العین حیدر، حاجرہ مسرور، پوپٹی هیرانندانی، کرشن چندر، منشی پریم چند، پیر حسام الدین راشدی اور جی ایم سید کی کتابیں تو کبھی میکسم گورکی، دوستووسکی، لیو ٹالسٹائے کی انقلابی ناول 'ماں'، چراغ جلتا رہا، دار ورسن کی آزمائش، ماؤزے تنگ کی تاریخی لانگ مارچیں، ہوچی منہ کی کہانیاں یہ سب کتابیں ہمیں باری باری کھڑے ہو کر ہم سے پڑھواتے تھے، تاکہ ہمارا تلفظ ٹھیک رہے اور اسطرح ہمیں مطالعے کی عادت پڑی، وہ کتابیں نہ صرف ہمیں پڑھاتے تھے بلکہ جب گاؤں آتے تو ہمارے گھر، خاندان کی عورتوں، پھوپھیوں، خالاؤں، چچازاد بہنوں، بڑی بوڑھیوں، نانیوں کو اکٹھا کر کے ایک جگہ بٹھا کر ان کو ہم لڑکیوں اور لڑکوں سے ان کے سامنے کھڑے ہو کر بلند آواز میں کہانیاں اور کتابیں انہیں پڑھوا کر سنواتے تھے۔ شروع میں انہیں یہ ناول، مضامین، کہانیاں سمجھ میں نہیں آتی تھیں، لیکن پھر آہستہ آہستہ انہیں سننے میں دلچسپی بڑھنے لگی تو وہ بڑے شوق اور تجسس کیساتھ محو ہو کر سنتی تھیں اور اپنے مخصوص لہجے میں اظہارِ خیال بھی کرتی تھیں، کتابیں پڑھنے کے بعد بھائی صاحب ان سے گانے کی فرمائش بھی کرتے تھے۔ ان دنوں میں عورتیں شادی

بیاہ کے گیت صرف اپنے بیٹوں بھائیوں، رشتہ داروں کی شادی و خوشی کے موقعے پر گایا کرتی تھیں، یوں کسی مرد کی فرمائش پر نہیں گاتی تھیں، مردوں کے سامنے گانے کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ بھائی کے کہنے پر پہلے تو وہ ہچکچاتی تھیں مگر پھر بعد میں حجاب توڑ کر بڑی خوشی سے لوک گیت اور شادی بیاہ کے گیت گا کر سناتی تھیں۔ ہماری امی، پھُپھو اور ہماری کزنوں کے سُر بہت میٹھے ٹلیوں جیسے ہوا کرتے تھے، وہ جب سب مل جل کر کورس کے انداز میں گاتی تھیں تو گھر کا پورا ماحول ان کے میٹھے سروں سے گونج اٹھتا تھا، جب ساون میں جو گی، جوگنی پچھی عورتیں دور دراز سے بھانت بھانت کے لوک گیتوں کو لیکر ہمارے کوہستانی علاقوں میں آتے تھے اور ہمارے گاؤں کے در در پہ گاتے ہوئے خیرات کی سین لگاتے تھے۔ تب ہماری امی، بہنیں، بھابھیاں اور گاؤں کی دیگر خواتین بڑے تپاک سے انکا استقبال اور خیر مقدم کرتی تھیں، امی انہیں بٹھا کر خاطر تواضع کرتی اور انسے مل جل کر گیت سنتی تھی، بھائی پلیجو صاحب ان جوگیوں سے دور دراز کے علاقوں کے سیاسی سماجی حالات پوچھتے تھے اور ان سے حال احوال کرتے تھے اور ان سے مرلیاں، بوڑینڈے، بانسری اور چنگ سنتے تھے، یوں پورا ساون انکی خوشیوں، غموں، بچھڑنے اور ملنے کے لوک گیتوں کے میٹھے سروں اور مدھر آلاپوں سے ماحول بناتا۔

مجھے یاد ہے کہ جب بھائی صاحب حیدرآباد شفٹ ہوئے تھے اور ادی زرینہ سے شادی کی تھی، ہم بھی بھائی صاحب کے ساتھ شفٹ ہوئے، اور حیدرآباد کے اسکولوں اور کالجوں میں آکر ایڈمیشن لے کر پڑھنے لگے۔ ان دنوں ون یونٹ کے خلاف سندھ کے لوگوں میں بہت غم و غصہ اور شدید نفرت تھی، بھائی صاحب چوبیس گھنٹے اجلاسوں میں ہوتے تھے، انہیں نہ کھانے کا ہوش تھا، نہ آرام کرنے کا، ون یونٹ کے خلاف لوگوں کو بیدار کرنے، اور شعور دینے کے لیے پورے سندھ کا دورہ کیا۔ سندھ کے ترقی پسند محب وطن اور علمی ادبی شخصیتوں سے ملے، ان کے ساتھ اس مسئلے پر بحث مباحثے کر کے ان کو متحد کیا، اسطرح ایک بڑی تحریک چلائی، جسے ایک تنظیم کے طور پر منظم کیا، جس میں ادی زرینہ، بھائی پلیجو، ع، ق شیخ، ابنِ حیات پنہور اور چاچا جویو صاحب تھے۔ ریڈیو پاکستان کے فنکار استاد جمن، استاد منظور علی خان، یوسف اور زیب النساء ممبر تھے، ان کے اجلاس گھر میں ہوتے تھے، گویا وہ گھر پورے سندھ کا تھا۔ جہاں ساری سندھ کا شعور اکٹھا ہوتا تھا، جہاں سیاسی، سماجی، علمی ادبی محفلیں سجتی تھیں، جہاں سندھ کی عزت، آبرو، سکھ، سلامتی کے لئے صلاح مصلحتیں، مشورے اور گفتگو ہوتی تھی۔ جہاں سندھ کی دشمن قوتوں، حکمرانوں اور آمروں کی

Gul Hayat Institute

پالیسیوں، سازشوں کے خلاف تجویزیں اور تدبیریں سوچی جاتی تھیں، جہاں پر سندھ کے فرسودہ جاگیرداری نظام کی ریتوں، رسموں اور رواجوں کے خلاف مزاحمتی تحریکوں کی بنیادیں رکھی گئیں، جہاں سندھ کے شعور کو بیدار کرنے کے لیے ادبی فورم بنائے گئے، جہاں ون یونٹ مخالف تحریک، نیلام بند کرو، صحافیوں کی جدوجہد، ایم آر ڈی جیسی مزاحمتی تحریکوں کے آغاز ہوئے، جہاں حیدر بخش جتوئی، محمد ابراہیم جویو، تنویر عباسی، رشید بھٹی، قاضی فیض محمد، ع۔ق شیخ، ابنِ حیات پنہور جیسے عظیم انقلابی، ادیب، دانشوروں کی آمد اور تذکرے ہوتے تھے، جہاں دانشوروں، ادیبوں کے آپس میں بڑے بڑے جوش و خروش سے علمی ادبی، شعر و شاعری اور سیاسی سماجی تاریخی بحث مباحثے اور تنقیدیں ہوتی تھیں، ایاز کی شاعری کے بڑے چرچے ہوتے تھے، ان کے گیت، غزلوں اور شاعری پر تبصرے اور تعریفیں ہوتی تھیں۔ ان دنوں بسنت ہال میں 'روح رہان' کے فنکشن و ادبی کانفرنسیں ہوتی تھیں، جب فنکشن کے دن قریب آتے تھے تو استاد جمن، استاد نیاز اپنے ساز و سرود مع ہارمونیم کے ہمارے گھر پر براجماں ہوتے تھے۔ ادی زرینہ، استاد جمن، شیخ ایاز و دیگر شعراء کے انقلابی گیتوں پر دھنیں مرتب کر کے ریہرسل کرتے تھے، شیخ ایاز و گدائی کی شاعری پر گیتوں کی نئی نئی دھنیں کمپوز کرتے وقت ساز و آواز میٹھے سروں اور مدھر آلاپوں سے پورے گھر پر ایک سحر طاری ہو جاتا تھا۔ ان روح رہان کے فنکشنوں میں سندھ کے کونے کونے سے نامور ادیب، شاعر، فنکار، سندھ کی اہل علم شخصیات ان فنکشنوں کو رونق بخشنے آتے تھے، بڑی محفلیں منعقد ہوتیں تھیں،، بھائی پلیجو صاحب ون یونٹ کے خلاف سندھ کے وجود اور بقاؑ کے مسائل پر بڑے جوش و خروش اور ولولے سے مدلل گھنٹوں تقریریں کر کے لوگوں پر سکتہ طاری کر دیتے تھے۔ اور جب شیخ ایاز اپنے مخصوص آواز کے ساتھ رومانٹک انداز میں طویل انقلابی نظم و شاعری پڑھ کر لوگوں کے ذہنوں اور ضمیروں کو جھنجھوڑ دیتے تھے، سامعین پر ایک ہیجان طاری ہو جاتا تھا، اور جب ادی زرینہ، شیخ ایاز کی انقلابی تحریروں کو ترنم میں گاتی تھیں تو گویا ان لفظوں میں جیسے جان پڑ جاتی تھی۔ ان دنوں ترقی پسند ادیبوں، شاعروں بالخصوص شیخ ایاز کے خلاف مذہبی، رجعت پرست اور فتویٰ باز ملاؤں کی جانب سے سندھ مخالف پروپیگنڈا شروع کی گئی کہ "سندھ کے یہ ادیب و شاعر کافرانہ ادب لکھتے ہیں۔" جیسے حملے کئے گئے جس کے جواب میں بھائی صاحب نے جواب میں ایک پوری تنقیدی کتاب (اندھا اوندھا ویچ) لکھ کر فتویٰ فروشوں کی زبانیں گنگ کر دیں۔

1976ء کا زمانہ تھا، سندھ میں خواتین کو منظم اور متحد کرنے کی مہم چلا رہے تھے، بھائی کے

Gul Hayat Institute

فیصلے بڑے حیران کن ہوتے تھے، سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں دیتے تھے، جو بھی فیصلہ کرتے تھے اس پر ہر حال میں عمل کرنا پڑتا تھا، وہ حکم نہیں بلکہ قائل کرنے کی کوشش کرتے تھے، چاہے اس کام پر عمل کرنے کے لیے حالات سازگار ہوں یا نہ ہوں مگر وہ حالات کے منتظر نہیں ہوتے تھے۔ ایک روز حیدرآباد میں عوامی تحریک کی میٹنگ ہو رہی تھی، کہ اچانک بھائی صاحب دورانِ میٹنگ اٹھ کر ہمارے کمرے میں آئے اور آکر ہماری چھوٹی بہن غلام فاطمہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہنے لگے کہ مجھے پتا تھا کہ آج تم کراچی جا رہی ہو اس وجہ سے جلدی میں تمہیں کچھ کہنے کے لئے آیا ہوں کہ ہماری میٹنگ میں یہ ایک تجویز آئی ہے کہ شیر خان لنڈ اور ان کے ارد گرد کے گاؤں جہاں زیادہ تر عوامی تحریک کے لوگ ہیں وہاں بہنوں کی تربیت اور انہیں منظم کرنے کی ضرورت ہے، تیاری کر کے ایک دو دن میں شیر خان لُنڈ کے گاؤں جاؤ اور وہاں جاکر رہو اور وہاں جاکر بہنوں کی تربیت کرو، ساتھ ہی بٹھورو اور دوسرے ارد گرد کے دیہاتوں اور قصبوں میں بھی جاکر سرگرمیاں کرنی ہیں۔

غلام فاطمہ یہ سن کر شش و پنج میں مبتلا ہو گئی کہ کیا کرنا چاہیے۔۔!؟؟ کیوں کہ ان کی گود میں ایک ماہ کی بچی تھی، ان کے شوہر غلام نبی ان دنوں کراچی میں اسسٹنٹ انجنیئر تھے، اور وہ کراچی میں رہتے تھے۔ بھائی نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ غلام نبی کے لیے بھی کوئی نہ کوئی حل نکل آئیگا، انکے تبادلے کی ہم کوشش کرتے ہیں تاکہ وہ بھی تمہارے نزدیک رہے، بٹھورو یا دڑو سائیڈ پر کام کرے۔ یہ بہت ضروری ہے، یہ سب تمہاری ذمہ داری پر ہے کہ تم اگر نہیں جاؤ گی تو بڑا نقصان ہوگا، میں سمجھتا ہوں کہ اس کام کے لئے تمہارا وہاں ہونا بہت ضروری ہے۔ باقی تمہارے بچے کا مسئلہ ہے تو وہاں گاؤں میں بہت سی خواتین ہیں جو تمہارے ساتھ تمہارے بچے کا بھی خیال رکھیں گی اور تمہاری بچی بھی گاؤں میں بہت خوش رہے گی۔ زیادہ سے زیادہ عرصہ وہاں پر رہنے کی کوشش کرنا، کم از کم چھ ماہ کے لئے ذہنی طور پر تیار رہنا۔ غلام فاطمہ کراچی روانہ ہو گئی اور جاکر اپنے شوہر غلام نبی سے اس بات کا ذکر کیا، جنہوں نے غلام فاطمہ کو جانے کی اجازت دے دی۔ دو تین روز کے بعد غلام نبی، غلام فاطمہ کو شیر خان لنڈ کے گاؤں چھوڑ آئے، غلام فاطمہ جب شیر خان لنڈ کے گھر گئی تو دیکھا کہ وہاں کی رہائشِ زندگی بہت ہی مشکل ترین تھی، وہاں کی خواتین زندگی کی رہن سہن سے بے خبر اور دنیا جہاں کی آسائشوں سے بے خبر تھیں، سارا دن زمینوں پر کام کرتیں اور شام کو واپسی پر اپنے مال مویشوں کے لئے گھاس اور چارے کی گھٹڑیاں سروں پہ اٹھا

ئے گھروں کو لوٹتی تھیں اور آتے ہی مال مویشیوں کو چارہ دیتیں اور انکی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ ہلکی پھلکی کچے تنکوں اور لکڑیوں کی چھت تھی اور چاروں اطراف جھاڑیوں کی باڑھ تھی، گھروں کا تصور بھی نہیں تھا۔ جب غلام فاطمہ وہاں پہنچی تو وہاں کی عورتیں بڑے پیار اور محبت کے ساتھ ان سے ملیں، غلام فاطمہ کی بچی کو سب نے بار بار اٹھا کر پیار کیا، اور انکی چھپر والی چھت کی لکڑی سے دوپٹے کا جھولا بنا کر اس میں ڈال کر جھولا جھلانے لگیں۔ غلام فاطمہ، ادا شیر خان لنڈ کے گاؤں میں انہی کے گھر میں رہیں، وہاں جا کر بڑے حوصلے اور بردباری کا مظاہرہ کیا، جب عورتیں کام کاج سے فارغ ہوتیں تو ان سب کو بلا کر ایک جگہ بٹھا کر ان سے گھل مل جاتیں، ان سے انکی حالاتِ زندگی معلوم کرتی۔ ان سے شادی بیاہ کے گیت سنتیں، انکے آپس میں تعلقات، گاؤں کے مسائل پر حال احوال کرتی اور کچھ دنوں کے بعد چھوٹی بڑی عورتوں کی پڑھائی لکھائی شروع کردی، بڑی محنت، دلچسپی اور لگن سے انکو پڑھاتی تھیں، ان کے ساتھ میٹنگ کرتی، لیکچر دینے لگیں۔ آہستہ آہستہ وہاں یونٹ کھولے اور اسٹڈی سرکل شروع کئے اور انکو مضمون، کہانیاں، ناول پڑھ کے سناتی۔ شیخ ایاز، ابراہیم منشی، سرویچ سجاولی کے انقلابی گیت گاتی اور بڑے شوق اور لگن سے وہ گیت مل جل کے کورس کے انداز میں ایک ساتھ گاتیں اور اسطرح رفتہ رفتہ وہ پڑھنا لکھنا بھی سیکھ گئیں۔ چند روز بعد غلام فاطمہ کے شوہر غلام نبی اپنا تبادلہ کروا کر دڑو آگئے تھے اور وہیں سائٹ پر کام کرنے لگے، اور غلام فاطمہ پھر گاؤں کی انہی خواتین کے ساتھ مل کر دوسرے ارد گرد کے نزدیکی گاؤں اور قصبوں میں بھی ایسی ہی سرگرمیاں شروع کردیں، اسطرح خواتین تنظیم کو منظم کر کے ایک کانفرنس منعقد کی، ہم جب اس کانفرنس میں گئے تو حیران رہ گئے کہ جب وہاں کی سادہ لوح خواتین نے سماج کی فرسودہ ریتوں، رسموں کے خلاف تقاریر کیں، انقلابی گیت گائے، اناؤسمینٹ کی، تو ہمیں جیسے معجزہ لگا۔ اس کانفرنس میں بھائی مہمانِ خاص کی حیثیت سے شریک ہوئے، بہنوں (دیہی خواتین) کی کارکردگی دیکھ کر بھائی بہت خوش ہوئے۔ غلام فاطمہ چھ ماہ کی بجائے وہاں 9 ماہ رہی۔

بلوچستان اور سرحد کی صوبائی حکومتیں ڈسمس کردی گئی تھیں، گورنر راج نافذ کیا گیا تھا، اور دونوں صوبوں کے سرداروں کو گرفتار کر کے حیدرآباد سازش کیس کے نام سے ایک کیس درج کر کے انہیں سینٹرل جیل حیدرآباد میں بھیجا گیا۔ ایسے سنگین وقت اور بدترین حالات میں بھائی صاحب نے ان بلوچ اور پختون سرداروں کا کیس لیا اور وکالت بھی کی، ساتھ ہی ساتھ ان کی اخلاقی اور سیاسی مدد بھی کی، ایک دن بھائی صاحب نے کہا کہ بلوچ اور پختون سرداروں کے کیس کی شنوائی

Gul Hayat Institute

ہے، تو میں نے کہا کہ بھائی! ہمارا دل بھی چاہتا ہے کہ ہم بھی اس کیس کی شنوائی کو دیکھیں، اگر موقع فراہم کریں تو ہم سندھیانی تحریک کا گروپ وہاں چل کر اس کیس کی کارروائی کو دیکھیں۔ بھائی صاحب نے بڑی خوشی سے کہا کہ ضرور آپ لوگ چلیں۔ مگر وہاں آکر جیل انتظامیہ سے اجازت لینی پڑے گی اور کیس کی کارروائی کو سننے کے لئے درخواست دینا، اور جب اجازت ملیگی تو اندر آنا، میں بھی کوشش کرونگا کہ آپ لوگوں کو اجازت ملے۔ بہرحال دوسرے دن ہمارا سندھیانی تحریک کا گروپ سینٹرل جیل حیدرآباد پہنچ گیا، وہاں ہم لوگوں نے درخواست لکھی کہ ہم وکالت کے طالبعلم ہیں، اس کیس کی کارروائی کو سننا اور دیکھنا چاہتے ہیں۔ لہذا ہمیں اجازت دی جائے، ہمیں اجازت مل گئی۔ ہم جیل کے اندر جانے لگے تو ساتھ میں ان سرداروں کیلئے امی کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی خشک ''خوراک'' کی بڑی دیگچی، کو اندر پہنچانے کے لئے بڑے سخت اور مشکل مرحلے سے گذرنا پڑا تھا۔ جب بھائی صاحب جیل میں ہوتے تھے، تو امی ان کے لیے اکثر زیادہ مقدار میں خوراک بناکر بھیجتی تھی، تاکہ قیدی دوست بھی ان کے ساتھ کھائیں۔ خیر ہم جیل کے اندر پہنچ کر گیلری میں جاکر بیٹھ گئے، ایک طرف کرسیوں کی قطار لگی ہوئی تھا، وہاں آہستہ آہستہ بلوچ اور پختون سردار بھی آکر بیٹھ گئے، وہ سب اپنے ثقافتی لباسوں میں اسٹائلش، نارمل اور گریس فل لگ رہے تھے، وکیل اور جج صاحبان بھی آگئے، پورا کمرہ لوگوں سے بھر گیا، بھائی صاحب بھی آگئے۔ ہمیں دیکھ کر ہاتھ اوپر اٹھا کر خوشی کا اظہار کیا، کیس کی کارروائی شروع ہوگئی، پہلی مرتبہ میں نے بھائی کو کیس کی کارروائی چلاتے ہوئے دیکھا، جج صاحبان اور بھائی کے بحث اور دلائل، بلوچ و پختون سرداروں سے سوال جواب، دوسرے وکیلوں کی مداخلت اور جرح میرے لئے بہت ہی حیرت انگیز باتیں تھی۔

Gul Hayat Institute

سندھیانی تحریک پلیجو صاحب کا ایک معجزہ اور تاریخی کرشمہ تھا، دیہاتی ان پڑھ اور دنیا جہاں سے بے خبر سماجی رسم ورواج میں قید خواتین کو دنیا جہاں کی تنظیموں، تحریکوں کے نظریاتی فکر و فلسفے کے مطالعے کروائے، بلکہ انہیں سیاسی، سماجی، تاریخی، ثقافتی اور سائنسی تربیت دے کر ان میں انکی صلاحیتوں کے مطابق اہلیت پیدا کی، ان کے اعتماد کو بحال کیا اور انہیں لیڈر بنا کر ایشیا کی واحد انقلابی، سائنسی نظریے سے مسلح ''بڑے بالوں والی فوج'' کا لقب بھی دلوایا۔ اور جن کے ذریعے سماج میں قائم فرسودہ رسومات روایات کے خلاف بغاوت کا علم بلند کرکے کاروکاری، چٹی کے رشتے، وٹہ سٹہ، بچپن کی اور زبردستی کی شادی، جرگہ جیسی وحشی رسم، خواتین کے ساتھ زیادتی و

ظلم، تعلیم، علم، شعور سے نابلد رکھنے کے خلاف مسکین اقلیتی لڑکیوں کو اغوا کر کے زبردستی مذہب تبدیل کرا کے انکی شادیاں کروانا، ذہنی و جسمانی تشدد کرنے جیسے غیر انسانی سلوک، غیر اخلاقی، غیر قانونی، غیر شرعی ریتوں رسموں اور رواجوں، ناانصافیوں اور زیادتیوں کے خلاف شعور و آگہی کے ساتھ عملی جدوجہد کے ذریعے ایسے عملوں کی حوصلہ شکنی کرنا رسول بخش پلیجو صاحب کا ہی کارنامہ ہے۔ بھائی رسول بخش پلیجو صاحب مذہبیت، انسانیت، رنگ و نسل کی قید و سوچ سے بالا ایک انسان دوست جمہوری معاشرے کی سوچ کے حامل تھے اور انکی تحریر و تقریر اور ساری عمر اسی جدوجہد کے لئے گذری تھی۔ عوامی تحریک کے ساتھ اپنی عالمی، انقلابی نظریے کے تحت اور ثابت قدمی کیساتھ ملکی مسائل، قومی اور طبقاتی جمہوری انقلابی جدوجہدوں کا تسلسل قائم رکھنے کے لئے سندھ کے اہم اشوز، پانی، تھل کینال، کالا باغ ڈیم کے خلاف تاریخی جدوجہد کی، سندھ کے وسائل، سندھ کی زمینوں، تارکینِ وطن کی آبادکاری، دہشتگردی، کرپشن، قبائلی جھگڑوں، بحریہ ٹاؤن، ذوالفقار آباد، ڈی ایچ اے سٹی، معصوم بچیوں پر قاتلانہ حملے اور سندھ کی حاکمیت، دورِ آمریت میں مارشل لاء کے خلاف جمہوریت کی بحالی کے لیے سندھیانی تحریک نے بڑی بہادری کیساتھ پوری سندھ کا دورہ کر کے خواتین کو مارشل لاء کے خلاف اور جمہوریت کی بحالی کے لئے شعور اور انہیں اپنا قومی فرض یاد دلایا اور اس طرح سندھیانی تحریک نے ایم آر ڈی تحریک کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لے کر خود کو پوری دنیا میں ثابت قدمی سے سیاسی طور پر روشناس کروایا۔ پلیجو صاحب کو ادراک تھا کہ جب تک سیاسی دھارا میں طبقاتی اور جمہوری انقلابی جدوجہدوں میں عورت کو حصہ دار نہیں بنایا جائیگا تب تک کبھی وہ سیاسی، سماجی، طبقاتی اور جمہوری انقلابی جدوجہد میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتی۔

Gul Hayat Institute

ایک دن ہمارے گاؤں کا ایک لڑکا جو ٹرین میں لسی بیچتا تھا ایک ماچیس کی ڈبیا لا کر امی کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے کہنے لگا کہ کل شام کو ریل میں لسی بیچ کر جب فارغ ہوا تو ریل کی پٹڑی کے پاس ہم کچھ لسی بیچنے والے دوست لوڈو کھیل رہے تھے کہ اس وقت کراچی سے ایک گاڑی آکر رکی، ریل کا ڈبہ جو میرے سامنے تھا اس میں سے اچانک دیکھا تو پلیجو صاحب تھے اور ان کے ساتھ پولیس بھی تھی، مجھے دیکھ کر انہوں نے ہاتھ ہلاتے ہوئے ہمارے سامنے ماچیس کی یہ ڈبیا پھینکی۔ میں نے ماچیس کھولی تو یہ کاغذ کا پرزہ اس میں پڑا تھا، امی حیران و پریشان ہو کر ماچیس کو دیکھنے لگی، اس میں سے کاغذ کا ٹکڑا نکال کر مجھے دیا، لکھا تھا۔

پیاری اماں، امید ہے کہ آپ اور گھر والے سب خیریت سے ہونگے، مجھے سرکار پنجاب بھیج رہی ہے، مگر آپ فکر نہ کرنا، میں بلکل ٹھیک اور خیریت سے ہوں، سب کو سلام، آپکا ''رب پ''

یہ پڑھکر ہم سب غمگیں ہو گئے۔ امی ویسے تو بہت ہی بردبار اور حوصلہ مند تھیں، لیکن بھائی کی سرگرمیوں کی وجہ سے ہمیشہ پریشان رہتی تھیں۔

پریشانی سے بچنے کے لیئے وہ شاہ کے سر مارئی، سسئی کے شعر گنگاتی تھیں، جب بھائی کی چٹھی پڑھ کے سنائی تو ان کا چہرہ ایک دم سے بجھ سا گیا، اور کھڑے کھڑے لڑکھڑانے لگیں، پریشان تو ہم بھی ہو گئی تھیں لیکن اس پل ہمت سے کام لینا تھا، وہی ہمت جو بھائی نے ہمیں اس راہ میں آنے والی درپیش مشکلاتوں کو بہادری سے حل کرنے کا حوصلہ دیا تھا، ہم نے امی کو بٹھایا، پانی کے دو گھونٹ پلائے، تسلی دی، اس وقت امی کی عمر غالباً 80 برس کے لگ بھگ تھی۔ چند روز بعد معلوم ہوا کہ بھائی پنجاب کی لکھپت جیل میں قید ہیں، لیکن کوئی بھی ملاقات کے لیے جاتا تو ملاقات کرنے نہیں دیتے تھے، ساتھ ہی یہ بھی افواہیں گردش کر رہیں تھی کہ پلیجو صاحب شاہی قلعے میں قید ہیں۔ خیر جب امی کو پتہ چلا کہ بھائی پنجاب کی جیل کوٹ لکھپت میں ہیں تو ماں کی ممتا بے صبر ہو گئی۔ لاہور چلنے اور بھائی سے ملنے کیلئے بیتاب ہو گئی۔ لاہور ہمارا دیکھا ہوا نہیں تھا، مگر پارٹی کی معرفت کسی طرح لاہور میں بھائی کے کسی دوست کو اپنے آنے کی پیشگی اطلاع کرادی اور پھر ہم لوگ بھائی کے بڑے بیٹے جمیل احمد، بھائی عبدالرحمن، اور بھابھی شریفہ بغیر کسی ایڈوانس بکنگ کے، صرف ٹکٹ لیکر گاڑی میں سوار ہو کر لاہور کیلئے روانہ ہو گئے، پیران سالی میں امی نے بڑے کرب اور تکلیفوں سے اس سفر کی صعوبتوں کو جھیلا تھا۔ لاہور اسٹیشن پر بھائی کے دوست پنجاب کے کچھ وکلا امی کے استقبال کے لیے ریلوے اسٹیشن پر پہلے سے موجود تھے، جنہوں نے بڑے احترام سے استقبال کیا۔

امی جو بڑھاپے میں اس تکلیف دہ سفر سے نڈھال ہو گئی تھیں، جب وہاں کے وکلاء کو دیکھا تو ہماری بھی کچھ ڈھارس بندھی اور انہوں نے امی کو سہارا دیا اور پھر ہم لوگ پروفیسر عزیز کے گھر آ گئے، پروفیسر عزیز صاحب بھی ان دنوں روپوش تھے، لیکن ان کے گھر والوں نے ہماری اپنے عزیزوں کی طرح خدمت کی۔ لاہور میں مارشل لاء کے افسران ڈپٹی ایڈ منسٹریشن DM.LA کی آفیسوں کے چکر لگائے ایک ہفتہ گذر چکا تھا مگر ملاقات کی اجازت نہیں ملی، بالآخر وہاں کے وکلاً صاحبان کی معرفت ہمیں گورنر ہاؤس لے گئے، اور امی کی جانب سے بھائی سے ملاقات کے لئے درخواست دی گئی، امی کو اندر بلوایا گیا، گورنر نے امی سے سلام کے بعد خیر و عافیت پوچھی تو امی نے کہا کہ آپ نے

Gul Hayat Institute

میرے بیٹے کو کیوں قید کیا ہے؟ میرے بیٹے نے پنجاب کا کونسا نقصان کیا ہے، جو آپ لوگوں نے میرے بیٹے کو قید کرر کھا ہے، ملاقاتیں بھی بند کرر کھی ہیں۔ پتا نہیں کہ وہ زندہ بھی ہے کہ نہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ اماں! آپکے بیٹے کو پنجاب والوں نے قید نہیں کیا، بلکہ سندھ حکومت نے انہیں قید کر کے یہاں بھیجا ہے، امی نے کہا کہ کیوں...؟ تو گورنر صاحب نے کہا کہ آپکے بیٹے نے قانون کی انحرافی کی ہے، قانون کو توڑا ہے، حکومت کے خلاف تقاریر کر کے اشتعال پھیلا رہا ہے۔ لوگوں کو حکومت کے خلاف اکساتا ہے، جس سے عوام میں انتشار پھیلا رہا ہے، قانون کی خلاف ورزی غداری کے زمرے میں آتی ہے، اس کمرے میں امی کے ساتھ کچھ سرکاری وکلا بھی بیٹھے ہوئے تھے، ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ "میرے پاس یہ وکیل بیٹھے ہوئے ہیں، ان کو کوئی قید نہیں کرتا، ؟" جواب میں امی نے کہا کہ یہ آپکے پاس جو وکیل بیٹھے ہوئے ہیں وہ آپکی ہاں میں ہاں ملاتے ہونگے، یہ صاحبان سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ نہیں کہتے ہونگے، مگر میرا بیٹا نہ چور ہے نہ دہشتگرد ہے نہ قاتل ہے، وہ اپنے ملک کا سچا فرد ہے، حق اور سچ کی بات کرتا، کبھی جھوٹ نہیں بولتا ہے۔ کبھی بھی اپنے ملک سے اپنے وطن سے غداری نہیں کرے گا، اگر آپکے پاس بیٹھے ہوئے وکیل سچ بولتے تو آج یہ بھی قید میں ہوتے۔ اس کے بعد گورنر صاحب نے امی کو کہا کہ آپ ہمارے مہمان ہیں، ہم آپکو دعوت دیتے ہیں کہ آپ یہیں رہیں، امی نے کہا کہ آپکی مہمانی آپکو مبارک ہو، میں فٹ پاتھ پر رہنا پسند کرونگی، لیکن میں ایسی دعوت قبول نہیں کرونگی، جہاں میرا بیٹا بیگناہ و بے سبب قید کیا ہوا ہے۔ جسکے بعد انہوں نے ہمیں سرکاری گاڑی دی اور کہا کہ جائیں اور جا کر ملاقات کریں، جب ہم لوگ کوٹ لکھپت پہنچے تو کافی دیر ہو چکی تھی۔ قیدیوں کی ملاقاتیں جاری تھیں۔ کچھ دیر انتظار کے بعد بھائی صاحب آئے، وہ دیکھنے میں کافی کمزور نظر آرہے تھے، جلد پر داغ نمودار تھے، نقاہت آنکھوں سے عیاں تھی، آشوبِ چشم کے عارضے میں مبتلا ہونے کی وجہ سے آنکھوں میں سوزش اور درد سے پانی بہہ رہا تھا۔ سب سے باری باری گلے ملے، ممتا کی ماری ماں تو بھائی کو دیکھتے ہی پاگل ہو گئیں تھیں، اور فطرتِ جذبات میں آکر ان سے لپٹ گئیں اور پھر اچانک بھائی کو ہاتھ سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے باہر کی جانب مڑیں اور ساتھ ہی کہتی جارہی تھیں "چلو چلو میں تمہیں یہاں نہیں چھوڑ سکتی، یہ تمہیں مار دینگے، میں نے سنا ہے کہ ان دشمنوں نے تمہیں بھٹو کی کوٹھڑی میں قید کیا ہے، جہاں روزانہ فجر کو کلمہ پڑھ کر زور سے نعرا لگا کر لوگوں کو پھانسیوں پر لٹکاتے ہیں۔ یہ لوگ تمہیں بھی مار دینگے، میں تمہیں یہاں نہیں چھوڑ سکتی، بھائی امی کو تسلیاں دے رہے تھے۔ امی آپ

اتنی مضبوط اور حوصلہ مند خاتون تھیں۔ آج یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں، کیا میں معافی مانگوں...!؟ لکھ کر دوں کہ میں نے گناہ کئے ہیں، میں ملک کا غدار ہوں، میں نے قانون کو توڑا ہے، آپ اتنی بہادر ہیں یہ اچانک سے آپکو کیا ہو گیا ہے؟ امی میں ایک دم ٹھہراؤ آگیا، خاموش ہو گئیں اور بھائی کو آنکھوں ہی آنکھوں میں دیکھے جا رہی تھیں۔ جس وقت ملاقات ہو رہی تھی اس وقت جیل کا سپرنٹینڈنٹ بھی تھوڑے فاصلے پر موجود امی اور بھائی کی ملاقات کا یہ جذباتی منظر دیکھ رہا تھا، میں خود جذباتی ہو گئی تھی۔ میں نے منہ پھیر لیا۔ اچانک میری نظر سپرنٹنڈنٹ پر پڑی تو یوں لگا گویا اسکی آنکھیں بھی نم ہو رہی ہیں۔ اسطرح مسلسل ایک ہفتے سے مارشل لاء ایڈ منسٹریٹرز کی آفیسز کے دھکے کھانے اور دربدر ہونے کے بعد جا کر صرف 45منٹ کے لئے قلیل وقت کی ملاقات نصیب ہوئی۔

بھائی پلیجو صاحب بظاہر ایک سادہ سی شخصیت کے مالک تھے، مگر بہت ہی ذہین اور جینیئس تھے۔ وہ علمی ادبی، فن اور فکر کا ایک وسیع و گہرا پر شور سمندر تھے، وہ بحرِ بیکراں تھے، وہ آفاقی علامت بنکر اس سوئے ہوئے زمانے کو جگانے آئے تھے، انہوں نے ہمیں غیر معمولی فکر اور جدوجہدوں کے نئے راستے دکھائے، دنیا کی تاریخ کے نئے موڑ اور نئے رخ متعارف کروائے۔ ان کی عام چھوٹی سی باتیں ہوتی تھی، جو بڑھ کر بڑی بڑی تبدیلیوں کا محرک بنیں تھیں، انہوں نے سندھ کے کونے کونے میں روشنی کی لاتعداد کرنیں پھیلادیں، لوگوں کی دلوں میں ہیجاں برپا کر دیئے۔ وہ بے پناہ خوبیوں اور صلاحیتوں کے مالک تھے، انہوں نے ساری عمر ذہنی اور دماغی مزدوری کی، ان کو وقت کا شدید احساس تھا، وہ کبھی کام اور وقت سے غافل نہیں ہوئے۔ وہ اپنے آپ سے بھی وقت کا اور کام کا سختی سے حساب لیتے تھے، اور کام کے حوالے سے اپنے آپ کو بھی کبھی معاف نہیں کیا۔ وہ ساری عمر، علم کی جستجو میں رہے۔ وہ ہمیشہ سندھ کی خوشحالی کے خواب دیکھتے تھے، ان خوابوں کو سچا کرنے کے جتن کرتے تھے، تجویزیں اور تدبیریں سوچتے رہتے، وہ سندھ کے عاشق اور حلالی بیٹے تھے۔ سندھ کے گمبھیر مسائل سے کبھی لاتعلق یا لاپرواہ نہیں رہے، انہوں نے مظلوم اور محکوم طبقے کے لئے جدوجہدیں کیں اور ان جدوجہدوں کے دوران ان کی زندگی میں کئی دکھ، تکلیفیں، پریشانیاں، بیماریاں، روپوشیاں، اور قید و بند کی صعوبتوں کے سالہا سال آئے، مگر کبھی حوصلہ، ہمت، بردباری اور استقلال کے دامن کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا، وہ سراپا جدوجہد تھے۔

آخری دنوں میں جب ڈاکٹروں نے حیدرآباد سے کراچی تک کے سفر کا منع کیا، کیونکہ سفر میں سانس کی تکلیف کی شکایت بڑھ جاتی تھی، طبیعت دن بدن بگڑتی گئی بالآخر انہیں بغرضِ علاج

Gul Hayat Institute

کراچی کی ایک مقامی نجی ہسپتال میں داخل کروایا گیا جہاں ان کے دوست، احباب، خاندان اور پارٹی کے ساتھی کارکن علمی ادبی، سیاسی، سماجی شخصیتوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ ان سے علم، ادب اور سیاست پر بحث مباحثہ، حال احوال، کچہریاں کرتے تھے۔ زبردستی اپنے آپ میں طاقت پیدا کر کے صحت مند، ہشاش بن کر اپنی طرف سے ان کو لیکچر شیخ ایاز، لطیف، استاد بخاری، فیض، رومی، سروپچ، منشی کے انقلابی گیت، نظم، برزبان یاد انہیں سناتے تھے، بستر پر لیٹے لیپ ٹاپ کو چھاتی پر رکھ کر دنیا جہاں کی خبریں حالاتِ حاضرہ کی معلومات، ملکی حالات کے بارے میں خود کو باخبر رکھتے تھے، اور اسکرین پر مختلف ملکوں کی میوزیشن پروگراموں کے علاوہ مقامی فنکاروں ادی زرینہ، استاد جمن، یوسف، سرمد سندھی کے گیتوں، وایوں کو سنتے تھے۔ خاندان سمیت پارٹی کے افراد تو ویسے ہی ہر وقت ان کے پاس بیٹھ کر انقلابی کلام گایا کرتے تھے، انہیں کہتے کہ مجھے صرف اور صرف انقلابی گیت سناؤ۔ پارٹی کے کارکن وسند تھری اور دیال صحرائی جو انہیں انقلابی کلام سناتے تھے، بھائی بڑے شوق وانہماک سے انہیں سنتے، محظوظ ہوتے اور انہیں داد بھی دیتے تھے۔ بھائی صاحب کی ہمیشہ ایک انوکھی عادت تھی کہ گھر میں کام کرنے والوں ڈرائیور، باورچی، صفائی کرنے والے لڑکوں سے ہمیشہ اپنے کارکنوں جیسا رویہ رکھتے تھے۔ وہ بندے چلتے پھرتے، کام کرتے ہوئے بہت کچھ سیکھ جاتے تھے، اور کارکنوں میں شمار ہوتے تھے۔ آخری دنوں میں اکثر خراب طبیعت کی وجہ سے دو دن گھر میں رہتے تو چار دن ہاسپٹل میں داخل ہوتے، ان دنوں گھر میں ایک باورچی تھا شاھد، بھائی انہیں پاس بلا کر اپنے ساتھ بٹھا کر ان سے انکے گاؤں کے بارے میں حال احوال کرتے، وہاں کے لوگ، اور وہاں کے سیاسی وسماجی حالات کے بارے میں پوچھتے، انہیں لیکچر دیتے۔ اپنے ملک، دھرتی، وطن اور ان کے مسائل کے دکھ سکھ اور خوشحالی کے بارے میں بات چیت کرتے تھے اور انقلابی شاعری سناتے پھر شاھد سے بھی شاہ کی کافیاں اور کئی دوسرے فنکاروں کے گائے ہوئے لوک گیت سنتے تھے۔ ان دو چار مہینوں میں جب بھی شاھد باورچی خانے میں کام کرنے جاتے تو اسے وہاں سے بلا لیتے تھے اور اس کی جگہ خاندان یا پارٹی کے کسی فرد یا کارکن کو کام کرنے کے لئے باورچی خانے میں بھیج دیتے تھے۔

بھائی صاحب باقاعدہ پلاننگ کیساتھ لوگوں کی تربیت کرتے تھے، ان چار مہینوں میں شاھد ایک اچھا خاصا سیاسی سماجی شعور رکھنے والا ایک انقلابی فنکار بن گیا۔ بھائی صاحب سے جو کوئی ملنے کے لیے آتا وہ خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا، اپنے ساتھ کچھ نہ کچھ لیکر جاتا تھا۔ یوں کہنا چاہئیے کہ جو بھی ان

Gul Hayat Institute

سے ملنے کے لئے آتا تھا، وہ واپسی پر جاتے ہوئے ڈھیر ساری نئی جانکاری، معلومات کیساتھ اپنی دوسری شناخت یا دوسری شخصیت لیکر جاتا تھا۔ گویا بھائی رسول بخش پلیجو اپنی شخصیت میں ایک علمی، ادبی، سیاسی، سماجی، تاریخی ادارہ یا یونیورسٹی تھے، ایک پُر شور گہرا وسیع سمندر تھے جہاں سے ہزاروں لوگ ایک ڈبکی میں کئی علمی لعل و گوہر تربیت لیکر جاتے۔ انہوں نے بنا کسی فرق کے کسی اونچ نیچ کے ہندو، مسلم، بھیل، میگھواڑ، باگڑی کارکنوں کی تربیت کی جنہیں لوگ مذہبی لسانی و رنگ نسل کی وجہ سے نظرانداز کرتے اور کمتر سمجھتے تھے۔ پلیجو صاحب ان کو حوصلہ بخشتے، عزت دیتے، اسٹیجوں پر بٹھایا کرتے اور ان سے اولین کردار ادا کرواتے، ہر جلسے میں ان سے خطاب کرواتے تھے۔

انہوں نے کبھی اقتدار کی لالچ نہیں کی، کبھی خواہشوں کے غلام نہیں رہے۔ جب کبھی منسٹری یا اعلیٰ عہدے کی آفر ہوئی تو کبھی کسی کی مصلحت قبول نہیں کی۔ اپنے کردار اور اصولوں پر کبھی سودی بازی نہیں کی اور نہ ہی کبھی روایتی سیاست کے پیروکار رہے، وہ اصولوں کے سخت پابند تھے۔ نہ کسی جابر ظالم کے آگے گھٹنے ٹیکے اور نہ کبھی دولت کی خواہش کی، ان کا مقصدِ ایمان صرف جدوجہد تھا۔ بیباک، اٹل، بردبار، دانشور تھے سیاسی، حقیقت پسند اور ادبی، نظریاتی تنظیم کا پیکر تھے، کمزوروں بے سہاروں کا حوصلہ تھے، مظلوموں، محکوموں اور محروموں کی آواز تھے، انہوں نے ہمیشہ مظلوموں کے حقوق کے لیے آواز اٹھائی۔

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو

(استاد نے اتنی کتابیں پڑھی ہیں جتنی کسی اور نے کم از کم پاکستان میں تو نہیں پڑھی ہوں گی)

جاوید سومرو

دسمبر کی وہ ٹھنڈی صبح مجھے اچھی طرح یاد ہے جب میں رسول بخش پلیجو سے پہلی مرتبہ ملا تھا۔ان کا تصور میرے لیے ایک دیومالائی تھا۔

1985ء کی اس صبح سے پہلے میں نے رسول بخش پلیجو کا صرف نام سنا تھااور ہمارے کامریڈ دوست بتاتے تھے کہ وہ انتہائی پڑھے لکھے، ذہین، بہادر اور کرشمہ ساز شخصیت کے مالک ہیں۔

پلیجو کے بیشتر قریبی ساتھی انہیں استاد کہہ کر یاد کرتے تھے۔ میرے ایک کامریڈ دوست نے مجھے بتایا تھا 'استاد نے اتنی کتابیں پڑھی ہیں جتنی کسی اور نے کم از کم پاکستان میں تو نہیں پڑھی ہوں گی۔'

رسول بخش پلیجو جنرل ضیاءالحق کے مارشل لاء کے دوران کئی برس سے جیل میں تھے اور ان کو بلوچستان کی بدنامِ زمانہ ''مچھ جیل'' اور ''کوٹ لکھپت جیل'' میں رکھا گیا تھا لیکن ملک میں فوج کے زیرِ سایہ قائم ہونے والی وزیراعظم محمد خان جونیجو کی حکومت میں سیاسی قیدیوں کو بعض آزادیاں ملیں اور ان ہی کے تحت رسول بخش پلیجو سمیت بائیں بازو کے کئی دیگر قیدی جیلوں سے نکال کر ہسپتالوں میں منتقل کئے گئے تھے۔

دسمبر کی اس صبح، میں بھی ایک دوست کے ہمراہ جناح ہسپتال کراچی کے اسپیشل وارڈ میں زیرِ علاج پلیجو صاحب سے ملنے گیا۔ انھوں نے انتہائی پیار اور اپنائیت سے بات کی، میرا تعارف پوچھا، معلوم کیا کہ میں کہاں سے ہوں، کیا پڑھتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ وہ دن میرے لیے بہت خوشی کا دن تھا۔ بائیں بازو کا ادب اور سیاسی کتابیں پڑھ کر اور کارل مارکس سے لے کر ماؤزے تنگ اور

Gul Hayat Institute

ہو چی منھ جیسے لوگوں کی داستانیں پڑھ کر میں نے اپنے رسول بخش پلیجو کا خاکہ بھی کچھ اس طرح کا بنایا ہوا تھا۔ لیکن جب ان سے ملاقات ہوئی تو وہ مجھے ایک شفیق استاد جیسے لگے۔

ان سے پہلی ملاقات میں ہی لگا کہ وہ بات کرنے، دلیل دینے، کتابوں سے حوالے پیش کرنے اور سندھی، اردو، فارسی اور عربی میں اشعار سنانے کے بہت بڑے ماہر تھے۔ میں بس ان کی باتیں ہی سنتا رہا۔ اور پھر سلسلہ اس طرح شروع ہوا کہ میں تقریباً روزانہ سات آٹھ اخبار لے کر انہیں دینے پہنچ جاتا تھا، ان سے حالات پر گفتگو ہوتی، ان سے ملنے کے لیے لوگ آتے جاتے رہتے اور میں ان کے لیے چائے وغیرہ کا بندوبست کرتا رہتا۔

اسی برس محمد خان جونیجو نے سیاسی قیدیوں کو رہا کیا تو رسول بخش پلیجو بھی رہا کر دیئے گئے۔

پلیجو سندھ میں قومی حقوق کے لیے چلنے والی اہم تحریکوں، جیسا کہ ون یونٹ مخالف تحریک، سندھی میں انتخابی فہرستیں چھپواؤ تحریک، کالا باغ ڈیم مخالف تحریک اور تحریک بحالیء جمہوریت یا ایم آر ڈی اور عدلیہ بحالی تحریک میں اہم کردار ادا کیا۔

رسول بخش پلیجو ایوب خان، ذوالفقار علی بھٹو اور جنرل ضیاء الحق کے ادوار میں اپنے سیاسی نظریات کی وجہ سے لگ بھگ گیارہ برس جیل میں رہے اور 1983ء میں ایمنسٹی انٹرنیشنل نے انہیں ''ضمیر کا قیدی'' قرار دیا تھا۔

رسول بخش پلیجو بہت اچھے منتظم اور سیاسی رہنمائے تھے، انہوں نے انیس سو اٹھاسی اور نوے کے انتخابات میں ٹھٹہ سے قومی اسمبلی کے لیے انتخاب لڑا، لیکن وہ پیپلز پارٹی کے امیدوار کے ہاتھوں شکست کھا گئے۔ رسول بخش پلیجو نے پڑھنے لکھنے سے شوق رکھنے والے کارکنوں کی اتنی بڑی تعداد تیار کی تھی کہ لوگ کہتے ہیں اگر ان کی جماعت اتنی مرتبہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہ ہوتی تو آج سندھ کی صورتحال انتہائی مختلف ہوتی اور شاید وہ پیپلز پارٹی کو بہت سخت مقابلہ دینے کے قابل ہوتی۔

سندھ کی سیاست میں انہوں نے بہت گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ بلاشبہ ان کے کئی نظریات اور پالیسیوں سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، لیکن انہوں نے سیاست میں جس طرح خواتین کو شریک کیا اور جس طرح کسان طبقے کو منظم کیا وہ ان ہی کا خاصہ تھا۔

رسول بخش پلیجو سے قبل دیہی سندھ میں کامریڈ حیدر بخش جتوئی نے کسان تحریک کو منظم کیا تھا، لیکن اس کام کو پلیجو جس سطح پر لے گئے وہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

(بشکریہ بی بی سی اردو)

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو کی یادیں

طلعت عباس خان

سیاسی لیڈر، اسکالر، صحافی، کتابوں کے مصنف، وکیل، لیفٹسٹ، مارکسسٹ اور سربراہ عوامی تحریک رسول بخش پلیجو سات جون دوہزار اٹھارہ کو اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ یہ سچ ہے کہ دنیا سے جانے والوں کو کہاں روک سکا ہے کوئی۔ پلیجو صاحب بھرپور زندگی گزارنے کے بعد رمضان کے مبارک مہینے میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ کوئی زمانہ تھا جب انکی اور میری فیملی کے درمیان رشتہ کی بات چل رہی تھی۔ بڑے بھائی اس وقت کراچی میں وکیل تھے۔ اسی عرصہ میں محترم رسول بخش پلیجو بھی وکالت کے پیشے سے منسلک تھے۔ سلام دعا کے رشتے کو آگے بڑھاتے ہوئے دونوں فیملیاں ایک دوسرے کے گھر اکثر آیا جایا کرتے تھے، مگر سچ کہتے ہیں رشتے آسمانوں پر بنتے ہیں۔ اگر رشتے آسمان پر نہ لکھ دیئے گئے ہوں تو پھر زمین پر بھی رشتے نہیں بنتے۔ ایسا ہی یہاں دکھائی دیتا ہے۔ باتوں ہی باتوں میں جب ہماری فیملی کو یہ بات عیاں ہوئی کہ رسول بخش پلیجو کی چار شادیاں ہو چکی ہیں۔ بس یہی وہ نیوز تھی جو رشتہ کی راہ میں رکاوٹ بنی۔ اب ذرا قدرت کا نظام دیکھئے۔ راقم کے جس بھائی نے رشتے کے لئے انکار کیا تھا۔ اب یہی بھائی شادیوں کی ہیٹرک کر چکے ہیں۔ لگتا ہے اس بھائی کی اتنی شادیاں شائد اس لئے ہوئیں کہ اس وقت قدرت کو یہ بات ہماری ناگوار گزری تھی۔ اس کے بعد بھی آپ سے تعلق، واسطہ رہا۔ آپ خوبصورت انسان، بڑے دل کے مالک اور پیار کرنے والی شخصیت تھے۔ گھنٹوں باتیں کرتے مگر یوں لگتا جیسے ابھی چند منٹ ہی ہوئے ہیں بور نہیں ہوتے تھے۔ دلچسپ شخصیت کے مالک تھے۔ یہی خوبی زرینہ بلوچ پلیجو کی تھی۔ ہنس مکھ چہرہ۔ باتوں سے پھول جھڑتے تھے۔ دونوں کی شخصیت میں عاجزی انکساری نمایاں تھی۔ سندھ کی مشہور فوک سنگر اور ٹیچر زرینہ بلوچ، رسول بخش پلیجو کی چار بیویوں میں سے ایک تھیں۔

خوبصورت آواز کے ساتھ آپ خوبصورت شخصیت کی مالک بھی تھیں۔اپنی خوبصورت آواز کی وجہ سے ریڈیو پاکستان حیدرآباد سے منسلک تھیں۔ حکومت نے انہیں1961ء میں سرکاری ایوارڈ سے بھی نوازا تھا۔ زرینہ بلوچ حیدرآباد میں سکول ٹیچر اور ریڈیو سے بھی منسلک تھیں۔ ٹیچر کی جاب سے 1997ء میں ریٹائرڈ ہوئیں۔ رسول بخش پلیجو کی سیاسی تحریک میں زرینہ بلوچ سکھر جیل میں قید رہیں۔انہوں نے ہر مشکل گھڑی میں رسول بخش پلیجو کا ساتھ دیا۔ شانہ بشانہ ساتھ کھڑی رہی۔ دونوں کی جوڑی مثالی جوڑی کہلاتی تھی۔ پلیجو صاحب اکثر اپنے بچپن کی باتیں بتایا کرتے تھے کہ میری ماں اچھی آواز رکھتی تھیں لیکن گاتی نہیں تھیں، کیونکہ گاؤں کے لوگ سمجھتے تھے کہ گانا گانا شریعت کے خلاف ہے۔ رسول بخش پلیجو کا تعلق سندھ کے گاؤں منگر خان پلیجو جنگشاہی ٹھٹہ ڈسٹرکٹ سے تھا۔ مرحوم 21-فروری 1930ء کو اسی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ والدِ محترم پٹواری تھے، بچپن سے ہی کہانیاں پڑھنے کا شوق تھا۔ جو کہانی کا ہیرو ہوتا وہی بننے کی کوشش کرتے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں ہی حاصل کی، سیکنڈری تعلیم سندھ مدرستہ الاسلام کراچی سے حاصل کی۔ پھر سندھ مسلم لاء کالج سے لاء کی ڈگری حاصل کی۔ آپ ہندی، سرائیکی، بنگالی، پنجابی اور فارسی بول سکتے تھے، پڑھ سکتے تھے۔ آپ کو لٹریچر سے خصوصی دلچسپی تھی۔ لٹریچر میں کانت، ہیگل، کارل مارکس، لینن، مہاتما گاندھی، محمد علی جناح پر بہت وسیع مطالعہ رکھتے تھے۔ فیوڈل سسٹم اور بیوروکریٹس کے خلاف کھل کر بولتے تھے۔ بتایا کرتے تھے کہ ہمارے گاؤں میں عورت کی تعلیم پر پابندی تھی۔ اس کے باوجود میں نے اپنی بہنوں کو پڑھایا، پھر انہیں اسکول کھول کر دیا۔ گاؤں والے عورتوں کی تعلیم کے خلاف اس لئے تھے کہ وہ سمجھتے تھے کہ پڑھنے والی عورتیں گھروں سے بھاگ جاتی ہیں۔ ایسی سوچ جہالت کی عکاسی کرتی تھی۔ کہا کرتے تھے کہ ہمارے ہاں جہالت اس قدر تھی کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کی پٹائی نہیں کرتا تھا تو لوگ اسے مرد نہیں سمجھتے تھے۔ میرے والد جب میری ماں سے بات کرتے اس سے مشورہ کرتے تو رشتہ دار اور گاؤں والے اسے برا سمجھتے۔ میرے والد پر انگلیاں اٹھاتے تھے کہ یہ کوئی مرد ہے جو پٹائی نہیں کرتا اور بیوی سے مشورہ کرتا ہے۔ میں نے جہالت کے خلاف جنگ لڑی، عورتوں کے حقوق کی جنگ لڑی، سندھ کے حقوق کی جنگ لڑی، غربت کے خلاف جنگ لڑی۔ یہی میری زندگی کا مقصد رہا۔ کہتے تھے ملک کا سب سے اہم مسئلہ اس وقت پانی کا ہے۔ ہمارے حکمران سندھو دریا کا پانی بیچ چکے ہیں۔ قوم کو کالا باغ ڈیم کے چکر میں لڑا رہے ہیں۔ سندھ کی زمینیں پانی کے بغیر بنجر ہو چکی ہیں۔ ایسا ہی حال ملک کی باقی زمینوں کا ہونے

Gul Hayat Institute

کو ہے۔ آپ کا کہنا تھا کہ ملکی ترقی کے لئے جہالت کا خاتمہ ضروری ہے۔ جب تک ملک میں جہالت کے اندھیرے ختم نہیں ہونگے ملک میں غدار اور کافر بنانے کی فیکٹریاں یوں ہی زہر اگلتی رہیں گی۔ اکادمی ادبیات کے چیئرمین سید جنید اخلاق نے اپنے بیان میں کہا کہ رسول بخش پلیجو مرحوم نے ساری زندگی مارشل لاء، جاگیرداری نظام اور سامراجیت کے خلاف جدوجہد میں گزاری۔ مرحوم سیاسی، ادبی، تاریخی، فکری اور تنقیدی ادب پر 35 کتابوں کے خالق تھے۔ انسانی حقوق اور ادب کے حوالے سے انکی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔ امید ہے اتنی بڑی شخصیت پر اکادمی ادبیات اپنے فورم پر پروگرام ضرور کرے گی۔ رسول بخش پلیجو جیسی شخصیات کبھی مرتی نہیں ہمیشہ زندہ رہتی ہیں۔ دعا ہے رسول بخش پلیجو کو جنت الفردوس میں اللہ جگہ دے اور عزیز واقارب کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین (مرنے والے تجھے روئے گا زمانہ برسوں)۔

(بشکریہ نوائے وقت)

Gul Hayat Institute

پلیجو...دنیا چھوڑ کر بھی...تاریخ رقم کر گئے

ابراهیم کنبھر

رسول بخش پلیجو کی تدفین انقلابی گیتوں کی گونج میں اور جس صنفی امتیاز سے بالاتر انداز میں ہوئی ہے، اس کی مثال گذشتہ ڈیڑھ دو صدیوں میں سندھ، پاکستان، ایشیاء کیا، دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ خواتین اپنے سیاسی رہنما کا جنازہ کاندھوں پر اٹھائے گیت گاتی، نعرے لگاتی، صدمے کو حوصلے اور دکھ کو ولولے میں تبدیل کرکے چل رہی ہوں۔ رسول بخش پلیجو کی تدفین کے اس انداز کو سندھ میں ایک بہت بڑی تبدیلی کی علامت سمجھا جارہا ہے۔ پلیجو کی سیاسی ناکامیوں کو گننے والے ساری عمر حساب کتاب کرتے رہیں لیکن جو کام وہ جاتے جاتے کر گئے ہیں وہ ان کے حقیقی انقلابی رہنما ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

"ابراہیم ایسا کبھی نہیں ہوا، اس کو کیا سمجھتے ہو؟ یہ ایک بلکل منفرد اور غیر معمولی واقعہ ہے، یہ نئے سندھ کی بنیاد ہے، یہ سب کچھ بدل کر رکھ دے گا"، میرے ایک پڑھے لکھے، ڈاکٹر دوست مجھے فون پر بتارہے تھے جو خود حقوق سندھ کے سب سے بڑے وکیل ہیں۔ وہ پلیجو کی موت پر اندر سے کافی گھائل تھے۔ سات جون کو رسول بخش پلیجو کا انتقال ہوا اور آٹھ جون کی صبح آبائی گاؤں منگر خان پلیجو میں انہیں سپرد خاک کر دیا گیا تھا۔ لازمی نہیں کہ مرنے والے کی صرف زندگی پر ہی روشنی ڈال دی جائے، اور لازمی نہیں موت پر بس دکھ ہی کیا جائے، پلیجو صاحب اکثر شاہ عبداللطیف بھٹائی کا یہ شعر پڑھتے تھے۔

اکھ الٹی دھار، وَہُنُ الٹو عام سیں
جی لھوارو لوک وہے، تہ توں اوچو وھو اوبھار
منجھان نوچ نہار، پُر پٹھیرو پریںءَ ڈے۔

جس سے مراد نئے رنگ، ڈھنگ سے زندگی گذارنے کے انداز سیکھیں، دنیا کو عام نہیں اپنی آنکھ سے، الٹی آنکھ سے دیکھا کریں، لوگوں کی مخالف سمت میں چلیں، جینے میں اپنا انداز اختیار کریں، لوگ بہاؤ میں بہہ جاتے ہیں، تم اونچائی کی طرف چلو، محبوب کی طرف رخ کرکے اس کے پیچھے نہ چلو۔ تو زندگی کیوں، موت کی طرف چلتے ہیں، ہم بھی سمت مخالف میں نکلتے ہیں۔ مرنے والے کی تعریف تو دشمن بھی کرتے ہیں، ہم اس کی موت کی تعریف کیوں نہ کریں جو جاتے جاتے وہ کچھ دے گیا ہے جو بس سنبھالنا ہے۔ چاہوں تو پلیجو کی سیاست، ان کی ادبی خدمات، ان کی کہانیوں، شاعری، تراجم، فنِ خطابت، ان کے عشق، ان کی فنکارانہ صلاحیتوں، ان پر لگائے جانے والے الزامات، جیل کی زندگی، حاضر جوابی اور ان کی بھرپور زندگی پر دو چار الفاظ لکھ سکتا ہوں، لیکن ان کی موت کے بعد رونما ہونے والے ان واقعات کو کیوں نظرانداز کریں جو آنے والے وقت کے بڑے واقعات ہوں گے۔ ایسے واقعات اور لمحات جن کو آنکھیں پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔ گھٹن میں پلنے والا سماج پہلی بار اس پر حیراں ہوا، منبر پر بیٹھ کر اپنی تنگ نظر تشریحات سے سماج کا گلا دبانے والے اُس جاہل کو پریشان کیوں نہ کیا جائے جس نے غلبہ حاصل کر لیا ہے، اس کے ہوتے ہوئے ایسے لمحات دیکھنے کو ملیں تو وہ لمحات ہی ان سے نجات کا راستہ نکالتے ہیں۔

ہمہ گیر شخصیات اپنی زندگی میں تاریخ بناتی ہیں، لیکن صدیوں بعد ایسی شخصیات پیدا ہوتی ہیں جو مرتے مرتے بھی نئی تاریخ رقم کر جاتی ہیں، وقتی طور پر یا جان بوجھ کر اسے بھلے نظرانداز کر دیا جائے، کسی کھاتے میں نہ لایا جائے، منہ موڑا جائے، اس کی طرف توجہ نہ دی جائے لیکن یہ نئی روایت کئی فرسودہ روایات کے خاتمے کا پیش خیمہ بنتی ہے، اور فطری اصول یہی ہے کہ پھر اسی روایت کو آگے چلنا اور رائج کرنا ہوتا ہے۔ انقلابی کے اس آخری سفر پر بار بار سوچ کر میں پھر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ رسول بخش پلیجو نے زندگی میں کئی نئے تجربے کیئے، لیکن اس کی وفات کے بعد جنم لینے والے واقعات بھی کسی تاریخی تجربے سے کم نہیں۔ وہ مرتے مرتے ایک نئی تاریخ رقم کر گئے ہیں۔ وہ تاریخ صنفی امتیاز کے خاتمے کی تاریخ ہے، خواتین کے حقوق کی حاصلات کی تاریخ ہے، وہ عورت کی برابری، خود مختاری، آزادی اور فیصلہ سازی کے اختیار رکھنے کی تاریخ ہے۔ پلیجو صاحب نے جو درس اپنے سیاسی ساتھیوں کو دیا تھا اس کا عملی جامہ اس کی آنکھیں بند ہوتے ہی دیکھا گیا۔

پدرانہ سماج میں مذہبی تعلیم سے لیکر گھر کے فیصلہ سازی تک کا اختیار مرد کے پاس ہوتا ہے، یہاں تک کہ تنگ نظر سماج مرد کے روّیے کا پتا لگانے کی بھی آڑ میں ہوتا ہے۔ فیصلہ سازی کا اختیار

عورت کو سونپنے کا تصور تو دور کی بات ہے، عورت کو اس میں شریک بنانے پر بھی اس سماج کے مرد کی مردانگی پر سوال اٹھتے ہیں، اور پھر ہم تو خیر ایک اسلامی ملک میں رہتے ہیں، ہمیں یہ سبق پڑھایا جاتا ہے کہ ریاست اور ملک کا بھی مذہب ہوتا ہے، ہم چونکہ مسلم ملک کے باسی ہیں اس لیے خواتین کا پردے میں رہنا لازمی ہے، اور عورت کے اس پردے کے لیے بھی ہر فرقہ کے پاس اپنا ابایا یا برقعہ ہے۔ ہاتھ نظر آنے چاہیں یا نہیں، پاؤں میں موزوں تک کی رنگت کا تعین بھی منبر پر بیٹھا مولوی کرتا ہے، وہ شلوار جس کا چودہ سوٗ برس کوئی تصور نہیں تھا اس کے پہننے کا طریقہ، اس کو ٹخنوں کے اوپر رکھنا ہے، نیچے۔۔ وہ مسئلہ بھی مولوی کے پاس لایا جاتا ہے۔ ایسے دیس میں خواتین ایک سیاستداں کے جنازے کو کاندھا دیں، انقلابی استقبالیہ گیتوں کی گونج میں سلامی دیں، مرد لوگوں کے ساتھ صفیں بنا کر جنازہ نماز پڑھیں، پھر انقلابی گیت اور جوشیلے نعروں کے ساتھ میت کو لحد میں اتار کر ہاتھوں سے مٹی ڈالیں، یہ سب کچھ جاہل ملا کے بتائے ہوئے مذہب، اس فرسودہ سماجی نظام اور ان کی گھٹیا روایات سے بغاوت نہیں تو اور کیا ہے؟ خواتین اور مردوں کا اس لاش پر نوحہ کناں ہونا تو اپنی جگہ، لیکن ان کے لبوں پر امید کے گیت، منزل پانے کے گیت، حاصلات کے گیت، حوصلے اور آرزؤں اور تبدیلی کے گیت تھے۔

خواتین اس ملک کی آدھی آبادی ہے، لیکن برسوں سے ان کی حیثیت تسلیم کرنے کے مطالبات ہوتے رہے ہیں۔ جس ملک کی پارلیامنٹ میں انتہاپسندوں کے حامی ممبران ''کوایجوکیشن'' ختم کرانے کے لیے قرارداد لانے کو تیار ہوں، جہاں سپریم کورٹ میں ایسے مشترکہ تعلیمی نظام کو یہود و کفار کا نظام کہہ کر درخواستیں دینے کی تیاری ہو رہی ہو، جہاں پردہ داری کو لازمی قرار دینے کے لیے قانونسازی کی بات کی جائے، کیا اس ملک میں یہ واقعہ بڑا نہیں کہ خواتین ایک مرد کی لاش اپنے کاندھوں پر اٹھا کر دفنائیں یا جنازے نماز والے مذہبی فریضے میں وہی خواتین مرد بھائیوں کے ساتھ صف بندی کر کے نماز ادا کریں۔ یہ سب کچھ اس بات کا اعلان ہے کہ اب انسان کو جنم دینے اور پھر پالنے والی عورت اسے اکیلے دفن کرنے کے لیے بھی ذہنی طور تیار ہے، اور جو عورت اس حد تک تیار ہو اسے کون شکست دے سکتا ہے؟

یہ ابتداء سندھ سے ہوئی ہے، سندھ کی اس انقلابی عورت نے ثابت کر دکھایا کہ وہ ان ملائیت کے جھوٹے درس، تشریحات، دقیانوسی روایات اور بندشوں اور خستہ حال سماجی زنجیروں سے آزاد ہو چکی ہے، کسی نے مجھے بتایا کہ سندھ میں ایسے ایک دو واقعات پہلے بھی ہو چکے ہیں۔ مہان شاعر شیخ

Gul Hayat Institute

ایاز کی میت کو لحد میں اتارنے کے وقت ایک شاعرہ شاید زیب نظامانی موجود تھیں یا پھر ۲۰۱۴ء میں ایجنسیوں کے ہاتھوں اغوا کے بعد قتل کیے جانے والے نوجوان افضل پنہور کی والدہ بھی اپنے لال کی میت کے ساتھ قبرستان آئی اور بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے لحد میں اتارا تھا۔

دنیا کے عظیم فلاسفر سقراط اور افلاطون دونوں صنفی امتیاز کے مخالف تھے، سقراط کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ صنفی امتیاز کے موضوع پر بحث کرتے اکثر گھوڑا گاڑی کی مثال دیا کرتے تھے کہ اگر چھکڑے کو گھوڑا کھینچ سکتا ہے تو وہی کام گھوڑی بھی بہتر انداز میں انجام دے سکتی ہے، اسی طرح جنس کی بنیاد پر امتیاز بے معنٰی ہے، کسی عورت کو بھی اعلیٰ مقام مل سکتا ہے، سقراط کے بعد آنے والے افلاطون بھی ان ہی خیالات کے حامل تھے کہ عورت ریاست کے ہر عہدے تک پہنچ سکتی ہے بات قابلیت کی ہے، رسول بخش پلیجو سقراط نہیں تھے لیکن انہوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ خواتین کو سیاسی میدان میں رہنمائی کرنی چاہیے، ایک جگہ تو پلیجو نے یہاں تک بھی کہا تھا کہ میری خواہش ہے کہ میری جماعت کی سربراہی کسی محکوم اور استحصال کا شکار طبقے کی کسی ''کولہی''، ''بھیل'' عورت کے پاس ہو، اور ہم نے دیکھا کہ اس جنازے میں مسلم غیر مسلم مرد اور خواتین کا کوئی فرق نہیں رہا تھا۔

پاکستان میں خواتین کے حقوق کے لیے متحرک تمام اداروں اور تنظیموں کو فوری طور پر رسول بخش پلیجو کی تیار کردہ ان بڑے بالوں والی عوامی فوج سے رابطہ کرنا چاہیے جو یہ خوب سمجھتی ہیں کہ عورت کے حقوق کیا ہیں؟ اور جن کو یہ بھی پتا ہے کہ ٹھنڈے کمروں میں بیٹھ کر فائلوں کا پیٹ بھرنا اور بڑے بڑے عہدے لیکر عورت حقوق نہیں لیے جا سکتے، ان کے لیے پلیجو جیسا استاد بھی ہو تو تپتے سورج میں ننگے پاؤں لانگ مارچ کی تپسیا سے گذر کر اس مقام پر پہنچا جا سکتا ہے۔ خواتین کی بات کرتے ہوئے میں ان لڑکیوں کی بہادری کو نہیں بھول سکتا جو خود ایک تحریک کی صورت اختیار کر چکی ہیں، میں تنویر آریجو، سورٹھ اور سسئی لوہر کی سربراہی میں چلنے والی اس تحریک کو بلکل نہیں بھول نہیں سکتا۔ پورا سندھ ان کے ساتھ ہے، اور وہ تحریک اپنے گم کردہ پیاروں کی بازیابی کی لیے چل رہی ہے، ایک اور تحریک کی رہنمائی اس ننھی منی لڑکی اُمّ رباب کی سربراہی میں چل رہی ہے جس کے بابا، چچا اور دادا کے قاتلوں کے نشانات پیپلز پارٹی کے کیمپ تک جاتے ہیں۔ اس اُمّ رباب نے بھی حلف اٹھایا ہے کہ جب تک سرداروں کے روپ میں جلاد قاتل نہیں پکڑے جاتے تب تک آرام سے نہیں بیٹھوں گی، یہ بلکل وہی اُمّ رباب ہے جو کراچی میں چیف جسٹس کی گاڑی کے آگے رکی تھی، پورے میڈیا پر خبریں چلنے کے باوجود ٹکر ز پر سوموٹو لینے والے متحرک چیف جسٹس کو پتا نہیں کیوں اس بچی کی چیخ و پکار سنائی نہیں دی؟ (بشکریہ پاکستان-24نیوز)

انقلابی گیتوں کی گونج میں کامریڈ پلیجو کوالوداع

ابراھیم کنبھر

صحافت کے طالب علم جانتے ہیں کہ گریوڈگر تھیوری کیا ہے، جان آف کینیڈی کے قتل کے بعد اس کی قبر کھودنے والے گورکن سے کیئے گئے انٹرویو اور اس کی اشاعت کے بعد یہ تھیوری متعارف ہوئی جس سے مراد کسی بھی نئے اینگل پر اسٹوری بنانا ہے۔ میں بھی اپنے اس کالم کی شروعات سندھ اور پاکستان کی ایک بڑی شخصیت کی مزار سے کرنا چاہتا تھا، لیکن بات صرف مزار تک محدود نہیں، وہ شخصیت اتنی قدآور اور پھل دار درخت کی مانند ہے کہ ان پر کچھ لکھے بغیر بات نہیں بنتی۔

یہ ایک انقلابی کے آخری سفر کی کہانی ہے، اس کی اپنی کہانی کیا ہے....؟اس کے لیے تو کئی کتابیں چاہئیں، آخری سفر کی اس کہانی میں دکھ، درد، جوش جذبہ، ولولہ اور انقلاب کے رنگ شامل ہیں۔ یہ جو تصاویر ہیں کیا یہ معمولی ہیں؟

ایسا سفر جس کے مناظر دیکھ کر آنکھیں دنگ رہ جاتی ہیں اور کافی آنکھوں کو شاید پھر کبھی ایسے مناظر دیکھنے کو مل نہ پائیں۔

پہلے تو اس شخصیت کی بات، جو کئی دنوں سے علیل تھی۔ وہ کافی عرصہ سے کراچی کے ایک اسپتال میں داخل تھے، ان کی صحت دن بہ دن بگڑ رہی تھی، انہیں دیکھنے کے لیے اسپتال میں اور اس کے آس پاس کئی ساتھی موجود تھے، سب دیکھ رہے تھے کہ اب امید بر نظر نہیں آتی، لیکن ان میں سے کوئی بھی موت کی بھیانک خبر سننے کو تیار نہ تھا، اس کرشماتی شخصیت نے نہ صرف اپنی پوری زندگی لڑ کر گذاری تھی بلکہ جہالت کے اندھیروں سے لڑ کر جینے کا درس اپنی پوری جماعت کے

Gul Hayat Institute

ساتھی بچوں، مرد اور خواتین کو دیا تھا۔ انہوں نے پوری قوم کو جہالت، دقیانوسی قبائلی روایات، انتہا پسندی، مذہبی جنونیت، علم دشمنی، استحصال، آمریت اور سامراج کا مقابلہ کرنے کے گر سکھائے، اس لیے کچھ لوگ ان کو گرو، کچھ استاد، کچھ وڈا اور باقی ان کے نام کے ساتھ صاحب لگا کر پکارتے تھے، نام ہے ان کا رسول بخش پلیجو... وہ پلیجو جو ابراہیم جویو کا شاگرد کہلوانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔

اسپتال میں وہ آخری ہچکیاں لے رہے تھے لیکن باہر سب کی زبان پر تھا کہ وہ سنبھل رہے ہیں، سب اس بات کے خواہاں تھے کہ وہ موت سے موت کے بستر پر ہی لڑ کر اسے شکست دیں گے اور ایک بار پھر اپنی انگلیوں کو وکٹری بنا کر مسکرا کر بولیں گے، ''کامریڈ موت ہمیں کیا مارے گی...؟''اس کے ساتھی پلیجو میں انقلاب دیکھتے تھے، لیکن اس بار یہ سب کچھ نہیں ہو سکا، وہ جابر نہ ہو سکے اور نہ جھکنے والے، نہ بکنے والے رسول بخش پلیجو ایسے سفر پر چل دیے جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔

اُن کے موت کی خبر نے سندھ کے ساتھ ملک اور دنیا کے تمام لبرل، جمہوریت پسند، ترقی پسند اور بائیں بازو کی سوچ کے حامل لوگوں کو سوگوار کر دیا، کیوں کہ رسول بخش پلیجو کبھی کبھی پیدا ہوتے ہیں، وہ جہدِ مسلسل کی علامت اور سندھ کی ایک جیتی جاگتی تاریخ تھے، وہ ایک ایسی ہمہ گیر شخصیت تھے جو صدیوں کے بعد پیدا ہوتی ہیں۔

مجھے ان کی موت نے لرزہ دیا تھا، میں ایک صحافی ہوتے ہوئے بھی خود کو سنبھال نہ پایا۔ وہ مجھ سمیت ہزاروں لوگوں کے سیاسی استاد تھے، میں ایک اضطرابی کیفیت سے گذر رہا تھا، لیکن اچانک مجھے اپنے ہی اس استاد کی ایک تقریر یاد آئی جو انہوں نے اپنے ایک تحریکی ساتھی فاضل راہو کی شہادت پر کی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ: ''ہمیں اس صدمے کو طاقت میں تبدیل کر کے آگے بڑھنا ہے، اپنے دکھ کو انقلابی جذبے میں بدل کر مقابلہ کرنا ہے''۔

میری بدقسمتی ہے کہ جب پلیجو صاحب شدید علیل اور اسپتال کے وینٹلیٹر پر مصنوعی سانسیں لے رہے تھے ان ہی دنوں میرے ہاتھوں میں ایک ایسی کتاب کا مسودہ تھا جس کا بڑا حصہ پلیجو صاحب کے خلاف لکھا گیا تھا، وہ کتاب مجھے پروف ریڈنگ اور ایڈیٹنگ کے لیے دی گئی تھی۔ کتاب کے مصنف خود پلیجو صاحب کے ہی سیاسی شاگرد رہے ہیں، یہ بھی المیہ ہے کہ پلیجو صاحب کے کئی سیاسی طالب علم ان کو بیچ بھنور میں چھوڑ کر چلے گئے، ان کو ہر بار پھر سے ایک نیا قافلہ بنا کر

Gul Hayat Institute

آگے بڑھنا پڑتا تھا، پھر آگے کوئی رکاوٹ آجاتی اور کئی پلیجو پیدا ہو کر اصل پلیجو کو چھوڑ دیتے۔ مجھے پلیجو کے ساتھ چار دہائیاں چلنے والے ماموں عارب کیڑانو کے ان الفاظ نے رلا دیا کہ: ''میں اس کا لاڈلا بھی ہوں اور نافرمان بھی ہوں لیکن اس وقت ایسی حالت میں ہوں کہ یہ بیان نہیں کر سکتا کہ پلیجو کیا تھے..؟'' ساتھ چھوڑنے کے باوجود آج بھی اس کے کئی سیاسی مخالف پلیجو صاحب کو اپنا سیاسی استاد مانتے ہیں۔ اب پلیجو صاحب نہیں رہے تو اب یہ دعوے اور زیادہ بڑھنے لگیں گے، میں اس کتاب کی بات کر رہا تھا اب یہ نہیں معلوم کہ اس کتاب پر کوئی نظرثانی ہو گی کہ نہیں یا اس کتاب کی اشاعت سے اب کوئی فائدہ بھی ہو گا کہ نہیں۔

رسول بخش پلیجو کی موت نے ان کے مخالفین کو بھی رلا دیا، میں نہیں جانتا کہ پاکستان، ایشیا یا دنیا میں اور کون سی شخصیات کے جنازے اس غیر معمولی انداز میں نکلے ہوں گے۔ میں سرکاری سپاہیوں یا قومی ترانوں کی دھن میں دفنائے جانے والے جنازوں کی بات نہیں کر رہا، میں عوامی سیاستداں کی موت کے بعد کی بات کر رہا ہوں، ابھی کل ہی کی بات ہے کہ انسانی حقوق کی علمبردار محترمہ عاصمہ جہانگیر کی ناگہانی موت پر کچھ خواتین اپنے گھروں سے نکلی تھیں اور سماجی بندھن توڑ کر ان کے جنازے میں شریک ہوئیں، فتوا بازوں نے ان پر بہت کچھ کہا، لاہور اور اسلام آباد سے تعلق رکھنے والی ان خواتین میں ایلیٹ، لبرل، پڑھی لکھی اور انسانی حقوق کی ورکر کلاس شامل تھی، وہ جنازہ لاہور کے ایک قبرستان کی ایک لحد میں اتارا گیا تھا۔ لیکن لاہور اور گوٹھ منگر خان پلیجو میں بہت فرق ہے۔ جیسے لٹے پھٹے، بکھرے، اجڑے سندھ اور ترقی کرتے پنجاب میں فرق ہے۔ اس گاؤں منگر خان پلیجو میں رسول بخش پلیجو کا جنازہ بھی بڑی دھوم دھام سے نکلا۔ ہم مردہ پرست قوم ہیں، بندے کی زندگی میں اس کی قدر نہیں کرتے اور مرنے کے بعد ان کے دشمن بھی گن گاتے ہیں، یہ بحث بھی الگ، لیکن لاڈ بائی کے اس بیٹے نے جو سیاسی نسل تیار کی تھی انہوں نے اپنے لیڈر کو جس چاہ، پیار اور دھوم دھام سے الوداع کیا اس کی مثال پاکستان تو کیا اس خطے میں کہیں نہیں ملتی۔ کتنے سیاستدان ہیں جن کی جماعت کی خواتین نے مردوں کے ساتھ ان کی جنازہ نماز پڑھی ہے؟

موت ناگزیر ہے، لوگوں نے آنا ہے اور چلے جانا ہے، مرتے لوگوں پر بس دعا دم درود اور پھر ان کو منوں مٹی تلے دبا دیا جاتا ہے، لیکن یہ پلیجو کا جنازہ تھا جس میں ہر آنکھ اشکبار اپنی جگہ لیکن ہر دل میں تجدیدِ عہدِ وفا تھا۔ رسول بخش پلیجو کا انتقال کراچی کے ایک مقامی اسپتال میں ہوا تھا۔ جہاں سے میت پہلے سرد خانے پھر ان کی میت کو ان کے آبائی گاؤں منگر خان پلیجو لے جایا گیا۔ جب ان کا جنازہ

کراچی سے گاؤں لے جایا گیا تو کراچی اور ٹھٹہ کے درمیاں کے تمام شہروں میں لوگ راستوں پر نکل آئے۔ ٹھٹہ پلیجو کا آبائی گاؤں ہے، اور انہوں نے سیاست کی شروعات بھی یہاں سے کی، وہ ان کے گاؤں والے بھی تھے تو پرانے کامریڈ ساتھی بھی۔ سارے شہر کے لوگ جھنڈے اور ان کی تصاویر لے کر کھڑے ہو گئے، جن میں بڑی تعداد میں خواتین بھی شامل تھیں، جنازے والی ایمبولنس جہاں جہاں سے گذر رہی تھی لوگ انقلابی انداز میں اپنے قائد کو سلامی دے رہے تھے۔ جب جسدِ خاکی والی ایمبولنس تاریخی قبرستان جنگشاہی پہنچی تو سینکڑوں خواتین ایک ڈسپلنڈ عوامی فوج کی طرح قطار در قطار بنا کر کھڑی ہو گئیں۔ ان میں سے کئی خواتین کی گود میں بچے، ہاتھوں میں پارٹی کے جھنڈے اور تصاویر تھیں۔ رسول بخش پلیجو ایک ایسی انقلابی تنظیم کے سپریم کمانڈر تھے جن کے ساتھ فاضل راہو اور میر علی بخش خان جیسے زمیندار بھی کارکن بن کر کام کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ فاضل راہو اور تالپور پر پارٹی یا پلیجو کو فخر اس لیے رہا ہے کہ انہوں نے کبھی ڈسپلین نہیں توڑا۔

یہ آخری سفر عجیب اس لئے تھا کہ لوگوں کی آنکھیں اشکبار تھیں لیکن ان کی زبان پر کورس کے انداز میں انقلابی گیت تھے، وہ گیت جن میں امید ہی امید تھی، اور مایوسی کی کوئی جھلک کہیں دور تک نظر نہیں آ رہی تھی۔ لوگ دھاڑیں مار کر رو رہے تھے، کاندھے تسلیوں کو ڈھونڈ رہے تھے، لیکن ان خواتین اور مردوں کی زبان پر اپنے قائد کی عظمت کے نعرے تھے۔ وہ خواتین اپنے سپریم کمانڈر انقلابی لیڈر کی میت کو سلامی دے رہی تھیں۔ وہ بچیاں، بچے، بوڑھے، جوان سب ایک ہی ضابطے میں تھے۔ یہ سب وہ خواتین تھی جو عوامی تحریک کے محاذ سندھیانی تحریک کی ورکرز تھیں اور ان سب نے رسول بخش پلیجو کے ساتھ مل کر جدوجہد کی تھی۔ آج ان کا انقلابی رہنماان میں نہیں تھا۔ رسول بخش پلیجو سے اختلاف رکھنے والے بھی اس بات پر متفق ہیں کہ انہوں نے سندھ کی خواتین کو ایک سیاسی پلیٹ فارم پر ایسا متحرک کیا کہ ایم آر ڈی سے لیکر کالا باغ ڈیم یا آمر مشرف کے خلاف چلنے والی تحریک میں انہوں نے ہراوّل دستوں کا کام کیا۔ یہ تدفین کے ایک دن پہلے کی بات تھی، جب جمعہ کے دن پلیجو صاحب کی تدفین ہوئی تو پورے سندھ سے سینکڑوں خواتین اس گاؤں میں پہنچ چکی تھیں، جس کی مٹی کو اپنے لاڈلے کی میت نصیب تھی۔

رسول بخش پلیجو کی میت کو سندھیانی تحریک کی ورکرز کاندھا دے کر گھر سے باہر لائیں، اس سماج میں جہاں خواتین کو قبرستان پر جانے نہیں دیا جاتا وہاں پلیجو کی سیاسی طالبات نے اپنے لیڈر کے جنازے کو اپنا کاندھا دیا۔ جنازہ گاہ میں رسول بخش پلیجو کی میت کو اجرک اور پارٹی کے جھنڈے میں

لپیٹ کر لایا گیا تو اس وقت بھی ایک طرف سسکیاں اور آہیں ضرور تھیں، لیکن کئی زبانیں ایسی تھیں جن پر انقلابی گیت تھے۔ کئی لب تھے جن پر نعرے تھے۔ پرجوش نعرے، انقلابی گیت، میت کو سرخ سلام، پھولوں کی بارش، پلیجو اپنے پیچھے ہزاروں کارکنان سوگوار چھوڑ کر گئے ہیں۔ یہ کسی واحد سیاسی لیڈر کا جنازہ تھا جس میں ہزاروں خواتین مردوں کے ساتھ صفیں بنا کر نمازِ جنازہ پڑھی ہیں، اس جنازے میں ہر ایک کے پاس اپنا درد اور یاد تھی، لیکن درد بھرے گلے سے نکلتے انقلابی گیتوں کے مدھم سروں کی گونج میں پلیجو صاحب کو الوداع کیا گیا۔

میں نے جو مناظر دیکھے وہ صرف رِقّت آمیز ہی نہیں تھے بلکہ مجھے وہ مناظر بدلتے ہوئے سندھ کی تصویر دکھائی دے رہے تھے۔ سندھ میں سیاسی اجارہ داری رکھنے والے سیاستداں آج بھی اپنی خاتون کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دینے سے کتراتے ہیں۔ سندھ کے بھوٗتار کلاس کی خواتین کو کار میں سوار کرنے سے پہلے کار کے شیشوں کو مٹی لگائی جاتی ہے۔ پلیجو کے ہم عصر سندھ کے کسی قوم پرست سیاستداں نے اپنی خواتین کو برقعہ میں رہنے کی ہی تلقین کی اور مرتے دم تک ان کو گھروں میں بند رکھا، لیکن یہ رسول بخش پلیجو اور فاضل راہو تھے، جنہوں نے کہا کہ: ”انقلاب کی ابتداء گھر سے کرنی چاہیے“ اور پھر کر کے دکھایا۔ پلیجو صاحب کا آخری دیدار کرنے والے اس ہجوم میں کئی وہ چہرے بھی تھے جو برسوں پہلے رسول بخش پلیجو سے سیاسی راہیں جدا کر چکے تھے، لیکن آج وہ بھی اداس تھے۔ ان خاموش چہروں پر اداسی کے ساتھ پشیمانی کی ریکھائیں بھی تھیں لیکن ان سب پر بڑا سوال یہ تھا کہ اب سندھ کا کیا ہوگا؟ کیوں کہ وہ سندھ کے حقوق کے ایک بڑے وکیل کو اپنے ہاتھوں سے مٹی ماں کے حوالے کرنے آئے تھے، ایسا وکیل جس نے ساری عمر لڑتے، جدوجہد کرتے اور انقلاب کے درس دیتے گزار دی۔

”جہاں کے ڈیو مبارکوں، اسیں پیا کاہیندا اچوں،
نون سرن میں زندگی جا گیت گائیندا اچوں“۔

آہوں اور سسکیوں سے ملے جلے سُروں میں مٹی کے حوالے ہونے والے پلیجو کے لیے خواتین گا رہی تھیں کہ ”کہے سندھڑی ساری جیئے پلیجو، کہیں دیس کے ہاری جیئے پلیجو، رہبر ایسا قوم کا ہوگا، کبھی نہ کوئی“

(بشکریہ پاکستان-24 نیوز)

Gul Hayat Institute

غضب کی یادداشت

حسین مسرت

عورت، جدوجہد، عزت اور اسکی اہمیت کا احساس، ادب پہ دسترس اور تخلیقی صلاحیت و معلومات کا خزانہ، بین الاقوامی ادب کا مطالعہ اور تنقیدی شعور، یہ تمام باتیں میں نے رسول بخش پلیجو صاحب سے اپنی پہلی ملاقات میں محسوس کیں۔

مجھے پلیجو صاحب کا انٹرویو کرنا تھا۔

میں نے پہلے امر سندھو سے اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے گذارش کی کہ مجھے پلیجو صاحب سے انٹرویو کا وقت لینے میں مدد کریں۔ سندھو نے کہا کہ وہ مل لیں گے، ایسے نہیں ہیں۔

میں نے سوچا تھا کہ اتنی بڑی مشہور و معروف سیاسی شخصیت جو مجھے جانتے بھی نہیں ایسے کیسے چلی جاؤں، لیکن بالآخر جانے کا قصد کر لیا، ادی نسیم جلبانی کو ساتھ لیا اور D.10 کے لئے روانہ ہو گئی۔ مجھے حیرت اس وقت ہوئی جب نہ جان پہچان ہوتے ہوئے بھی وہ بڑی گرم جوشی سے ملے۔ انٹرویو کے لئے اسی وقت تیار ہو گئے۔ یہ نہیں کہا کہ ابھی تیاری نہیں ہے پھر کسی وقت آنا۔

رسول بخش پلیجو صاحب نے مجھ سے اور ادی نسیم جلبانی سے بڑی اچھی طرح بات کی اور میرے کئے گئے مختصر سوالات کے تفصیلی جوابات دئے۔ میں حیران تھی کہ ہم فیمنسٹ کی طرح ان کو بھی عورت جدوجہد کی تاریخ ازبریاد تھی۔ سماج میں آنے والی ہر تبدیلی کو عورت کے سیاسی تصور کے ساتھ جوڑ رہے تھے۔ عورتوں کو سیاسی طور پر سرگرم کرنے کے سلسلے میں جناب رسول بخش پلیجو صاحب کی کوششیں تاریخ ساز ہیں۔

سندھیانی تحریک، جو ایشیا کی سب سے پہلی منظم سیاسی تنظیم ہے اس کے بانی بھی رسول بخش پلیجو صاحب ہیں۔

Gul Hayat Institute

سندھیانی تحریک کی جتنی بھی کارکن اور لیڈر خواتین سے میں ملی ہوں وہ سب مجھے سیاسی طور پر بہت باشعور اور اپنی رائے دینے میں پر اعتماد نظر آئیں۔ ادبی شعور کے ساتھ بات کرتی ہیں۔ زیادہ تر خواتین کو شاہ بھٹائی اور شیخ ایاز کے اشعار یاد ہوتے ہیں۔ وہ خواتین بہت اچھا گا بھی لیتی ہیں۔ ان کے انقلابی و ثقافتی گانوں میں بھرپور جوش اور جذبہ ہوتا ہے۔

میں نے رسول بخش پلیجو صاحب کو اپنے کام اور جدوجہد سے بہت کمیٹیڈ اور وقت کا پابند محسوس کیا۔ اپنی گفتگو میں وہ بار بار زاہدہ کا نام ضرور لیتے رہے۔ زاہدہ ان کا بچوں کی طرح خیال رکھتی تھیں۔ ہر کام وقت پر کرنے کے عادی انسان کے ساتھ رہنے والے خود بہ خود وقت کے پابند ہو جاتے ہیں۔

۲۰۱۷ء کے ''ایاز میلہ'' میں خانہ بدوش رائٹرس کیفے پہ پابندیٔ وقت پر آنے والے وہ پہلے مہمان تھے۔ ''ایاز میلہ'' جس کی روحِ رواں امر سندھو اور عرفانہ ملاح ہیں۔ انہوں نے پلیجو صاحب کو میلے کے افتتاح کے لئے مدعو کیا تھا۔ میں حیران رہ گئی جب ''ایاز میلے'' کے افتتاح کے بعد اسٹیج پر بیٹھ کر انہوں نے میرا پوچھا، کیوں کہ میلے کے منتظمین میں میرا نام بھی شامل تھا۔

بلاشبہ پلیجو صاحب نے جو سندھیانی تحریک شروع کی اس کے لئے وہ قابلِ تعریف ہیں اور ان کی سیاسی تحریریں سندھی قوم کو سیاسی شعور کا راستہ دکھاتی ہیں۔ ان کا تخلیقی کام قابلِ تحسین ہے۔ لیڈر قوم کو راستہ دکھاتا ہے۔ اور قوم کی فکری دھارا کا بھی انتخاب کرتا ہے۔ کالا باغ ڈیم کے خلاف انہوں نے جو منظم تحریک چلائی، سندھیانی تحریک کے ساتھ لانگ مارچ کئے وہ اپنی جگہ بہت اہم ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے جو اپنی علمی قابلیت کی بنا پر، تحقیق کے ساتھ دنیا کے سامنے ثابت کیا کہ کالا باغ ڈیم کسی طور بھی سندھ کے مفاد میں نہیں ہے، میں سمجھتی ہوں کہ یہ انکساری قوم پر احسان ہے۔

Gul Hayat Institute

جب رسول بخش پلیجو صاحب کی طبیعت ناساز تھی اور پھر کچھ دنوں بعد وہ اپنی مٹی ماں سے گلے ملنے چلے گئے، اس وقت کالا باغ ڈیم کا شوشا سر اٹھا رہا تھا، پھر جیسے پلیجو صاحب زندہ ہو گئے، کیونکہ لوگ انکے انٹرویوز، تقاریر اور تحریریں سوشل میڈیا پر تیزی سے شیئر کرنے لگے گویا جیسے جناب پلیجو صاحب ''سندھ کا کیس'' لڑنے کے لئے قبر سے واپس آ گئے ہیں۔

لیڈر وہ ہوتا ہے جو صرف لوگوں کو اپنے پیچھے نعرے لگانے پر مجبور نہیں کرتا بلکہ لیڈر قوم کو اجتماعی سوچ دیتا ہے، شعور و فکر دیتا ہے، سوچنا اور سوال پوچھنا سکھاتا ہے۔

پلیجو صاحب کی کہانیاں پڑھ کر ہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ارد گرد کے واقعات پر کتنی گہری نظر رکھتے تھے۔ پلیجو صاحب کی کہانیوں کے پلاٹ سماجی مسائل پر مبنی ہیں اور انکا اسلوب انتہائی سادہ اور عام فہم ہے۔ جس طرح گاؤں میں لب و لہجہ بولا جاتا ہے اسی طرح عام اور آسان کردار بھی یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے آس پاس ہی یہ سب کچھ زندہ موجود ہیں۔ انکی کہانی ''بختاور'' کا کردار اور ''کریماں'' و دیگر خواتین کے کردار نمایاں ہیں۔ اس کہانی میں عورت کو نہ حسن و حیا کا مجسمہ دکھایا گیا ہے اور نہ ہی صرف مظلوم اور دکھی دکھایا گیا ہے۔ ''بختاور'' کے کردار سیاسی ورکر اور انقلابی سوچ رکھنے والے ہیں۔ ایسی خواتین جو مختلف تحریکوں سے جڑی اور اپنی مزاحمت جاری رکھے ہوئے ہیں، پلیجو صاحب نے اپنی کہانیوں میں عورتوں سے متعلقہ مسائل اور جرائم کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ وہ وکیل بھی تھے تو انکی کورٹ کہانیاں بھی بہت اہم ہیں۔ کاروکاری، غیرت کے نام پر عورتوں کو بیدردی سے قتل کئے جانے پر انہوں نے قلم اٹھایا ہے، زبردستی کی شادیاں اور کمسنی کی بیجوڑ شادیوں پر انکی تحریریں بہت ہی حساسیت سے بھرپور تحریریں ہیں۔

پلیجو صاحب کی کہانی ''جِتِ باہ برے'' (جہاں آگ جلے)، ''پسی گاڑھا گل'' (سرخ پھولوں کی محسوسیت) اور دیگر کہانیاں سندھی ادب میں نمایاں حیثیت رکھتی ہیں، حالانکہ انکی کہانیاں چند ایک ہیں لیکن مجھے ایسا لگتا ہے یہ چند کہانیاں بھی عورتوں سے متعلقہ بہت سارے اشوز کو اجاگر کر رہی ہیں۔ پلیجو صاحب نے جو دیگر مضامین لکھے ہیں وہ سندھ کے مسائل، سیاسی و سماجی پسمنظر میں لکھے گئے ہیں، بین الاقوامی ادب پر ان کی گرفت اور دسترس کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

بلاشبہ پلیجو صاحب جیسی شخصیات صدیوں اور زمانوں میں پیدا ہوتیں ہیں، جن کی زندگی جہدِ مسلسل اور مزاحمت کی علامت ہوتی ہے۔ رسول بخش پلیجو صاحب نے عملی جدوجہد بھی کی لیکن انکی قلمی خدمات عالمِ اقوام اور انسانیت کا پیغام ہیں جسے صرف سندھی زبان یا سندھ تک محدود نہیں رکھا جاسکتا۔

Gul Hayat Institute

آج رسول بخش پلیجو کا انتقال ہو گیا

رفیع

مطالعہ ء پاکستان سے میری دوری کا آغاز انہی کے ہاتھوں ہوا تھا۔ مڈل سکول میں تھا جب پلیجو صاحب کا ایک بیان پڑھا کہ ہم سندھی محمد بن قاسم کی تعظیم کیوں کریں؟ جس نے سندھ کی بیٹیاں اغوا کر کے دمشق بھیج دی تھیں۔ کئی دن اخباروں میں آڑے ہاتھوں لئے گئے۔

اس بیان کے۔ چند دن بعد ڈاکٹر مبارک علی نے جنگ میں ایک مضمون لکھا جس میں انہوں نے تاریخی حوالوں سے پلیجو صاحب کو درست ثابت کیا۔ میں نے پنجاب پبلک لائبریری میں ان میں سے کئی حوالے خود جا کر پڑھے۔ اس کے بعد مطالعہ پاکستان میرے لیے ہمیشہ کے لیے مشکوک ہو گیا۔ مطالعہ ء پاکستان کے ہر دعوے کو تنقیدی نظر سے دیکھنے لگا اور اس کی وجہ سے تاریخ پڑھنے لگا۔

پلیجو صاحب مطالعہ ء پاکستان کو ٹھیک کرنا چاہتا تھا مگر ہمیں سمجھ نئیں آنی۔ الوداع پلیجو صاحب اور میرے اندر تاریخ کا ایک طالبعلم بیدار کرنے کا شکریہ۔

Gul Hayat Institute

بلھے شاہ اسی مرنا ناہیں
گور پیا کوئی ہور۔۔۔

(بشکریہ ٹویٹر)

رسول بخش پلیجو پاکستان میں مزاحمتی سیاست کا ایک باب

علی حسن (صحافی)

پاکستان کے صوبہ سندھ میں مزاحمتی سیاست کا ایک بڑا نام سیاستداں رسول بخش پلیجو طویل علالت کے بعد جمعرات کی صبح کراچی کے ایک نجی ہسپتال میں وفات پا گئے ہیں۔

ان کی عمر 88 برس تھی۔ رسول بخش پلیجو گذشتہ چند سالوں سے طویل العمری کی وجہ سے بیماریوں کا شکار تھے لیکن بیماری کے باوجود وہ سیاسی طور پر متحرک تھے۔

رسول بخش پلیجو کی جماعت کے ترجمان کے مطابق ان کی تدفین جمعے کی صبح ضلع ٹھٹہ کے علاقہ جنگشاہی میں کی جائے گی۔

عملی سیاست میں قدم رکھنے سے وفات تک رسول بخش پلیجو کی سیاست میں مزاحمتی رنگ واضح تھا۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں انہوں نے اپنے بیٹے ایاز لطیف پلیجو کی سیاست سے اختلاف کرتے ہوئے عوامی تحریک کو دوبارہ بحال کیا اور اس کے سربراہ بن گئے تھے۔

رسول بخش پلیجو نے پوری زندگی سندھ کے حوالے سے سیاست کی لیکن ان کی زندگی میں ایک دور ایسا بھی آیا جب وہ عوامی نیشنل پارٹی کے جنرل سیکریٹری مقرر ہوئے تھے۔ کچھ عرصہ بعد اختلافات کے بعد انہوں نے اے این پی سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ انہوں نے کئی درجن کتابیں اور کتابچے تحریر کیے۔

رسول بخش پلیجو نے ون یونٹ کے خاتمے کے لیے مہم میں بھی بھرپور کردار ادا کیا تھا اور بنگلہ دیش میں فوجی کارروائی اور بھٹو دور میں بلوچستان میں فوجی کارروائی کے خلاف بھی احتجاجی تحریک چلائی تھی۔

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو کی 1970ء میں قائم کی جانے والی عوامی تحریک نے اس وقت بڑا نام کمایا جب جنرل ضیاء الحق کے دور میں پاکستان پیپلز پارٹی نے مارشل لاء کی مخالف قوتوں کے ساتھ مل کر تحریک بحالیء جمہوریت (ایم آر ڈی) کی بنیاد ڈالی اور جیل بھرو تحریک کا آغاز کر دیا۔

اس تحریک میں عوامی تحریک نے پیپلز پارٹی کے شانہ بشانہ حصہ لیا تھا اور ایمنسٹی انٹر نیشنل نے رسول بخش پلیجو کو ضمیر کا قیدی بھی قرار دیا تھا۔ انہوں نے مختلف اوقات میں طویل قید و بند کی سزا کاٹی تھی۔

رسول بخش پلیجو نے اپنی جماعت کو انتخابی سیاست سے دور رکھا ہوا تھا۔ وہ ایسے کارکن تیار کرتے تھے جنہیں معاشرتی تبدیلی اور نظام حکومت کی تنزلی کے علاوہ کوئی اور سروکار نہیں تھا۔

رسول بخش پلیجو ایک ہی وقت میں فکری محاذ، تنظیمی محاذ، سیاسی اور سماجی محاذ پر اپنی قوتیں صرف کرتے تھے۔

وہ سندھ کے ممکنہ طور پر ان چند رہنماؤں میں سے ایک تھے جو بیک وقت کئی سیاسی جماعتوں اور مختلف اوقات میں قائم کئے جانے والے سیاسی اتحادوں کا حصہ بھی رہے۔

2016ء میں اپنی جماعت کے انتخابات کے دوران جب انہیں اپنے ہی بیٹے ایاز لطیف پلیجو کی سیاست کا طرزِ عمل پسند نہیں آیا تو انہوں نے ایاز لطیف کے نام ایک کھلا خط لکھا تھا۔ وہ ایک خط نہیں تھا بلکہ ایک چارج شیٹ تھی جو ایک والد کی طرف سے بیٹے کے نام نہیں تھی بلکہ ایک سیاسی جماعت کے باضابطہ منتخب صدر کے نام تھی۔

اس خط کے ایک ماہ بعد انہوں نے ایک پریس کانفرنس کی جس میں انہوں نے قومی عوامی تحریک سے اپنے ساتھیوں اور حامیوں سمیت علیحدگی کا اعلان کیا اور عوامی تحریک کو بحال کر دیا تھا۔

رسول بخش پلیجو نے اپنے پسماندگان میں سات بیٹوں اور دو بیٹیوں کے علاوہ کارکنوں کی بڑی تعداد کو سوگوار چھوڑا ہے۔

(بشکریہ بی بی سی نیوز)

Gul Hayat Institute

قوم پرست سیاسی رہنما رسول بخش پلیجو

ڈاکٹر ناظر محمود

کسی بھی عظیم شخصیت کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ ایک متنازع شخصیت تھے ایک احمقانہ سا بیان معلوم ہوتا ہے، مگر ایسے بیانات تقریباً تمام بڑی شخصیات کے بارے میں دیئے جاتے رہے ہیں۔ رسول بخش پلیجو نہ صرف سندھ بلکہ پورے پاکستان کی ایک عظیم شخصیت تھے اور ان کی عظمت ان کی متنازع شخصیت میں پوشیدہ تھی۔ متنازع اس لئے کہ وہ تقریباً پوری زندگی ہی اس ملک کے بالادست طبقوں کے ساتھ سندھیوں کے حقوق کے لیے لڑتے رہے۔

رسول بخش پلیجو بائیں بازو کے ایک مارکسی دانشور تھے، انہوں نے تحریروں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے، جن میں سے اکثر کو جامی چانڈیو نے بڑے اہتمام سے شائع بھی کیا۔ ایک دانشور اور مصنف ہونے کے علاوہ پلیجو صاحب انسانی حقوق کے علم بردار اور عوامی تحریک کے رہنما بھی تھے۔ عوامی تحریک جس کا پہلا نام ''سندھی عوامی تحریک'' تھا، تقریباً نصف صدی قبل 1970ء میں قائم کی گئی تھی۔ اس تحریک کا نصب العین کمیونزم اور مارکسزم ہی رہا۔ رسول بخش پلیجو کا سوشلزم ایک قوم پرست سوشلزم تھا۔ وہ ترقی پسند اور سیکولر سیاست کو ہی درست سیاست سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کا ایک اور محور سندھ سے جاگیردارانہ یا فیوڈل سیاست کا خاتمہ بھی تھا، جس کے لیے، وہ مسلسل جدوجہد کرتے رہے۔ اس لئے نہ وہ کبھی پیپلز پارٹی میں شامل ہوئے اور نہ ہی کبھی نواز لیگ کے ساتھ۔ لیکن جمہوریت سے پلیجو صاحب کی وابستگی آخر تک رہی۔

رسول بخش پلیجو 1930ء میں ضلع ٹھٹہ کے گاؤں ''منگر خان پلیجو'' میں پیدا ہوئے، اپنی ابتدائی تعلیم گاؤں میں ہی حاصل کی، ثانوی تعلیم کے لیے کراچی آگئے، جہاں انہوں نے سندھ مدرستہ الاسلام میں داخلہ لیا بعد ازاں انہوں نے کراچی کے سندھ لاء کالج سے قانون کی سند حاصل کی۔

Gul Hayat Institute

پلیجو صاحب کی شخصیت کی ایک خاصیت یہ بھی تھی کہ تقریباً تمام بڑے دانشوروں کی طرح انہیں بھی زبانوں سے بے حد لگاؤ تھا، وہ کسی بھی زبان کی طرف کوئی معاندانہ رویہ نہیں رکھتے تھے، انتہائی کم عمری میں ہی انہوں نے سندھی اور اُردو کے علاوہ بلوچی، پنجابی، اور سرائیکی زبانوں پر عبور حاصل کر لیا تھا۔ وہ عربی اور فارسی میں نہ صرف گفت وشنید کر لیتے تھے بلکہ وہ ان زبانوں کے علم وادب سے بھی بہ خوبی آگاہ تھے۔ شعر وشاعری سے ان کے شغف کا یہ عالم تھا، کہ وہ اپنی مادری زبان سندھی کے شعرا کے کلام کے علاوہ دیگر زبانوں کی شاعری بھی بڑی روانی سے سنایا کرتے تھے۔ مثلاً اُردو کے تقریباً تمام بڑے شعرا کا کلام انہیں بڑی حد تک یاد تھا۔ میر وغالب سے لے کر جوش، اقبال اور فیض تک کے انہیں سینکڑوں اشعار، غزلیں اور نظمیں یاد تھے، جن لوگوں نے ان کے ساتھ جیلوں میں وقت گزارا وہ اس بات کے گواہ ہیں کہ جب پلیجو صاحب ترنگ میں آتے تھے ، تو پوری، پوری شام شعر وشاعری سے زنداں کے ماحول کو خوش گوار بنائے رکھتے تھے۔ گو کہ اس طرح کے ضمیر کے قیدی جیل میں بڑی بری حالت میں رکھے جاتے تھے، لیکن پلیجو صاحب نے جیل کی زندگی کو بھی خوب برتا۔

بہ حیثیت ایک وکیل رسول بخش پلیجو قانون کی پیچیدگیوں کو خوب جانتے تھے اور سپریم کورٹ کے وکیل بھی بنے۔ اپنی سیاسی سرگرمیوں کی پاداش میں انہوں نے اپنی زندگی کے گیارہ سال جیل میں گزارے۔ خاص طور پر 1980ء کے عشرے کے دوران جنرل ضیاءالحق کے دور میں رسول بخش پلیجو بڑا عرصہ جیل میں رہے۔

تحریک بحالیء جمہوریت کا پاکستان کی سیاست میں بڑا کردار رہا ہے، اس تحریک نے سن 1981ء سے 1988ء تک ملک میں جمہوریت کی بحالی کیلئے جدوجہد کی۔ گو کہ اس میں سب سے بڑی جماعت پیپلز پارٹی تھی، لیکن اس میں بائیں بازو کے رہنماؤں مثلاً رسول بخش پلیجو، فاضل راہو جیسے رہنماؤں نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ یاد رہے کہ وہ دور عوام پر سخت ترین جبر کا دور تھا۔ ملک میں جمہوری قوت نئی پنپ رہی تھی۔

پیپلز پارٹی کے علاوہ سندھ میں یہ بائیں بازو کے رہنما مثلاً رسول بخش پلیجو، فاضل راہو ہی تھے ، جنہوں نے جمہوریت کا علم بلند رکھا اور جیلوں کی صعوبتیں برداشت کیں، مگر افسوس یہ تحریک بحالی جمہوریت سندھ کے ریگزاروں سے آگے نہ بڑھ سکی اور پاکستان کے دیگر صوبے تو کجا سندھ کے شہروں مثلاً کراچی اور حیدرآباد کے (اردو بولنے والے اکثر) لوگ بھی اس سے لاتعلق رہے۔

ایم کیوایم کے خلاف رسول بخش پلیجو کے واضح اور دوٹوک موقف سے بعض لوگوں نے یہ مطلب نکالا کہ پلیجو صاحب مہاجروں یا اردو زبان کے خلاف ہیں۔ حالاں کہ ان جیسا سیکولر اور متعدد زبانوں پر عبور رکھنے والا شخص کسی سیاسی جماعت یا نظریئے کے خلاف تو ہو سکتا تھا، لیکن یہ کہنا کہ بحیثیت مجموعی وہ کسی قوم یا قومیت کے خلاف تھے درست نہیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ قوم یا قومیت کے بارے میں خود اپنی ایک تعریف رکھتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ لوگ خود کو سندھی سمجھیں اور کہیں اور اس کے لئے سندھی زبان سیکھیں۔

عوامی تحریک اور تحریک بحالیءِ جمہوریت کے علاوہ رسول بخش پلیجو نے جن تحریکوں میں حصہ لیا ان میں عوامی نیشنل پارٹی، سندھ متحدہ محاذ، سندھ قومی اتحاد، بزمِ صوفیائے سندھ اور پونم شامل ہے۔ جس میں سندھ ترقی پسند پارٹی، عوامی پارٹی اور سرائیکی موومنٹ وغیرہ شامل تھے۔ پونم میں پلیجو صاحب نے عطاءاللہ مینگل، محمود خان اچکزئی، ڈاکٹر قادر مگسی اور سید امداد محمد شاہ وغیرہ کے ساتھ مل کر کام کیا۔ ان کے علاوہ رسول بخش پلیجو سندھی ادبی سنگت میں بھی سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔ سندھی ادبی سنگت نے نورالدین سرکی وغیرہ کی قیادت میں سندھ کی ادبی تاریخ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

پلیجو صاحب نے جنرل ایوب خان کے دور میں ون یونٹ کے خلاف تحریک میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ یاد رہے کہ ون یونٹ 1955ء میں تشکیل دیا گیا تھا، جس کے تحت مغربی پاکستان کے تمام صوبوں کو تحلیل کر کے مغربی پاکستان کا ایک صوبہ بنا دیا گیا تھا۔ جس کا دارالحکومت لاہور کو رکھا گیا تھا۔ پاکستان کی تاریخ میں ون یونٹ نے انتہائی منفی کردار ادا کیا کیوں کہ اس سے یہاں کی تمام قومیتوں کو کچلنے کا کام لیا گیا اور مقامی زبانوں اور ثقافتوں کو پسِ پشت ڈال دیا گیا۔ جنرل ایوب خان کے دور میں چھوٹی قوموں کے خلاف ریاستی جبر عروج پر پہنچا اور جس کے نتیجے میں بالآخر (مشرقی پاکستان) الگ ہو کر بنگلہ دیش بنا بلکہ دیگر قوموں میں بھی احساس محرومی بڑھتا گیا۔

رسول بخش پلیجو صاحب پر گفت گو اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک سندھی ہاری تحریک اور سندھیانی تحریک کا ذکر نہ کیا جائے۔ سندھیانی تحریک کو عوامی تحریک کی تشکیل کے دس سال بعد 1980ء میں قائم کیا گیا اور اس کے ذریعے پلیجو صاحب نے سندھ کی خواتین کو سیاسی شعور دیا اور سیاسی جدوجہد کرنا سکھایا۔ رسول بخش پلیجو نے سندھیانی تحریک بنا کر سندھ کی خواتین کو منظم کیا اور عورتوں کے حقوق کے لیے جدوجہد کا راستہ دکھایا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس مثال کو

Gul Hayat Institute

سامنے رکھتے ہوئے، دیگر بڑی جماعتیں بھی اپنے خواتین کے شعبے کو مستحکم کرتیں، مگر آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہر پارٹی کا خواتین ونگ زیادہ تر اعلیٰ طبقے کی خواتین کے قبضے میں ہوتا ہے اور اس میں عام خواتین کی رکنیت کم ہی نظر آتی ہے۔ پلیجو صاحب نے کسان خواتین کے ساتھ طالبات اور استانیوں کو بھی منظم کیا جس سے خواتین آگے آئیں۔

رسول بخش پلیجو صاحب نے اپنی زندگی میں چالیس سے زیادہ کتابیں لکھیں اور ہزاروں کی تعداد میں مضامین تحریر کیے۔ ان کی شخصیت بڑی وسیع اور ہمہ گیر تھی اور وہ ادب و سیاست کے علاوہ تاریخ و ثقافت سے بھی گہری دل چسپی رکھتے تھے۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا اس لئے کسی کو ان کے سامنے دم مارنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ جہاں کسی نے اختلاف کیا وہیں پلیجو صاحب کی گفتگو میں مارکس، لینن، ماؤ اور منڈیلا سے لے کر ٹالسٹاء اور ٹیگور تک سب کے حوالے ہوتے تھے۔

رسول بخش پلیجو خود ایک حسین انساں تھے۔ خوب صورتی اور مردانہ وجاہت کا نمونہ رہے تھے۔ پلیجو صاحب نے اس دھرتی اور اس ملک کو بہت کچھ دیا۔ ان کا عطا کردہ سماجی و سیاسی شعور ایک پوری نسل کو متاثر کر چکا ہے۔ سندھ کے بزرگ سیاستداں اور عوامی تحریک کے بانی رسول بخش پلیجو 7-جون 2018ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے، ان کی نماز جنازہ جنگشاہی میں واقع ان کے آبائی علاقے منگر خان پلیجو گراؤنڈ میں ادا کی گئی۔ ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں انکو آبائی قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا، نماز جنازہ میں سیاسی رہنماؤں، کارکنوں اور عوام کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔

(بشکریہ جنگ میگ)

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو کو سرُخ سلام

خان زمان کاکڑ

رسول بخش پلیجو اٹھاسی سال کی عمر میں وفات پاگئے۔ قوم پرستی، سوشلزم اور جمہوریت کے سوالات کو اپنے معروض کے مطابق علمی طور پر جوڑنے اور ان میں سے ایک وقت کی سیاست کو روح بنانے میں بہت سارے پشتون، بلوچ، مہاجر اور پنجابی سیاسی دانشوروں کے ساتھ اس سندھی دانشور کا بھی بڑا کردار رہا ہے۔ اس خطے کی مزاحمتی سیاست میں ایک موڑ، ون یونٹ کے خلاف جدوجہد کا آتا ہے، جس سے بہت سارے سیاسی کارکنان کے سیاسی سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ رسول بخش پلیجو نے بھی سیاسی کیریئر کا آغاز ون یونٹ یا پنجاب کی بالادستی کے خلاف جدوجہد سے کیا تھا۔ لیکن ون یونٹ تو ختم نہیں ہوا۔ صرف شکل بدل دی، پنجاب کا ''حقِ حکمرانی'' بڑھتا گیا، جس کے حوالے سے تحریکیں بنتی اور ٹوٹتی رہیں۔ دنیا بدلتی گئی، لوگ بھول گئے کہ کون کیا تھا؟ حالاتِ حاضرہ پہ توجہ اتنی بڑھ گئی کہ کل کا دن بھی یاد نہیں رہا۔ ورنہ علمی اور نظریاتی لحاظ سے کتنا ہی منافع بخش ہوتا اگر ہم سندھ کی سیاسی تاریخ کے حوالے سے جی ایم سید، حیدر بخش جتوئی، شیخ ایاز، قاضی فیض محمد، رسول بخش پلیجو، ابراہیم جویو، سوبھو گیان چندانی اور جام ساقی وغیرہ کے بارے میں جانتے۔

سندھی نیشنلزم میں تصوف اور اشتراکیت کا تڑکا شاید اس کو باقی نیشنلزم سے ممتاز رکھتا ہے۔ تصوف کے ذریعے سرکاری مذہبی بیانیے کو چیلنج کرنا شاید ایک سٹریٹیجی ہو جو کہ پھر قوم پرستی پر حاوی ہو ہی گئی جبکہ قومی جدوجہد میں مارکسزم ایک دور کا سوال تھا جس کا جواب ڈھونڈنے کیلئے رسول بخش پلیجو جیسے اکثر تعلیم یافتہ قوم پرست نکل گئے تھے۔ اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کیلئے سندھی نیشنلزم نے دہائیوں سے پیپلز پارٹی کی شکل میں اپنے لئے جو اکلوتا سیاسی دشمن بنا رکھا ہے،

Gul Hayat Institute

شاید معروض کی کوئی ایسی حقیقت ہو جس کو سمجھنا مجھ جیسے ''آؤٹ سائیڈر'' کیلئے ممکن نہیں۔

بیسویں صدی کی سیاسی طور پر سب سے زیادہ بیدار مغز دہائی-60ء کی دہائی میں جو لوگ قوم پرست اور ترقی پسند سیاست کے میدان میں داخل ہوئے ہیں، قابل غور نکتہ یہ ہے کہ وہ پھر کئی نسلوں تک کو متاثر کر گئے ہیں۔ پلیجو صاحب کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا۔

لائیر فریٹرنیٹی کا ایکٹوازم بھی اس دور میں بہت کھل کے سامنے آتا ہے۔ پلیجو صاحب لاء اور سیاست کو جوڑنے والوں میں سے تھے۔ وہ پروفیشن کو پالیٹکس سے علیحدہ رکھنے کی لاجک پہ یقین نہیں رکھتے تھے۔ وہ ٹھکرائے ہوؤں اور ٹکر لینے والوں کے مقدمے ایک سیاسی سرگرمی کے طور پر لڑتے تھے۔ حیدر آباد سازش کیس میں ولی خان اور ان کے ساتھیوں کو ڈیفنڈ کرنے کیلئے وکلاء کی جو ٹیم تھی، اس میں پلیجو صاحب بھی شامل تھے۔

رسول بخش پلیجو ولی خان کے ساتھی تھے۔ ولی خان کی نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی، پلیجو کی سندھی عوامی تحریک، افضل بنگش کی مزدور کسان پارٹی اور پاکستان نیشنل پارٹی کا لطیف آفریدی گروپ نے جب 1986ء میں ملکر عوامی نیشنل پارٹی بنائی تو اس کے پہلے مرکزی جنرل سیکرٹری پلیجو صاحب بنے۔ ولی خان کو پشتو کا سب سے مقبول فوک صنف ٹپے ہزاروں کی تعداد میں یاد تھے۔ سنا ہے پلیجو صاحب نے پشتو ٹپوں کا ترجمہ سندھی میں کیا ہے۔ وہ متعدد زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ پلیجو صاحب ایک باقاعدہ ادیب تھے۔ کئی ادبی تصانیف چھوڑ گئے ہیں۔

سندھ میں ایک طرف خالص پارلیمانی دور کے شروع ہونے اور دوسری طرف علیحدگی پسندوں کا زور پکڑنے کے ساتھ ہی پلیجو صاحب جیسے ''آٹونومیسٹ'' کیلئے ماضی کی طرح متحرک اور متعلقہ رہنا کافی مشکل ہو گیا۔ ایک وقت کے ''ضمیر کے قیدی'' پھر اپنے گھر کے قیدی بن گئے۔ گھر کا جو نیا مالک بنا، بے کارسی زبان بولنے لگا، دانشور نما چہرہ دکھانے کے باوجود بہت ساروں کو پسند نہیں تھا کہ اس کی شناخت رسول بخش پلیجو کے بیٹے کے طور پر ہو۔

سندھ صوفیاء کی سرزمین، انڈس ویلی کی تہذیب یافتہ مٹی، جس پر آج بیرونی اور اندرونی قبضہ اور بھتہ مافیا کا راج ہے، جو ملک کا اقتصادی حب ہے، جس میں سندھی محکوم اور مزدور ہیں، جس کے کراچی اور حیدر آباد میں شہری تشدد اس کا امتیاز ہے۔ سندھ میں جاگیردار اور پیر کیا کر سکتے گران کے پیچھے وردی نہ ہوتی، گر وردی کو وہاں سے ''رضاکار فورس'' نہ ملتی، اور وردی کو وہاں لمبی چوڑی زمین الاٹ نہ ہوتیں، جہاں کوئی بڑے سے بڑا سیاسی سوال ''شاہ جو رسالو''، ''سندھی

اجرک'' اور''ہو جمالو'' یہ ترجیحی توجہ پانے میں کامیاب نہیں ہوا، جہاں سب کچھ کلچر ہی بتایا گیا، جہاں مزاحمت کی روایت کبھی نہیں مری، اللہ بخش سومرو سے رسول بخش پلیجو تک۔

(بشکریہ نیازمانہ)

سچ بات بلا خوف و خطر کہہ دینے والا پلیجو

اکبر لغاری

یہ شاید 63-1962 کی بات ہے ایک کلین شیو دبلا پتلا نوجوان 'سچائی منزل' میرپور خاص آیا اور کامریڈ ارباب نور محمد پلیجو کا خط کامریڈ غلام محمد لغاری کو دیا۔ اس سے پیشتر کہ کامریڈ خط کھول کر مندرجات پڑھتے وہ فوراً بولا میں یہاں وکالت کرنے اور آپ کے پاس رہنے آیا ہون۔ کامریڈ لغاری اس کی خود اعتمادی بہت متاثر ہوئے اور سچائی منزل کی لائبریری ہال اسکے حوالے کر دیا، جو کہ گھر اوپر کی منزل پر تھا۔ میری عمر 8 برس تھی۔ مہمان کیلئے کھانا لانا اور خالی برتن واپس لے جانا میرے فرائض میں شامل تھا لیکن عجیب بات یہ تھی کہ یہ مہمان مسلسل مطالعے مین غرق رہتا۔ کئی مرتبہ ناشتہ یا لنچ یونہی پڑا رہتا اور وہ مسلسل پڑھتے رہتے۔ یہ تھے محترم رسول بخش پلیجو صاحب۔ پانچ چھ ماہ میرپور خاص رہے اور انکے معمول میں کوئی فرق نہ آیا وہ ایک دن بھی عدالت نہیں گئے پھر ایک دن بغیر بتائے چلے گئے۔

بعد ازاں وہ جی ایم سید کی بزم صوفیائے سندھ، سندھ ہاری کمیٹی، نیشنل عوامی پارٹی میں اپنا کردار ادا کرتے رہے تاہم 1968ء سے انہوں نے اپنے لئے الگ کردار طئے کر لیا۔ وہ سیاست کے ساتھ ادب صحافت میں ایک اچھوتا کردار بن گئے۔ انکی زندگی کا یہان پر احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ تحریر اور تقریر کی بے باقی اور سچ بات بلا خوف و خطر کہہ دینا ان کے مزاج میں شامل تھا۔ دلائل کے انبار حوالوں کے ساتھ انکے دائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ آج انکی وفات پر یوں لگا کہ امان اور ابا کے بعد میں پورا یتیم ہو گیا ہوں۔

Gul Hayat Institute

لاڈبائی کالاڈلا

پرہ سومرو

اے سالِ نو ۲۰۱۸ء!
کاش! سندھ کی اس پُر امن دھرتی پر تِرا سورج طلوع ہی نہ ہوتا۔
سن ۲۰۱۸ء نے تو جیسے اپنے نوکیلئے پنجوں سے ہم سندھ باسیوں کے دلوں کے نہاں خانوں میں خراشیں ڈال کر دلخراش چیخیں نکلوائی ہیں۔
اے بیرحم وقتِ ظلمت! تو نے اس گلشن سے وہ پھول توڑ کر مسل دیئے جن گلوں کی بہار سے سندھ دھرتی مہکتی تھی۔
۲۰۱۸ء کے اے رہزن سورج! کاش سندھ کی دھرتی پر تو ابھرتا ہی نا، مجھ سمیت پوری سندھ تیری اس گھٹنا پر تجھ سے روٹھی ہوئی ہے۔
۲ مئی ۲۰۱۸ء! کیا معلوم تھا کہ یہ آخری ملاقات ہو گی؟
گماں تک نہیں تھا کہ اس پوِتر دھرتی کی روح کے ساتھ دیئے گئے یہ قہقہے آخری قہقہے ثابت ہوں گے؟
نہ تھا معلوم کہ بات بات پر لگنے والی ہاتھ پر تالی پہ تالی آخری تالی کی گونج صدا بن کے سماعت سے تازندگی ٹکراتی رہے گی؟
نہیں پتا تھا کہ حوصلہ بخشنے والی ان چمکیلی آنکھوں کا یہ دیدار آخری دیدار ہو گا۔۔۔!؟
سوچا بھی نہیں تھا کہ! آنے والی آئندہ کی ملاقاتیں/دوبارہ ملنے اور طویل نشست لگانے کا، کیا گیا مجھ سے وعدہ صرف وعدہ ہی رہ جائیگا۔۔۔؟
۲ مئی ۲۰۱۸ء! یہ دن امی اور پپا کے شادی کی سالگرہ کا دن تھا اور ہم سالگرہ تقریب کی

Gul Hayat Institute

تیاریاں کر رہے تھے کہ اچانک شام کو تقریباً ۵ بجے کے قریب پلیجو صاحب نے فون کیا اور کہنے لگے ''بہت دن ہوئے ہیں ملاقات نہیں ہوئی ہے، پوری فیملی کے ساتھ آجاؤ۔'' خوشی کی انتہا نہیں رہی فوراً فیصلہ کیا گیا کہ اس خوشی کے موقعے کو پلیجو صاحب کے ساتھ ملکر تقریب کو منفرد بنایا جائے۔ سالگرہ کا کیک اور گلدستہ لیکر ادا قیوم بھٹو کے ہمراہ ہم سب گھر والے ''باباسائیں'' (پلیجو صاحب) کے ہاں پہنچ گئے۔ ہم سے پہلے ذوالفقار واہوچو، ذوالفقار راجپر اور ادی حور النساء پلیجو وہاں موجود تھے، حسبِ معمول خوش دلی کے ساتھ مصافحہ کیا، خوش خیر وعافیت پوچھی، آج کے دن امی اور پاپا کے شادی کی سالگرہ کا دن اور وہ بھی آپ کے ساتھ منانے کا سن کر بہت خوش ہوئے، وہاں پر موجود تمام لوگوں کے ساتھ سالگرہ کا کیک خود اپنے ہاتھوں سے کٹوایا، ان کے چہرے پر آج خوشی کی ریکھائیں رقص کر رہی تھیں۔ چہرے پر خوشی کی رونق چھائی ہوئی تھی، اسی ولولے کے ساتھ خوش گپیاں کرتے اور مختلف موضوعات پر گفتگو کی محفل سج گئی۔ مذاق مستی بھی چلتی رہی، گویا خواب نما حقیقت کے یہ حسین پل تھے جن کو میں نے اپنے ذہن کے کینوس پر اسطرح نقش کر دیا جیسے کسی نازک چیز کو ہاتھوں میں کوملتا کے ساتھ سنبھال کر رکھا جاتا ہے۔ اندازِ گفتگو میں وہی معصوم مسکراہٹ، وہی حوصلہ بخشنے والی گہری پُرکشش نگاہیں جسے ہم دیکھنے کے ہمیشہ سے عادی تھے۔

کچھ عرصے سے باباسائیں (پلیجو صاحب) مسلسل ناسازئ طبیعت کے باوجود ہر ملاقات میں اسی جذبے کیساتھ ملتے اور گفتگو کرتے تھے جس میں اس ملاقات کے بعد واپسی پر ہم سب جذبوں اور حوصلوں کی ڈھیر ساری پر مسرت، خوشبو بھری تازگی و توانائیوں بھری اپنے اپنے حصے کی گٹھڑیاں ذہنوں میں اٹھائے خوشی خوشی گھروں کو لوٹتے تھے، لیکن اس آخری ملاقات کی بات ہی کچھ نرالی تھی۔!

امی اور پاپا نے پلیجو صاحب کو اس مرتبہ صحتمند ہونے کے بعد حیدرآباد جاتے ہوئے ہمارے گھر چائے پینے کی دعوت دی، جس پر انہوں نے سر کو اثبات میں ہلکی جنبش دیتے ہوئے مسکراہٹ کے ساتھ پُراعتماد انداز میں ''ہاں، ضرور'' کہہ کر دعوت قبول کی۔ امی اصرار کرتے ہوئے کہنے لگیں کہ پچھلے وعدوں کی طرح نہیں۔ اگر اس مرتبہ آپ نے وعدہ خلافی کی اور نہیں آئے تو پھر آپ سے ''کٹی'' کریں گے، جس پر پلیجو صاحب بچوں کی طرح معصومانہ انداز میں کہنے لگے ''نہیں، نہیں، مجھ سے کٹی نہ کرو۔۔''

انکا یہ معصومانہ انداز دل کو جھنجھوڑ دینے جیسا لگا۔

Gul Hayat Institute

''بابا۔۔۔!آپ سے کوئی ''کٹی'' کر سکتا ہے کیا؟'' میں نے انکی طرف دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں ان سے سوال کیا۔

باتوں باتوں میں پانچ مئی سے شروع ہونے والی ''سندھ بچایو مارچ'' کا حصہ بننے کی تیاری کا ذکر بھی ان سے کیا، جس پر بابا سائیں بہت خوش ہو کر کہنے لگے کہ :''واپس آکر مجھ سے ضرور ملنا، تم سے اور بھی بہت ساری ضروری باتیں کرنی ہیں'' (یہ جملہ وہ گذشتہ چند ملاقاتوں میں پہلے بھی مجھ سے کہہ چکے تھے) کہنے لگے :''اور ہاں مارچ کی مکمل تفصیلات بھی مجھے ضرور بتانا۔'' میں نے بھی پر جوش انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے ''ہاں'' کہہ کر وعدہ کیا۔ مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا کہ آج کے وعدے اور اقرار ریت پر کھینچی ہوئی ان لکیروں کی مانند ہو جائینگے جو ہوا کے معمولی جھونکے سے مٹ جاتے ہیں۔

بابا۔۔۔! میں کس سے اپنے ذہن میں دبے ہوئے ان سوالوں اور ان باتوں کا اظہار کروں۔۔۔؟

کون سنے گا۔۔۔!؟ میری ان عام اور معمولی، لیکن تیرے اور میرے نظریے سے جڑی ہوئی پاگلوں جیسی مگر معنی خیز باتیں!!؟

وہ ڈھیر ساری ضروری باتیں کرنی تھی آپ کو مجھ سے۔۔۔۔

کاش وہ میرے شعور کا حصہ بن جاتیں۔

اے زندگی۔۔۔۔!! تِرا کیا جاتا گر تھوڑی سی مہلت دے دیتی۔۔۔!؟

سنا ہے کہ خون کے رشتے سب سے مضبوط رشتے ہوتے ہیں لیکن میں نے تو اپنی کمسنی کی عمر میں ہی روح کے رشتوں میں مضبوطی، طاقت اور گہرائی دیکھی ہے۔ آنکھ کھلتے ہی بچپن سے رسول بخش پلیجو کی عظیم جدوجہد والی راہ پر چلنے کی لوری سنتی آئی ہوں، اور اسی ''پلیجواِزم'' کی سیاسی و شعوری جدوجہد کی عظیم شاہراہ پر چلتے چلتے بڑے ہو گئے۔

جس عمر میں بچوں کو ذہنی نشوونما اور جسمانی چستی کی بحالی کی لئے والدین اپنے بچوں کو گلی، محلوں میں کھیلنے کودنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں اس عمر میں ہمارے والدین (فکرِ پلیجو کے انقلابی قافلے کے سپاہی) نے ہمیں علم حاصل کرنے کا درست طریقہ اور علم حاصل کرنے کے بعد اپنے جیون کو قوم و وطن کے لئے وقف کر دینے کا درس دیتے رہے۔ جس عمر میں ہمیں گلی، محلوں میں عام بچوں کے ساتھ مل کر کھیل کود میں وقت گزاری کرنا چاہئے تھی اس لمحے ہم سندھ کے حقوق

Gul Hayat Institute

کی بحالی کے لئے پلیجو صاحب کے انقلابی قافلے کے ساتھ سندھ کے مختلف شہروں اور قصبوں میں قومی گیتوں پر رقص/ٹیبلوز، تقاریر اور فلک شگاف نعروں کی گونج میں عوام تک سندھ کا پیغام پہنچایا کرتے تھے۔

سندھ اور سندھیوں سے، سندھ کی کوکھ سے جنم لینے والوں میں سے اگر کسی نے لاطمع اور حقیقی، عملی عشق کیا ہے تو وہ صرف اور صرف ''رسول بخش پلیجو'' نے ہی کیا ہے۔

جب کبھی وقت کے آمر و جابر حکمرانوں نے سندھ دھرتی کی جانب بری نظر سے دیکھا یا کوئی ناپاک سازش تیار کی تو سندھ کے اس بیباک عاشق بیٹے نے اپنی ماں ''لاڈ بائی'' کے دودھ کی لاج رکھتے ہوئے وقت کے یزیدوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں للکارا۔

سندھ آج اگر اپنا وجود قائم رکھے ہوئے ہے اور ہم سندھی نامساعد حالات کے باوجود اپنی دھرتی پر تھوڑی بہت آزادی کی جو سانسیں لے رہے ہیں تو وہ صرف اور صرف ''لاڈ بائی'' کے اس لاڈلے بہادر کی بدولت، جس نے اپنی کوکھ سے جنم دینے والی ماں اور اس دھرتی کے خمیر سے جنم دینے والی ماں کا بھرم رکھتے ہوئے اس کی اولاد کو بھی سنبھالا۔

خوش نصیب ہے وہ قوم جسے تاریخ ''رسول بخش پلیجو'' جیسے عظیم لیڈر سونپتی ہے۔

ہم اس دھرتی کے کرہ پر وہ خوش نصیب قوم ہیں جنہیں رسول بخش پلیجو جیسی شخصیت کی رہنمائی ملی اور جنہیں دوست یا سچے ساتھی کے روپ میں انکی رفاقت نصیب ہوئی۔

جس قوم کو درپیش مشکل ترین مسائل کے بھنور سے نکالنے اور اپنی علمی و عملی جدوجہد کے ذریعے ان میں ہمت، جرأت، حوصلہ، ولولہ، جوش اور جذبہ پیدا کرکے ہر روپ میں ایک کنبے کے فرد کی طرح اپنائیت اور وارث بن کر چاہنے والا ''رسول بخش پلیجو'' ملا۔

میں نے اپنی عمر میں ایسا بہادر اور نڈر مرد نہیں دیکھا جو چہار سُو گھپ اندھیرے فرسودہ مردانہ سماج میں اپنی بیباکی و بہادری سے خواتین کے حقوق کے لئے اور عورت کو جنس کی بجائے ''انسان'' کا درجہ دلانے کی کٹھن جدوجہد کو اپنی متاعِ زندگی سمجھتا ہو۔ جو عورتوں کو اس کے مکمل انسان ہونے کا احساس دلاتے ہوئے ان ہی کے حقوق کی حاصلات کے لئے انہیں میدانِ عمل میں لاکر جدوجہد کی درست سمت متعین کرتے ہوئے قانونی و سماجی راہ دکھائے۔

پلیجو صاحب سے جب بھی ملاقات ہوئی تو انکا یہی کہنا ہوتا تھا کہ سندھ میں انقلاب تب ہی آسکتا ہے جب سندھی عورت میدانِ عمل میں آئیگی اور مردوں سے شانہ بشانہ ہو کر نہیں۔۔۔

Gul Hayat Institute

بلکہ اس سے بھی چند قدم آگے نکل کر اُبھر آئیگی۔ پلیجو صاحب کی یہی باتیں، خیالات، تصورات ہمارے جذبوں اور ہمت کو جلا بخشتی تھیں، اور ہمیشہ رہنمائی کرتی رہتی ہیں۔

پلیجو صاحب کے لئے میرا ذہن و ضمیر کسی صورت بھی یہ تصور قبول نہیں کرتا کہ وہ آج ہمارے درمیاں نہیں رہے۔

رسول بخش پلیجو ایک امر کردار ہے۔

رسول بخش پلیجو ہماری سوچوں، خیالات و نظریات میں ہمیشہ زندہ و جاوید ہیں۔

رسول بخش پلیجو ہماری روح و سانسوں میں سمائے ہوئے ہیں۔

رسول بخش پلیجو ہمارے آزاد خیالوں اور آزاد دنیا میں آباد تھے اور تادم رہینگے۔

رسول بخش پلیجو کی ''فکر'' اس دھرتی دشمنوں کے خلاف ہر جدوجہد اور ہر للکار میں گونجتی رہے گی۔ رسول بخش پلیجو کا نظریہ سندھ کی خوشحالی کے سجائے سپنوں کی تعبیر اور آنکھوں میں سمائی چمک میں روشن رہنمائی ثابت ہوگا۔

آج پلیجو صاحب کو ہماری زندگیوں کو روشن کرنے اور ہمارے تابناک مستقبل کی امید بر آنے کے سہانے خواب کی نوید سنانے کیلئے ثابت قدمی اور مستقل مزاجی سے اپنے عزم وانتہائی احترام کے ساتھ سرِ خم ہو کر شکر گذاری سے اس وعدے کے ساتھ ''الوداع'' کہتی ہوں کہ:

اے میرے رہبر،

اے میرے قائد،

اے میرے محسن،

اے میرے مہربان و شفیق استاد،

اے میرے نظریاتی ساتھی،

اے میرے ہم خیال دوست،

تمہارا خواب ضرور پورا ہوگا، مجھ سمیت پوری سندھ تیری روشن کی ہوئی نظریاتی شمع کی لو پر گامزن رہتے ہوئے اسکو اپنے عمل و کردار سے زندہ رکھتی آئے گی۔

یہ وعدہ ہے میرا کہ آنے والی نسلِ نو کو اس راہ پر چلنے کا درس جاری رہیگا۔۔

انتہائی عقیدت، پیار، محبت، خلوص واحترام کے ساتھ تمہاری ساتھی۔

Gul Hayat Institute

انقلابی رہنما رسول بخش پلیجو کی وفات

ظہور دھریجہ

معروف سندھی قوم پرست رہنما رسول بخش پلیجو 88 سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ ان کی وفات سے سندھ کی سیاست میں ایسا خلا پیدا ہوا ہے جو مدتوں پُر نہ ہو سکے گا۔ رسول بخش پلیجو سے میری ملاقات سرائیکی صوبہ محاذ کے بانی رہنما ریاض ہاشمی (مرحوم) کے توسط سے کراچی میں ہوئی۔ وہ ریاض ہاشمی کے دوست بھی تھے اور نظریاتی ساتھی بھی۔ ریاض ہاشمی نے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ نوجوان سرائیکی صوبہ تحریک کیلئے ہمارے ساتھ کام کرتا ہے اور اس کا تعلق خان پور سے ہے۔ خانپور کا نام سن کر پلیجو صاحب نے مجھ سے دوبارہ ہاتھ ملایا اور کہا آپ کا شہر بہت عظیم ہے کہ وہاں میرے سندھ کے ہیرو مولانا عبید اللہ سندھی دفن ہیں۔ اس کے بعد متعدد بار مختلف سیاسی جلسوں میں ملاقاتیں ہوئیں۔

پلیجو صاحب اپنی دھرتی، اپنی مٹی اور اپنے سندھ وسیب سے جنون کی حد تک محبت کرنے والے سیاسی رہنما تھے۔ بلاشبہ پلیجو صاحب نے سندھ کے سیاسی حقوق کی جنگ کے ساتھ ساتھ سندھی زبان، ثقافت اور سندھی ادب کیلئے بھی بہت کام کیا۔ ان کی پوری زندگی سندھ کے حقوق کیلئے جدوجہد میں گزری، یہی وجہ ہے کہ آج ان کی وفات پر پورے سندھ میں سوگ منایا جا رہا ہے۔ سئیں رسول بخش پلیجو جنگ شاہی ضلع ٹھٹھہ میں 20- جنوری 1930ء کو علی محمد پلیجو کے گھر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مقامی مکتب مدرسہ میں سیکنڈری تعلیم ٹھٹہ ہائی سکول اور سندھ مدرستہ الاسلام کراچی میں حاصل کی۔ مسلم لاء کالج کراچی سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ ان کا شمار ملک کے بڑے اور سپریم کورٹ آف پاکستان کے نامور وکلاء میں ہونے لگا۔ رسول بخش پلیجو بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ وہ ادب، سماج، سیاست، تاریخ، سماجی سائنس کے بارے میں بے پناہ علم رکھتے تھے۔

1954ء میں ایک سازش کے تحت مغربی پاکستان کے صوبوں کو تحلیل کر کے ون یونٹ قائم کیا گیا تو اس پر چھوٹے صوبوں کی طرف سے سخت رد عمل سامنے آیا اور اینٹی ون یونٹ کمیٹی بنائی گئی جس میں سرائیکی وسیب کی طرف سے ریاض ہاشمی ممبر تھے، رسول بخش پلیجو سندھ کی سیاست کے متحرک کردار رہے۔ وہ ون یونٹ کے خلاف تحریک میں سندھی ادیبوں اور سندھی ادبی سنگت کے ساتھ ملکر سیاسی میدان میں جی ایم سید، ریاض ہاشمی، حیدر بخش جتوئی، قاضی فیض محمد اور کامریڈ غلام محمد لغاری کے ساتھ سرگرمیوں میں شریک رہے۔ جب 1968ء میں جی ایم سید، ایوبی مارشل لاء کے دوران ایک طویل عرصے کی نظر بندی کے بعد آزاد ہوئے اور ''بزمِ صوفیائے سندھ'' قائم کی تو، جی ایم سید اس تنظیم کے صدر اور رسول بخش پلیجو اس کے سیکرٹری بنے۔ پلیجو صاحب کا جی ایم سید سے اختلاف ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی سیاست کیلئے علیحدہ راہ اختیار کی اور ایک نئی پارٹی ''سندھی عوامی تحریک'' کی بنیاد 1970ء میں رکھی۔

کاروکاری اور جرگا سسٹم کے خاتمے کیلئے جدوجہد کرنا شامل ان کے مقاصد میں تھا۔ انہوں نے 1992ء میں سکھر سے کراچی تک، 2001ء میں بھٹ شاہ سے کراچی تک، 2005ء میں سکھر سے کراچی تک اور 2009ء میں کندھ کوٹ سے کراچی تک کامیاب لانگ مارچ کئے۔ 1986ء میں ضیاء الحق کی آمریت کے خلاف ملک میں ہونے والی جدوجہد ''ایم آر ڈی'' میں اہم کردار ادا کیا اور اسکے کنوینئر بھی رہے۔ پلیجو نے 1987ء میں سندھی عوامی تحریک اور اسکی ذیلی تنظیموں پر مشتمل ''سندھی عوامی اتحاد'' بنایا اور 1988ء میں سائیں جی ایم سید کی سربراہی میں سندھ قومی اتحاد کے قیام میں حصہ لیا۔ وہ سیاسی جدوجہد کے دوران کئی بار جیل بھی گئے۔ انہوں نے کوٹ لکھپت جیل میں قید کے دوران ''کوٹ لکھپت جو قیدی'' (کوٹ لکھپت کا قیدی) کتاب لکھی۔ بہاری روکو تحریک میں سرائیکی وسیب کی طرف سے بیرسٹر تاج محمد خان لانگاہ، حمید اصغر شاہین اور ریاض ہاشمی نے کام کیا، ہم بھی ان کے ساتھ ساتھ تھے، پونم میں بھی ہم ایک دوسرے کے ساتھ رہے۔

رسول بخش پلیجو ایک شعلہ بیاں مقرر اور دانشور کی حیثیت سے اپنی پہچان رکھتے تھے۔ انہوں نے ایک استاد کے طور پر جواہر لال یونیورسٹی دہلی، شکاگو یونیورسٹی امریکا، کیمبرج یونیورسٹی، اسیکس یونیورسٹی انگلینڈ، کنگسٹن یونیورسٹی اور کئی اعلیٰ تعلیمی اداروں میں بے شمار لیکچر دیئے۔ پلیجو صاحب نے چار شادیاں کیں، جن میں انکی پہلی بیوی ان کے اپنے خاندان سے ہے۔ دوسری بیوی کشمیری، انکی تیسری بیوی مشہور فنکارہ زرینہ بلوچ ہے۔ جبکہ چوتھی شادی نامور کہانی کار (افسانہ نگار) نسیم تھیبو سے ہوئی۔ (بشکریہ روزنامہ 92 نیوز)

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو۔۔۔سندھ کے عظیم سپوت

محمد رفیق مغیری

سندھ کے عظیم سپوت، ایک عالمی سطح کے دانشور، ادیب، رائیٹر، محقق، انقلابی، قوم پرست رہنما اور سندھی عوام کا قانونی کیس لڑنے والا قانون دان، مزدور رہنما، ہر آمر کے سامنے چٹان کی مانند ثابت قدم رہنے والا مزاحمتی کردار رسول بخش پلیجو 7-جون کو پورے سندھ اور ملک کو سوگوار چھوڑ کے راہی عدم ہو گیا۔ اس نے 20- جنوری 1930ء کو علی محمد پلیجو کے گھر گاؤں منگر پلیجو میں اِس جہانِ رنگ وبو میں آنکھ کھولی۔ بنیادی تعلیم اپنے گاؤں اور ٹھٹہ سے حاصل کی اور مزید تعلیم کے لیے سندھ مدرستہ الاسلام کراچی میں داخلہ لیا اور وہیں سے فارغ التحصیل ہوا۔ اس نے نوجوانی میں ہی 1953ء میں سندھ ہاری کمیٹی کے پلیٹ فارم سے جدوجہد کے بعد 1970ء میں اپنی پارٹی 'سندھی عوامی تحریک' کی بنیاد رکھی اور پھر تادمِ مرگ اُس کا سربراہ بھی رہا۔

ون یونٹ توڑدو کی تحریک میں اس نے کلیدی کردار ادا کیا۔ کالا باغ ڈیم کی منسوخی کے لئے سیاسی و عملی جدوجہد کی۔ اس کے علاوہ ضیائی دور میں اس نے 1983ء اور 1986ء میں ایم آر ڈی کی جمہوریت بحالیء تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ جس کے لیے حکومتِ وقت نے اسے زندان میں ڈال دیا۔ اس نے اپنی زندگی کے انتہائی قیمتی گیارہ سال جیل میں گزار دیئے۔ اور وہاں سے ضمیر کے قیدی کا لقب قرار پایا۔ 1970ء سے قبل ووٹر لسٹ محض اُردو میں ہوا کرتے تھے۔ اس نے اس کے بارے میں بڑی مؤثر تحریک چلائی اور پھر سندھ کی ووٹر لسٹ سندھی زبان میں بھی شایع ہونے لگی۔ 1971ء ہی میں بلوچ اور پشتون رہنماؤں کے خلاف حیدرآباد سازش کیس میں اس نے بلوچوں اور پشتونوں کا سیاسی و اخلاقی انداز میں ساتھ دیتے ہوئے ان کے لیے قانونی چارہ جوئی کرنی شروع کی تو بھٹو حکومت نے اسے جیل میں ڈال دیا۔

Gul Hayat Institute

ضیائی مارشل لاء کے دور میں جب میڈیا پر سخت ترین سینسر شپ عائد کی گئی اور ملک کی صحافتی تنظیموں نے اس کے خلاف جدوجہد کا آغاز کیا تو فاضل راہو اور پلیجو صاحب نے بھرپور انداز میں انکا ساتھ دیا۔ جس کی پاداش میں 17- جنوری 1987ء کو فاضل راہو کو شہید کر دیا گیا۔ فاضل راہو کی شہادت کے بعد پلیجو نے سندھی عوامی تحریک کے پلیٹ فارم سے ضیاء کے خلاف بھرپور جدوجہد کا آغاز کیا تو ضیاء نے اس کے متبادل سیاسی پارٹی ایم کیو ایم کی بنیاد رکھوادی۔ اور پھر ایم کیو ایم کو خصوصاً کراچی میں کھلی چھٹی دے دی گئی۔ پلیجو صاحب نے بتیس سال قبل ایم کیو ایم کو دہشت گرد تنظیم قرار دیا تھا لیکن ان کو کسی نے نہیں سنا۔ اُلٹا اسے زندان میں ڈال دیا گیا مگر ریاست نے بتیس سال بعد اسی ایم کیو ایم کو دہشت گرد تنظیم قرار دے کر اسے بین کر دیا۔ ون یونٹ کے دور میں جب سندھی رجعت پسندوں نے ایک منصوبے کے تحت سندھ کی ایک اور عظیم شخصیت شیخ ایاز کے خلاف مہم کا آغاز کیا تو پلیجو صاحب نے ایک کتاب لکھ کر تمام لوگوں کا منہ بند کر دیا۔ اور شیخ ایاز پر آنچ آنے نہیں دی۔ نومبر 2007ء کو جنرل مشرف کے ایمرجنسی کے خلاف ججوں کے بحالی کی تحریک میں مرکزی کردار ادا کیا۔

وہ اپنے نظریات اور عوامی مفاد پر کسی کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کرنے کے ہر گز روادار نہیں تھے۔ اس نے ستمبر 2016ء میں اپنے بیٹے ایاز لطیف کو پارٹی کے نظریات اور منشور کی پیروی میں کوتاہی دیکھی تو اس نے بیٹے سے سیاسی لاتعلقی کا اظہار کیا۔ اس نے گھر گھر میں فکری اور سیاسی شعور دیا۔ انتہائی پسماندہ لوگوں کو اپنے بنیادی حقوق حاصل کرنے کے لیے انہیں زبان مہیا کی۔ پلیجو صاحب نے اپنی زندگی کا ایک پل بھی بیکار نہیں گزارا۔ اس نے جاگیرداری سرمایہ داری اور طبقاتی نظاموں کی بھرپور انداز میں مخالفت کی۔

اس کے علاوہ عورتوں کے لیے اس نے بڑا کام کیا۔ پہلی دفعہ سندھ کی عورتوں کو اس نے سیاست کی جانب راغب کیا۔ ہمیشہ عورتوں کے دفاع کے لیے سرگرم عمل رہتے تھے۔ وہ فکری طور پدری نظام کے مخالف تھے۔ گھریلو معاملات سے لے کر زندگی کے تمام معاملات میں عورت کو سربراہ دیکھنے کے قائل تھے۔ ان کے جسدِ خاکی کو کراچی سے اپنے آبائی گاؤں لایا جارہا تھا تو جس جس جگہ سے گزر ہوا وہاں مردوں کے شانہ بشانہ عورتوں کی بڑی تعداد نے اس کے جسد خاکی کو قطار میں کھڑی ہو کر بڑے مؤدبانہ انداز میں سلامی پیش کی اور عورتوں نے ان کے میت کو کاندھا دیا۔ پلیجو صاحب نہ صرف سیاسی رہنما تھا بلکہ وہ آرٹ، ادب، فلسفہ، اقتصادیات اور تاریخ کا بہت بڑا ماہر تھا۔ جبکہ کئی زبانوں پر اسے عبور حاصل تھا۔ وہ تقریباً پینتیس کتابوں کا مصنف تھا۔ (بشکریہ سنگت)

Gul Hayat Institute

ایک سرکردہ انقلابی رہنما رسول بخش پلیجو

کبیر بھیل

آج جب عظیم انقلابی رہنمائ، مظلوموں کا سہارا اور صبح ہونے کی کرن ہمارے بیچ میں نہیں رہا۔ تو پتا نہیں چل رہا کہ اس عظیم قائد پہ کچھ لکھنے کے لئے کہاں سے ابتدا کریں، آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں،اور دل فطرت کے سامنے احتجاج کرنے لگتی ہے۔

بس یہیں سے نئی شروعات کرتے ہیں۔ بہت ہی خوش نصیب ہوتی ہے وہ دھرتی جہاں پہ عظیم لوگ جنم لیتے ہیں۔ ہماری سندھ دھرتی بھی بہت ہی خوش نصیب دھرتی ہے جہاں رسول بخش پلیجو صاحب جیسے عظیم انسان نے جنم لیا۔ ٹھٹہ ضلع کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہونے والا یہ بچہ جب اپنی چھوٹی سی عمر میں زیر تعلیم تھا تب کسی کو بھی یہ تصور نہیں تھا کہ یہ چھوٹا سا بچہ آگے بڑھ کر دنیا کا عظیم انقلابی رہنما بنے گا، لیکن جب جنگشاہی کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں منگر خان پلیجو میں جنم لینے والے اس چھوٹے بچے نے اپنے عقابی روح، دلیری، بہادری، جرأت اور سچائی سے اپنی دھرتی ماں اور ہزاروں سندھی لوگوں کے حقوق کے لئے آواز بلند کی اور اپنی دانش، عقلمندی، دلائل اور حکمت عملیوں سے جب سندھی قوم کے ازلی دشمنوں کو لاجواب کیا اور شکست دی تو وہ سندھی سماج میں ایک بہادر ہیرو بن کر رونما ہوا۔

رسول بخش پلیجو بظاہر ایک فرد لگتا تھا لیکن وہ اپنی ذات میں ایک بڑا ادارہ بھی تھا اور ہے۔ ویسے تو لوگ اس دھرتی پہ جنم لیتے ہیں اور پھر موت کی نیند سو جاتے ہیں لیکن کچھ لوگ مرتے نہیں، ہاں...! جسمانی طور پر وہ یقیناً مر جاتے ہیں لیکن اپنی دانائی اور عقلمندی کی وجہ سے عوام کے ذہنوں اور ضمیروں میں زندہ رہتے ہیں۔ مظلوم عوام کی آواز محترم رسول بخش پلیجو صاحب کی بھی جسمانی طور پہ تو روح پرواز کر چکی ہے لیکن فکری، نظریاتی اور حکمت کے حوالے سے وہ آج بھی

Gul Hayat Institute

زندہ ہے۔ رسول بخش پلیجو کی پارٹی عوامی تحریک کوئی ایسی عام تحریک نہیں بلکہ ایک یونیورسٹی ہے۔ جس یونیورسٹی نے سندھ میں کئی طالب علم پیدا کئے۔ آج بھی سندھ کا بڑا حصہ جو پڑھا لکھا کیڈر رہے وہ نظریاتی طور پر اس یونیورسٹی کا فارغ التحصیل ہے۔

دنیا کے عظیم انقلابی رہنماؤں کارل مارکس، لینن اور ماؤزے تنگ کا تسلسل بن کر سندھ میں ترقی پسند سوچ رکھنے والے رسول بخش پلیجو کی سیاسی کہانی بہت ہی عجیب و غریب ہے۔ رسول بخش پلیجو کی ہر بات سندھی سماج کی عام رواجی اور دقیانوسی باتوں کے بلکل برعکس تھی اس لئے رسول بخش پلیجو کے کئی لوگ اور پارٹیاں مخالف ہو گئیں لیکن رسول بخش پلیجو نے کبھی پیچھے قدم نہیں ہٹایا۔

تاریخ، فلسفہ، سائنس اور علم سماجیات پر دسترس رکھنے والے رسول بخش پلیجو جب بولنے اور لکھنے کے لئے میدانِ عمل میں آتے تھے تو وہ دلائل کو ہتھیار کے طور پہ استعمال کرتے تھے۔ سندھ کی بڑی اور چھوٹی جدوجہدوں میں رسول بخش پلیجو اور اس کی پارٹی عوامی تحریک کا اہم کردار رہا ہے۔ دوسری پارٹیاں محض ایک رسم پوری کرنے کے چکر میں سستی شہرت اور کریڈٹ اٹھانے کی بنیاد پر متحد ہو کر جدوجہد کرتی تھیں، لیکن یہ پڑھا لکھا شیر رسول بخش پلیجو جب بھی اپنی دھرتی کو خطرے میں دیکھتا تھا تو بغیر کسی لالچ کے محافظ بن کر اپنی قوم کے اجتماعی حقوق کے لئے لڑتا تھا تب ہی تو ایک سندھی اخبار نے پلیجو صاحب کے انتقال پر لکھا تھا کہ ''تاریخ کی فریادی سندھ اپنے وکیل سے محروم ہو گئی''۔ ہاں کائناتی سچ جیسی تلخ حقیقت یہ بھی ہے کہ رسول بخش پلیجو اپنے پیشے میں تو وکیل تھے لیکن دوسری جانب سے وہ ساری مظلوم اقوام اور پوری انسان ذات کے وکیل بن کر ترجمانی کرتے تھے۔ سندھ، جہاں مردانہ سماج کا عروج ہے اور خواتین کو فقط روٹی پکانے اور بچے پیدا کرنے کی مشین سمجھا جاتا تھا ایسے قبائلی سماج میں رسول بخش پلیجو نے خواتین کی تحریک سندھیانی تحریک بنا کر نہ فقط خواتین کو روایتی سماجی رسومات و بندھنوں سے آزاد کروانے کی کوشش کی، بلکہ سندھ کے سارے سماج کی روایتوں کو تبدیل کر ڈالا۔ بچے بھی مظلوم خواتین کی طرح عدم توجّہ کے شکار تھے۔ رسول بخش پلیجو نے بچوں کی الگ تنظیم ''سجاگ بار تحریک'' بنا کر نہ فقط تاریخ میں نیا کام کیا بلکہ لاتعداد بچوں کے مستقبل کے روشن ہونے کی ضمانت اپنے کاندھوں پہ ڈال لی۔ رسول بخش پلیجو سندھ کے شعور کا وہ سورج تھا جس کی روشنی سے یہ سماج منور ہوا کرتا تھا۔

رسول بخش پلیجو صاحب کے بارے میں لکھنا میرے جیسے عام انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔

میں محترم رسول بخش پلیجو کی یونیورسٹی کا چھوٹا سا طالب علم ہوں، پلیجو صاحب کی ساری

Gul Hayat Institute

خوبیاں اور اس کے عظیم اعلیٰ کردار پر لکھنے کے لئے ادارے چاہئیں۔ یہی وجہ ہے کہ سندھ میں وہ کام جو سرکاری یونیورسٹیاں اور ادارے نہیں کر پائے وہ رسول بخش پلیجو نے کر ڈالا۔ رسول بخش پلیجو نے ہزاروں بے زبان لوگوں کو بولنے کے لئے اور اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے نہ صرف زباں دی بلکہ سیاسی شعور دے کر بیدار کیا۔ قائد انقلاب محترم رسول بخش پلیجو صاحب ایک سماجی ڈاکٹر تھے جنہوں نے سندھ کے شہروں سے لے کر دیہاتی علاقوں میں جا کر ہزاروں ذہنی امراض میں مبتلا افراد کا علاج کیا، اور اپنے سحر انگیز اور عالمگیر علم سے انہیں صحتیاب کرنے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین آزاد زندگی گذارنے کا موقع دیا۔

رسول بخش پلیجو صاحب نے بشمول میرے اور دیگر ہزاروں نچلے طبقے والے لوگوں کی تعلیم و تربیت کی۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ عظیم انسان نہ تو عملاً برتری کا اظہار کرتا تھا نہ ہی اس کی گفتگو میں احساس برتری کی کوئی جھلک تھی۔ وہ بچوں کے ساتھ بچہ اور بڑوں کے ساتھ بڑا تھا۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے۔ ہمارے سجاگ بار تحریک کی مرکزی میٹنگ تھی اس وقت پلیجو صاحب بیمار تھے اور اپنے گھر ڈی ٹین پر تھے۔ پلیجو صاحب کی طبیعت ناساز ہونے کی وجہ سے ہم نے سجاگ بار تحریک کے اجلاس میں انہیں نہیں بلوایا۔ لیکن جب ہمارا اجلاس ختم ہونے کے قریب تھا تو پلیجو صاحب آ کر اجلاس میں بیٹھے اور بولے آپ نے مجھے اجلاس میں کیوں نہیں بلایا۔ تو میں نے کہا "سر..! آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس کے لئے آپ کو زحمت نہیں دی"۔ تو جواب میں پلیجو صاحب نے فرمایا کہ: "میں بیمار ہوں یا نہیں۔ میں ایک چھوٹا کارکن ہوں مجھے برائے مہربانی اجلاس میں بٹھانا چاہئے تھا۔"

جوش، جذبے، پیار، محبت، اور مزاحمت کا یہ سمندر جب بھی اپنی موج میں تھا تب سندھ کے شہروں اور دریاؤں پر قبضے کی سازشوں کے خلاف رسول بخش پلیجو صاحب اور ان کی پارٹی میدانِ عمل میں سرِفہرست تھی۔ سندھیانی تحریک نے کارونجھر پہاڑ بن کر مقابلہ کیا۔ محترم رسول بخش پلیجو بہترین وکیل، عالم، سیاستدان، موسیقار اور دانشور ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین اور ہر پل سیکھنے کے لئے تیار رہنے والے طالب علم بھی تھے۔ پلیجو صاحب کے آگے تو الفاظ ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوتے تھے اور پلیجو صاحب پھر الفاظ سے رقص کرواتے تھے اور مظلوموں کی نجات کا راستہ بناتے تھے۔ رسول بخش پلیجو بہت ہی بڑے اور مشکل علم کو بلکل آسان انداز میں بیان کرتے تھے اور دوسروں کی تربیت کرتے تھے۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ آج بھی جب ننگر پار کر کے

کو لھی جدلی مادیت اور مارکسزم پر بحث کرتے ہیں۔ دادا قادر رانٹو جو پانچ جماعت پاس ہے وہ اب صاحب کتاب ہے۔ سیاست اور ادب میں اچھی معلومات رکھنے والا عوامی تحریک کا سینیئر رہنما ہے اور ایسے کئی ان پڑھ انسان ہیں جس کی رسول بخش پلیجو صاحب نے پرورش کی۔

رسول بخش پلیجو صاحب ایک عظیم اور کمال کے ذہن تراش تھے۔ آج گو کہ وہ جسمانی طور پر ہمارے بیچ میں نہیں رہا لیکن اس کا نظریہ اور فکر جب تک مائیں اپنے بچے پیدا کرتی رہیں گی تب تک زندہ رہے گا۔ رسول بخش پلیجو کا فکر سندھ کے کسانوں اور مزدوروں کے ذہنوں میں محفوظ ہے جو کبھی بھی مٹ نہیں سکتا۔ رسول بخش پلیجو کا فکر زندہ رہے گا زندہ ہے اور ہاں وہ زندہ ہی رہنے والا فکر ہے۔ یہی سبب ہے کہ ایک دن سرمایہ داروں، لٹیروں اور جاگیر دار وڈیروں کا زوال آنا ہی ہے اور کسانوں اور مزدوروں کو آزادی ملنی ہی ہے۔ زندہ ہے، زندہ رہے گا۔۔۔ فکرِ پلیجو زندہ رہے گا۔

(بشکریہ ہم سب)

خراج عقیدت

اشرف شریف۔ کالم نگار-روزنامہ ۹۲ نیوز

Gul Hayat Institute

سندھ ترقی پسند دانشوروں کی سرزمین ہے۔ یہاں ایسے بہت سے سیاسی کارکن اور رہنما پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی زندگی سندھ، سندھی اقدار اور سندھ کی جمہوری آزادیوں کے لئے وقف کر دی۔ کچھ عرصہ قبل جناب رسول بخش پلیجو کا انتقال ہوا تو وہ ہزاروں غریب عورتیں ان کے جنازے کو کندھا دینے کے لئے آگئیں جنہیں پلیجو صاحب نے اپنے حقوق کے لئے کھڑا ہونا سکھایا تھا۔ تاریخ انسانوں کو اپنے معیاروں پر پرکھتی ہے۔

لال جھنڈے کی جئے ہو۔۔۔!

مریم گوپانگ

1983ء میں گادی نشینی کے تنازعہ پر ہمارے گاؤں لنواری شریف میں قتل وغارت ہوئی۔ کھیتوں میں کام کرتے ہوئے بے قصور کسانوں پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ جس میں ہمارے خاندان کے سات افراد جن سے میرا بہت قریبی رشتہ تھا شہید ہوئے۔ شہید ہونے والوں میں میری بڑی بہن کا شوہر سلیمان گوپانگ جو میرا ماموں زاد بھائی بھی تھا شہید ہو گیا۔

قاتل بہت طاقتور اور اثر رسوخ رکھنے والے لوگ تھے۔ بدین شہر اور کڈھن شہر کی پولیس FIR داخل نہیں کر رہی تھی۔

بے گناہ لوگوں کی لاشیں کھیتوں میں پڑی تھیں۔ بے سہارا عورتیں ماتم کر رہیں تھیں۔ کربلا جیسا منظر دکھائی دے رہا تھا۔

میں ساتویں کلاس کی طلبہ تھی عمر تقریباً 13 برس تھی۔ یہ بہت لمبا اور دل ہلا دینے والا داستان ہے۔ اس کے تفصیل میں نہیں جانا چاہتی۔

اِس مشکل وقت میں ایک انسان ہمارے لئے فرشتہ بن کر آئے جس کا نام محمد فاضل راھو صاحب تھا جس کا تعلق عوامی تحریک سے تھا۔

رسول بخش پلیجو صاحب ان دنوں کوٹ لکھپت جیل میں تھے۔ فاضل صاحب نے آکر شہید ہونے والوں کی لاشیں اٹھائیں۔ پوسٹ مارٹم کروایا۔ ایک ہی خاندان کے سات بے گناہ کسانوں کی میتیں ایک گھر سے نکلیں۔ قاتل فرار ہو چکے تھے اور کچھ نے درگاہ لنواری شریف میں پناہ لے رکھی تھی۔

پورے گاؤں میں خوف وہراس پھیلا ہوا تھا۔ اس وقت فاضل صاحب نے قاتلوں کی

Gul Hayat Institute

گرفتاری کیلئے عوامی تحریک کے پلیٹ فارم سے احتجاجی مظاہرے کروائے۔ DC چوک بدین پر تین دن مسلسل دھرنا دیا کہ جب تک بے گناہ کسانوں کے قاتل گرفتار نہیں ہونگے ہم دھرنا ختم نہیں کرینگے۔ عوامی تحریک اور فاضل صاحب کی مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں قاتل کراچی ایئرپورٹ اور درگاہ شریف کے اندر سے گرفتار ہوگئے۔ یہ ضیاء الحق کی مارشل لا کا دور تھا۔ M.R.D کی جدوجہد بھی زور شور سے چل رہی تھی۔ سلام میمن سردار پریس میں کام کیا کرتے تھے۔ سلام میمن اور عبدالرحمان نقاش دونوں بھائی ترقی پسند اور روشن خیال تھے۔ سلام میمن عوامی تحریک کے سرگرم کارکن تھے۔ عبدالرحمان نقاش ڈان میں مضامین لکھا کرتے تھے اور کسی سرکاری محکمے میں 17 گریڈ کے افسر بھی تھے۔ ترقی پسند اور روشن خیال ہونے کی وجہ سے انہیں گاؤں سے نکالا گیا تھا کئی دہایوں بعد دونوں بھائی اپنی نوکریاں چھوڑ کر لنواری شریف پہنچ گئے۔ سلام میمن نے تنظیمی کام کرنا شروع کر دیا۔ ادا سلام متاثر خاندان کے مردوں اور عورتوں سے ملے اور سمجھایا کہ یہ بہت مشکل اور لمبی لڑائی ہے تم اکیلے نہیں لڑ سکو گے اس اسٹیٹ کو ملک کے طاقتور لوگوں کی سپورٹ ہے وہ نہیں چاہتے کہ غریب کسانوں اور مزدوروں کی تقدیریں بدل جائیں۔ جب تک تم روتے پیٹتے رہو گے سب مارے جاؤ گے۔ تم کسان اور مزدور نچلے طبقے کے سارے لوگ متحد ہو کر ایک ہو جاؤ پھر یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

ادا سلام گاؤں کی عورتوں سے بھی ملے اور بتایا کہ عورتوں کی ایک انقلابی تنظیم سندھیانی تحریک ہے میں آپکو ان عورتوں سے ملواؤنگا۔ مجھے اور میری بہن کو پڑھنے کیلئے کچھ کتابیں بھی دیں۔

۱) میکسم گورکی کا ناول 'ماں' ۲) نوجوانوں کا گیت ۳) پلیجو صاحب کی کتاب 'پسی گاڑھا گل'، جس میں بختاور کہانی مجھے بہت پسند آئی۔ " صبح ہوگی " کتاب اس وقت سمجھ میں نہیں آئی۔ نوجوانوں کا گیت اور ماں ناول نے بہت متاثر کیا۔

ان دنوں ٹنڈو محمد خان کے قریب جلالانی گوٹھ میں ھاری کانفرنس منعقد ہو رہی تھی اس کانفرنس میں مجھ سمیت کئی عورتیں شریک ہوئیں۔ ادا سلام میمن ادا الھ ورایو گوپانگ کے تعاون سے ہم اس جلسے میں شریک ہوئیں۔ بہت بڑا اجتماع تھا ہزاروں کی تعداد میں ھاری تحریک اور سندھیانی تحریک کی عورتیں شریک تھی۔ ہمیں کہا گیا۔ جو تمہارے گاؤں میں جو ظلم اور بربریت ہوئی ہے تم سے کوئی اس پر بات کرے۔

ادی صالحاں نے کہا میں بات نہیں کر سکوں گی تم جا کر بات کرو۔ میں پہلی مرتبہ اتنے بڑے

Gul Hayat Institute

جلسے میں شریک ہوئی۔ مجھے اسٹیج پر بلایا گیا اور کہا کہ اپنے ساتھ ہونے والے ظلم وزیادتی بیان کرو۔ یہ واقعہ میرے سامنے ہوا تھا جس بے دردی سے ہمارے پیاروں کو شہید کیا گیا تھا اسٹیج پر جا کر جوشیلے انداز میں بیان کر دیا۔ یہ کسی بڑے جلسے میں میری پہلی تقریر تھی۔ اس دن سے میرا تعلق عوامی تحریک سے جڑا اور میں سندھیانی تحریک کی رکن بن گئی۔

یہ 1986ء کی بات ہے۔ اب دوبارہ M.R.D کی جدوجہد تیز ہونے لگی تھی۔ میں باشعور ہو چکی تھی۔ منزل نجات کا راستہ صاف نظر آرہا تھا۔ اپنے ماں باپ کی سب سے چھوٹی اولاد ہونے کی وجہ سے لاڈلی بھی تھی۔ امی ابو نے کالج پڑھنے کی اجازت دے دی تھی مگر بڑے بھائی سخت مخالف تھے کالج کو ایجوکیشن تھا۔ اس وقت پڑھنے کا تو رواج تھا مگر لڑکوں کے ساتھ نہیں تھا میں گاؤں کی پہلی لڑکی تھی جس نے گھر والوں سے لڑ جھگڑ کر کالج میں داخلہ لیا تھا۔ اسلامیہ کالج بدین میں سندھی شاگرد تحریک بہت مضبوط تھی میں انکے ساتھ مظاہروں میں شریک ہوتی تقریریں کرتی اور نعرے لگاتی تھی۔

M.R.D کی جدوجہد میں فاضل صاحب بھی گرفتار ہو چکے تھے۔ ہم ہر روز ریلیاں نکالتے اور مظاہرے کرتے تھے۔ "آزاد کرو آزاد کرو رسول بخش پلیجو اور فاضل صاحب کو آزاد کرو۔" آخرکار بہت لمبی قید کاٹ کر پلیجو صاحب اور فاضل صاحب آزاد ہو گئے تھے۔ پوری سندھ میں استقبالیہ تقریبیں ہوئی۔

26-06-1986 کو بدین کے اسٹیشن گراؤنڈ پر بڑا جلسائے عام ہوا۔ جس میں پہلی مرتبہ پلیجو صاحب کو دیکھا اور سنا تھا۔ جلسہ ختم ہونے کے بعد رسول بخش پلیجو صاحب نے سندھیانی تحریک کی عورتوں سے ملنے کا پروگرام بنایا۔

ڈاکٹر آکاش انصاری صاحب کے گھر پر ملاقات ہوئی۔ تمام عورتوں نے اپنا اپنا تعارف کروایا۔ میں نے بھی اپنا تعارف کرواتے ہوئے جب اپنا اور اپنے گاؤں کا نام لیا تو پلیجو صاحب نے دوبارہ گرم جوشی اور شفقت سے ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا۔ ھاری کانفرنس میں تقریر کرنے والی مریم تم ہو۔ میں نے اعتماد کے ساتھ مسکراتے ہوئے ہاں میں جواب دیا۔ پلیجو صاحب نے بلا کر اپنے برابر میں بٹھایا پھر گاؤں کے حالات معلوم کیئے۔ اسکے بعد تمام عورتوں سے اس وقت کی سیاسی صورتحال، ملک کے حالات M.R.D کی جدوجہد میں سندھیانی تحریک کے کردار پر بھی بات کی۔ ذاتی زندگی کے بارے میں پوچھا۔ زندگی کیسی گذر رہی ہے؟ کیا پڑھ رہی ہو؟ حالات کیسے ہیں؟

Gul Hayat Institute

وغیرہ وغیرہ۔

اسکے بعد زیادہ سے زیادہ کتابیں پڑھنے اور تنظیم کو منظم کرنے کی ہدایات دیں اور چلے گئے۔

اس پہلی ملاقات میں پلیجو صاحب کی شخصیت کا میرے دل پر بہت گہرا اثر ہوا۔ انکے بات کرنے کا انداز، اپنایت، شفقت، بہادری اور جرئت انکی آنکھوں میں چمک رہی تھی۔ وہ آج تک کسی اور شخص میں نظر نہیں آئی۔ دل چاہ رہا تھا کہ وہ باتیں کرتے رہیں میں سنتی ہی رہوں۔

1987ء میں سندھیانی تحریک ضلع بدین کی سیکریٹری جنرل اور مرکزی کمیٹی کی ممبر بن گئی۔ میں نے اپنی امی کو اپنا ہم خیال بنا دیا تھا۔ رات کو چھپ کر انقلابی کتابیں پڑھتی اور امی کو سنایا کرتی تھی۔ 27 جنوری 1987ء کو فاضل صاحب شہید ہوگئے۔ کچھ ہی مہینوں بعد ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں میری پیاری ماں بھی انتقال کر گئی۔ میں بہت تکلیف اور مشکل حالات سے گذر رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب میرا کیا ہوگا میں ٹوٹ چکی تھی۔ امی کے گذر جانے کے بعد بڑے بھائیوں کے کہنے میں آکر ابو نے کالج جانے سے روک دیا۔ تکلیف کے اس وقت میں انقلابی کتابیں پہاڑوں کی بیٹی اور نوجوانوں کا گیت میرا حوصلا بڑھا رہے تھے۔

ایک دن میری تنظیمی ساتھی ادی نجمہ جونیجو صاحبہ مجھ سے ملنے گھر آئی اور کالج نہیں جانے کا سبب پوچھا۔ ادی نجمہ کی بڑی سیما کالج میں میرے ساتھ پڑھتی تھی انہوں نے ہی بتایا کہ میں کئی دنوں سے کالج نہیں جا رہی ہوں۔ ادی نجمہ کو گھر والوں کے رویے اور حالات کے بارے میں بتایا کہ ابو نے خرچہ دینے سے منع کر دیا تھا۔

ادی نجمہ نے بتایا کہ بدین میں سندھیانی تحریک کی طرف سے ایک پروگرام ہونے والا ہے جس میں تقریری مقابلہ ہوگا۔ عنوان ہے 'عورت کا انقلاب میں کردار'۔ پارٹی کے سب لوگ چاہتے ہیں کہ تم تقریر میں حصہ لو۔ مہمان خاص پلیجو صاحب ہونگے۔ ادی نجمہ 50 روپے خرچی دیکر چلی گئی۔ بس میری تو جیسے نیند ہی اُڑ گئی۔ دوسرے روز گھر میں بتائے بغیر کالج چلی گئی۔

کالج سے واپسی پر کامریڈ رحیم جمالی جو میرے نظریاتی استاد بھی تھے انکے گھر گئی اور اس سے کہا مجھے تقریر کی تیاری کروائیں۔ انہوں نے زبانی انقلابی عورتوں کے قصے سنائے۔ کچھ انقلابی اشعار بھی سلیکٹ کر کے دیئے اور کہا کہ باقی تم اپنے دل سے بات کرو۔ شام کو جب گھر دیر سے پہنچی تو خوب کھچائی ہوئی۔ طرح طرح کے سوالات پوچھے گئے جس کا میں نے کوئی نہیں جواب دیا۔ دوسرے دن میں ادی صالحہ کے ساتھ پروگرام میں پہنچ گئی۔ پروگرام شروع ہو چکا تھا۔ تین چار

تقریروں کے بعد میری باری آئی۔ میں نے بھی لطیف کے اس شعر سے شروعات کی۔

سرِ جیس تہ سور ، سامائیس تہ سکھ ویا
اھی بئ پور موں نمانی نصیب تھیا
(شاہ)

میں اپنے موضوع پر دلائل کے ساتھ سماج میں عورتوں کے ساتھ ہونے والی بد سلوکی، نا برابری اور ناانصافیوں کے داستان بیان کیے۔ اپنے ساتھ ہونے والی زیاتیوں پر بات کرتی رہی۔ تقریری مقابلہ ختم ہوا۔ آخرانتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ جج صاحبان نے رزلٹ اناؤنس کیا۔ تقریری مقابلے میں میری پہلی پوزیشن تھی جو میرے تصور میں بھی نہیں تھا۔ میری خوشی کی انتہا نہیں تھی۔

پروگرام ختم ہونے کے بعد پلیجو صاحب نے تبصرہ کرتے ہوئے پوچھا مجھے تقریر کی تیاری کس نے کرائی تھی؟ میں نے بتایا کہ اشعار رحیم جمالی نے دیے تھے باقی باتیں میں نے دل سے کی ہیں۔ ایک بات میں کہنا ضروری سمجھتی ہوں وہ یہ کہ جن لڑکیوں نے اور عورتوں نے تقریری مقابلے میں حصہ لیا تھا انکے باپ بھائی یا شوہر پارٹی میں تھے انہوں نے لکھی ہوئی تقریریں یاد کی تھی میں نے زبانی تقریر کی اس وجہ سے میری پوزیشن آئی۔

پلیجو صاحب سے یہ دوسری طویل ملاقات تھی۔ جیسے پلیجو صاحب اور میں ایک دوسرے کو برسوں سے جانتے تھے۔ پلیجو صاحب نے بہت ہمت دی اور حوصلہ بڑھایا۔ میری تقریر کی تعریف بھی کی اور کہا کوئی بھی مسئلہ ہو یا مشکل پیش آئے مجھے ضرور بتایا کرو جو تم کہو گی وہی ہو گا۔ پارٹی ہر طرح سے تمہاری مدد کرے گی۔ کبھی بھی مایوس نہیں ہونا۔

کالج میں سائنس گروپ چھوڑ کر آرٹس میں داخلہ لے لیا۔ ماتلی شہر جا کر بڑی بہن ادی حاکمزادی کے گھر میں رہنی لگی اور وہیں تنظیمی کام کرنے لگی۔ اس دور میں پارٹی کی طرف سے جو بھی تعلیمی اور تنظیمی ورکشاپ ہوا کرتے تھے مرکز نام سلکیٹ کر کے بھیجتا تھا۔ کہ کون کون سی عورتوں کو ورکشاپ میں شامل کرنا ہے۔ آنے والے لیٹر میں میرا نام لازمی ہوتا تھا اسی طرح ہونے والے تمام ورکشاپوں میں شامل ہو جاتی تھی۔

ورکشاپوں میں اکثریت کسانوں، مزدوروں عورتوں کی ہوا کرتی تھی جو یا تو بلکل ان پڑھ یا تھوڑا بہت پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ یہ تھی فکرِ رسول بخش پلیجو یونیورسٹی جس میں ہر عمر، ہر طبقے، ہر مذہب کے لوگ زمین پر بیٹھ کر دنیا کے عظیم انقلابی رہنماؤں کی فکر اور نظریے، سوشلزم، جدلی

مادیت، ارتقا کی کہانی اور بہت سارے موضوعات پر پڑھتے بحث کرتے تبصرے اور تجزیے کرتے اصلاحی تنقید بھی کرتے تھے۔ انقلابی گیت سیکھتے اور سناتے بھی تھے۔ جب واپس لوٹتے تو کچھ اور انسان بن کر! میری زندگی بدلنے کے لئے تو بس کمیونسٹ پدھر نامے کا پیش لفظ ہی کافی تھا۔ یہ تھی فکرِ رسول بخش پلیجو یونیورسٹی اور اسکا کمال۔ جس نے ہزاروں لوگوں کی زندگیاں بدل ڈالی۔

1986ء سے لیکر 07 جون 2018ء 33 برس کے طویل سفر میں پلیجو صاحب کے ساتھ رہنے اور کام کرنے کے کئی مواقع ملے۔ پلیجو صاحب اکثر کراچی میں گھر میں آکر رہتے تھے۔ کراچی کی تنظیمی صورتحال کا جائزہ لیتے کام کرنے کی ہدایات دیتے تنقید اور تعریف بھی کرتے تھے۔ باپ کی طرح پیار اور شفقت سے ہر مشکل وقت میں مدد بھی کرتے تھے۔ کام میں سستی یا لاپرواہی کرنے پر ڈانٹتے اور غصہ بھی کرتے تھے۔ اپنے سیاسی سفر میں، میں نے پلیجو صاحب کے ساتھ کئی تنظیمی دورے کیئے۔ عدلیہ بحالی تحریک میں ساتھ ساتھ رہی۔ اتنے برس میں مجھے کبھی انکے قول اور فعل میں تضاد نظر نہیں آیا۔ جو بھی بات کرتے عملی طور پر کر دکھاتے تھے۔ سندھیانی تحریک اور عوامی تحریک کے بہت اہم تنظیمی معاملات میں بھی مشورہ لیتے اور فیصلوں میں شامل کرتے تھے۔ میں خود کو بہت خوش نصیب سمجھتی ہوں کہ وہ مجھ پر بہت اعتماد کرتے تھے۔

وہ لوگوں کو پہچاننے کی الٹرا ساؤنڈ مشین تھے۔ موقع پرست اور منافق لوگوں کو جلد پہچان جاتے تھے۔ چھوٹی موٹی باتوں کو در گزر کر دیا کرتے تھے۔ مگر بات جب پارٹی کی بقا اور تنظیمی اصولوں اور ضابطوں کو توڑنے یا بنیادی پارٹی لائن کو نقصان پہچانے کی ہو تو پھر کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے تھے۔ کوئی بھی شخص چاہے کتنا ہی قریبی دوست، رشتیدار یا انکے جسم کا حصہ کیوں نہ ہو آپریشن کر کے اس جراثیم کو جڑ سے اکھاڑ دیتے تھے۔ وہی وجہ ہے کہ پارٹی دشمن سازشی لوگوں کی تمام تر کوششوں کے باوجود پارٹی آج بھی سلامت ہے اور جدوجہد کے میدان میں ہے۔ پلیجو صاحب عجیب انسان تھے۔ یہ بہت لمبی داستانیں ہیں۔ کبھی موقع ملا تو تفصیل سے لکھوں گی۔

{بطور سیاستدان میں نے جس طرح پلیجو صاحب کو دیکھا}

پلیجو صاحب پاکستان کی سیاسی تاریخ میں ایک منفرد کردار رہے ہیں۔ وہ فرد کے روپ میں ادارے کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ اپنی مثال آپ تھے۔ وہ عالمی انقلابی رہنماؤں کارل مارکس، لینن، ماؤزیتنگ، ہوچی منھ کا تسلسل تھے۔ پلیجو صاحب علم، ادب، فلسفہ، سیاست، سماجیات، ثقافت، شاعری اور آرٹ میں علم کا بھنڈار تھے۔

Gul Hayat Institute

آپ بین الاقوامی ترقی پسند ادب کو سندھی میں ترجمہ کر کے سندھی قوم کو دنیا کی مظلوم قوموں کی شاندار انقلابی جدوجہد، کامیابیوں اور کارناموں سے روشناس کراتے ہوئے قوم کی بقا کی جنگ لڑتے رہے۔

پلیجو صاحب پاکستان کے واحد انقلابی رہنما تھے جنھوں نے قومی طبقاتی نظریاتی سیاست کو الگ پہچان دی۔ آپ نے اپنی وسیع علمی قابلیت اور دانش سے سندھ، پاکستان اور دنیا کی سیاسی سماجی اور معاشی حالات کا تجزیہ کر کے سندھ کی سیاست کو سائنسی بنیادوں پر فکری طور پر آگے بڑھانے کے لئے شاندار آرٹیکل تحریر کئے جو ''صبح ہو گی'' کتاب کی شکل میں موجود ہیں۔ پلیجو صاحب نے اُن تحریروں کے ذریعے نقلی ترقی پسندوں، جھوٹے قوم پرستوں اور نام نہاد جمہوریت کے دعویداروں کے چہروں سے پردے ہٹاتے ہوئے مظلوم سندھی قوم کو صحیح انقلابی وطن دوست سیاست سے متعارف کروایا۔

آپ قومی عوامی جمہوری انقلاب لانے کے لئے کسانوں، مزدوروں، شاگردوں، عورتوں کو انقلابی نظریہ سے مسلح کر کے قومی بنیادی انسانی حقوق حاصل کرنے کے لئے وڈیروں، پیروں اور ڈکٹیٹروں کے خلاف بے خوف ہو کر پوری قوت اور جرائت سے مظلوم اور بے سہارا لوگوں کی آواز بن کر طبقاتی نظام کو پاؤں تلے روندتے رہے۔ وہ رنگ و نسل اور مذہب اور عقیدے سے بالاتر ہو کر اپنے مشن کو آگے بڑھاتے رہے۔

پلیجو صاحب نے شاہ عبداللطیف بھٹائی کی شاعری کی اصل روح کو سائنسی بنیادوں پر بہت آسان الفاظ میں تشریح کر کے سمجھایا اور سندھ کے کونے کونے تک پہنچایا۔ آپ نے شاہ عبداللطیف بھٹائی کا دن منانے کا رواج ڈالا۔ شاہ لطیف، شیخ ایاز، فیض احمد فیض اور استاد بخاری کی انقلابی شاعری کو استاد محمد جمن، استاد محمد یوسف، جیجی زرینہ بلوچ اور عابدہ پروین کی آواز میں ٹیبلوز اور منظوم ڈرامے تیار کر کے سیاسی جلسوں میں پیش کیا۔ 1970 کی دھائی میں سندھ کے جاگیرداری نظام میں انقلابی قدم اٹھائے۔ اُس وقت یہ کوئی آسان بات نہیں تھی۔ مگر پلیجو صاحب انقلابی نظریاتی سیاست کی حکمت عملیوں کے ماہر تھے۔ انھوں نے نا صرف یہ کر دکھایا بلکہ سیاسی جلسوں میں انقلابی گیتوں پر ٹیبلوز اور مزاحیہ خاکے جس میں سماجی برائیوں کو بے نقاب کر کے لوگوں میں شعور پیدا کیا۔ سیاسی جلسوں میں ٹیبلوز، انقلابی گیت اور انقلابی شاعری کو سندھی ثقافت کا حصہ بنا دیا۔

پلیجو صاحب سندھی قوم کے خلاف ہونے والی تمام سازشوں تاریخی ویساہ گھاتیوں،

غداریوں، فراڈوں، دھوکہ دہی اور ناانصافیوں کو بے نقاب کرتے رہے۔ سندھ کی معدنیات، قدرتی وسائل خاص طور پر پانی کی چوری اور سندھو دریا کے پانی پر ڈاکہ ڈالنے والوں کے خلاف پانی کا کیس لڑتے رہے۔آپ نے کالا باغ ڈیم سمیت دریائے سندھ پر کوئی بھی ڈیم بنانے کے خلاف چھ عظیم لانگ مارچیں بھی کیں۔ جس میں ہزاروں کی تعداد میں سندھیانی تحریک کی عورتوں نے چھوٹے چھوٹے بچے گود میں اٹھا کر شدید گرمی میں روڈوں پر لانگ مارچیں کیں اور سندھ دشمن سازشی طاقتوں کو شکست فاش دی۔ پلیجو صاحب اکثر اپنی تقریروں میں کہا کرتے تھے کہ عورت آبادی کا آدھا حصہ ہے جب تک عورتوں کو عزت اختیار اور اہم فیصلوں میں شامل نہیں کیا جائے گا تب تک معاشرہ کبھی ترقی نہیں کر سکتا جس میں عورت غلام اور زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہو گی۔ کوئی بھی سیاسی اور انقلابی جدوجہد اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک اس جدوجہد میں عورتیں شامل نہ ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ عوامی تحریک کے پلیٹ فارم سے ہونی والی تمام تر جدوجہد۔ وہ چاہے ون یونٹ کے خلاف جدوجہد ہو، نیلام بند کرو تحریک ہو، ایم آر ڈی کی جدوجہد ہو اور کالا باغ ڈیم کے خلاف جدوجہد ہو، عدلیہ کی بحالی کی جدوجہد ہو۔ ہر جدوجہد میں سندھیانی تحریک کی عورتوں نے پلیجو صاحب کی رہنمائی میں مظاہروں کی قیادت کی۔

پلیجو صاحب پوری زندگی اپنے نظریاتی اور فکری مؤقف پر ڈٹے رہے۔ پاکستان کی طاقتور اسٹیبلشمنٹ کے سامنے نا کبھی جھکے نا کبھی بکے۔ ہمیشہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سندھ کا کیس لڑتے رہے۔ پلیجو صاحب ایک ایسا سماج جوڑنا چاہتے تھے جس میں تمام لوگ خوشحال اور عزت بھری زندگی بسر کریں۔ اسی عظیم مقصد کی خاطر پوری زندگی مشکل راستوں پر چلتے رہے۔ وہ زندگی کے آخری دنوں میں جب زیادہ بات نہیں کر سکتے تھے اس وقت بھی تنظیمی کارکنوں کو بلا کر انقلابی گیت سنتے تھے اور اپنی پوری طاقت جمع کر کے انقلابی شاعری سناتے تھے اور کارکنوں سے یہ نعرہ لگواتے تھے کہ لینن، اسٹالن ماؤ کی جے ہو۔ لال جھنڈے کی جے ہو۔

Gul Hayat Institute

’رسول بخش پلیجو کے نام‘

گھنِ سیام سے لڑنے والا عالمِ نظیر تھا وہ شخص۔
طوفان کے سُمور بھی فراضِ حصِیر تھا وہ شخص۔

ہے قوم کو یہ منقبت اُس کے جمال و کردار سے
ہر دلِ کبیدہ کی دھڑکن میں مانُوسِ اجِیر تھا وہ شخص۔

نا روک سکا اُسے، کسی ظلم و زنجیر کا نرغہ کبھی
بیدار جہاں کی بستی میں روحءتغیرِ تھا وہ شخص۔

حب وطن سے تھی آشنا، اُس کے لہُو کی آگ
وطن مانوف کی اُنس میں جانِ اثِیر تھا وہ شخص۔

اُس کے الفاظ میں تھیں لرزشیں جاوداں تحریر کی
سیاہ بخت زمانے کی، روشن تقدِیر تھا وہ شخص۔

زندہ دلی کا حوصلہ تھا سانسِ قانت میں بھرا ہُوا
اندھیری ہر شام میں چلمن کا تنوِیر تھا وہ شخص۔

نامُوسِ تعلیم رہا ، اُس کی حیات کا ہر صفحہ
دلِ شجاع قوم کا استوارء ضمِیر تھا وہ شخص۔

Gul Hayat Institute

لڑتے لڑتے جھُلس نا پایا اُس کے ارادوں کا تاب
تھا حسرتوں کا بُلبُلا، چاہتِ پذِیر تھا وہ شخص۔

کیسے ہوگا سطوت کی، بدحالی کا اب سامن
آتش کدہ کی محفلوں میں ماہ مِنیرِ تھا وہ شخص۔

سو گئی ہے نِیند بھی اُسے جہاں سے جاتا دیکھ کر
غیرت و نفس کے خُواب کی تعبِیرِ تھا وہ شخص۔
'مسافر'

(بشکریہ فیس بک)

رسول بخش پلیجو...

انور شعور

Gul Hayat Institute

وطن کے ایسے اکابر میں تھا شمار اُن کا
کسی زمین پہ جو گاہِ گاہِ آتے ہیں
رسول بخش پلیجو بھی چل بسے افسوس
''جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں''

(بشکریہ جنگ)

رسول بخش پلیجو صاحب،
ایک معتبر سیاستدان

اے اے سید

بزرگ سیاستداں اور عوامی تحریک کے بانی رسول بخش پلیجو اب ہمارے درمیان نہیں رہے۔ اس طرح ہماری سیاست ایک اور معتبر سیاست دان سے محروم ہو گئی۔ وہ صرف ایک سیاست دان ہی نہیں تھے بلکہ دانشور، ادیب، نقّاد، وکیل اور محقق بھی تھے۔ رسول بخش پلیجو نے پوری زندگی سندھ کے حوالے سے سیاست کی، لیکن ان کی زندگی میں ایک دور ایسا بھی آیا جب وہ عوامی نیشنل پارٹی کے جنرل سیکریٹری منتخب ہوئے تھے۔ کچھ عرصے بعد اختلافات کی بنا پر انہوں نے اے این پی سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی۔ پلیجو نے سندھ میں قومی حقوق کے لیے چلنے والی اہم تحریکوں جیسا کہ ون یونٹ مخالف تحریک، سندھی میں انتخابی لسٹیں چھپواؤ تحریک، کالا باغ ڈیم مخالف تحریک اور تحریک بحالیءِ جمہوریت یا ایم آر ڈی میں اہم کردار ادا کیا۔ رسول بخش پلیجو ایوب خان، ذوالفقار علی بھٹو اور جنرل ضیاالحق کے ادوار میں اپنے سیاسی نظریات کی وجہ سے لگ بھگ گیارہ برس جیل میں رہے۔ اسی دوران کوٹ لکھپت جیل میں قید کے دوران ایک ڈائری لکھی جو سندھی زبان میں بہت مقبول کتاب رہی۔ انہوں نے سندھی زبان میں درجنوں کتابیں لکھیں۔

اپنے بیٹے ایاز لطیف پلیجو کو کوٹ لکھپت جیل سے لکھے گئے ایک خط میں انہوں نے کہا ہے:

”پہلی بات تو یہ کہ تم نے ابھی تک اپنی زندگی میں اپنی عمر کے حساب سے کوئی ایسا دکھ نہیں دیکھا جسے حقیقی معنوں میں دکھ کہا جائے۔ تاریخ کے اس مرحلے تک لوگوں کی بڑی اکثریت کی دنیا دکھوں کی دنیا ہے، اس لیے کہ دنیا میں سب سے بڑا انسانی رشتہ سُکھ کا نہیں بلکہ دکھ کا ہے۔ آج تک دکھ ہی انسانی و سماجی زندگی کے متعلق علم و شعور کا بڑے سے بڑا ذریعہ بنا ہے۔ جس نے بالواسطہ اور

Gul Hayat Institute

بلاواسطہ دکھ نہیں سہاہے، اسے درد کے مارے انسانوں کی کیا خبر ہو گی؟''

اس مخلص سیاستداں کے نظریات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، مگر اہلِ سندھ کی ذہنی زندگی پر ان کے اثرات کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ رسول بخش پلیجو نے اپنے خیالات کا اظہار ''فرائیڈے اسپیشل'' کو دئے گئے ایک خصوصی انٹرویو میں کیا تھا۔ یہ انٹرویو گیارہ سال پہلے اپریل 2007ء کو حیدرآباد میں لیا گیا تھا، اور ان سے یہ پہلی ملاقات تھی جو بہت محبت اور اپنائیت کی تھی۔ ایسا محسوس ہوا کہ جیسے ہم ایک دوسرے کو برسوں سے جانتے ہیں۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ انہوں نے بیٹھنے کا کہتے ہی کسی تمہید کے بغیر فرائیڈے اسپیشل کے کردار کو سراہا اور اس دوران اخبارات و جرائد پر تبصرے کیے۔ کمال کی شخصیت تھی، جس موضوع پر گفتگو آپ چاہیں کر سکتے تھے۔ ان کی گفتگو دلیل، کتابوں کے حوالے اور سندھی، اردو، عربی، فارسی اشعار سے مزین ہوتی تھی۔ یہ ایک یادگار ملاقات تھی جو دوبارہ نہیں ہو سکی۔ اس ملاقات میں اپنے ساتھ گھر کا بنا کھانا بھی کھلایا، لائبریری بھی دکھائی۔ اپنی کتاب اور ماہانہ نکلنے والے میگزین ''تحریک'' اور ''کاپڑی'' دے کر رخصت کرنے دروازے تک آئے تھے۔ ان کی پہچان قوم پرست سیاست دان کی تھی لیکن انہوں نے بڑے واضح الفاظ میں اس تاثر کی تردید کی تھی۔ ان کی نظر نہ صرف ملکی صورتِ حال اور ملکی تاریخ پر تھی بلکہ وہ بین الاقوامی حالات و واقعات پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ ان سے ہونے والی گفتگو جس میں ایک تاریخ بھی ہے اور انکشافات بھی ہیں اور اب خود تاریخ کا حصہ ہیں۔ یہ ایک طویل انٹرویو تھا جو دو اقساط میں شائع ہوا تھا۔

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجوایک جہدِ مسلسل

طارق افغان

دنیا میں ایسے کم ہی لوگ پیدا ہوتے ہیں جو اپنی جدوجہد کی بناء پر عوام میں شعور پیدا کر کے اُن کو ترقی کی راہ پر گامزن کرتے ہیں۔ رسول بخش پلیجو انہی چند شخصیات میں سے ایک ہیں جو اپنی جہدِ مسلسل سے پاکستان کی چھوٹی قومیتوں خصوصاً سندھیوں کے حقوق کیلئے مرتے دم تک لڑے۔ انہوں نے ساری عمر کمزور اور ناتواں لوگوں کے حقوق کیلئے جنگ لڑی اور اُن کو ہمت اور استقامت کی تلقین کی۔

رسول بخش پلیجو جدوجہد کی سیاست کا وہ روشن ستارہ ہے جو ہر کٹھن دور میں چمکا اور چمکتا رہے گا۔ پلیجو صاحب 20- فروری 1930ء کو سندھ کے ضلع ٹھٹہ کے گاؤں منگر خان پلیجو میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی اور سیکنڈری تعلیم کیلئے سندھ مدرستہ الاسلام چلے گئے جبکہ سندھ لاء کالج سے وکالت کی ڈگری لی اور سپریم کورٹ کے ایک کامیاب وکیل رہے۔

سیاسی جدوجہد کی بناپر 11سال کی طویل قید وبند کی صعوبتیں برداشت کی جس کی بناپر ایمنسٹی انٹرنیشنل نے پلیجو صاحب کو 1983ء میں ''پرزنرز آف کونسائنس'' کے خطاب سے نوازا۔

پلیجو صاحب دوران قید زیادہ تر وقت مشہور زمانہ ''کوٹ لکھپت'' جیل میں گذارا جبکہ جیل میں ان کا سارا وقت لکھنے پڑھنے میں گزرتا تھا۔

پلیجو صاحب نے جنوبی ایشیاء کے سیاسی لیڈروں میں جاگیردارانہ نظام، مارشل لاء، نوآبادیاتی نظام اور سامراج واستعمار مخالف جدوجہد میں اپنا ایک الگ مقام بنایا تھا۔

انہوں نے پختونوں کے عظیم سیاسی رہنماء خان عبدالولی خان کے ساتھ ملکر عوامی نیشنل پارٹی کی بنیاد رکھی اور اس کے بانی سیکریٹری جنرل منتخب ہوئے تھے۔

پلیجو صاحب اینٹی ون یونٹ تحریک، تحریک برائے بحالیءِ جمہوریت اور چھوٹی قومیتوں کی تحریک پونم میں اول اول رہے۔ سندھی گرلز سٹوڈنٹس تحریک کا قیام پلیجو صاحب کا عظیم کارنامہ تھا جس نے سندھ کی عورتوں کو ایک الگ مقام دیا اور یہی وجہ ہے کہ آج عوامی تحریک کی آدھی سے زیادہ ممبرشپ عورتوں پر مشتمل ہے۔

جب کالا باغ ڈیم کی تعمیر کا اعلان ہوا تو رسول بخش پلیجو نے اینٹی کالا باغ ڈیم ایکشن کمیٹی کی بنیاد رکھی اور پختونوں اور سندھیوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کرکے ڈیم کے نقصانات کی خلاف رائے عامہ کو منظم کیا اور آخری دم تک اس کے خلاف لڑتے رہے۔ وہ عدلیہ کی آزادی اور پارلیمنٹ کی بالادستی کیلئے ہمیشہ جدوجہد کرتے رہے۔ فوجی آمریت کیخلاف چٹان کی طرح کھڑے رہے اور ضیائی دور میں پابندِ سلاسل رہے۔ بلوچستان میں فوجی آپریشن کی بھرپور مخالفت کی اور تحریک چلاتے رہے۔

سیاست میں عدم تشدد کے ذریعے لانگ مارچز کو فروغ دیا اور عوام کو فعال کیا۔

اپنے ایک تاریخی خطاب میں پلیجو صاحب نے کہا کہ ”یہ وطن ہمارا ہے اور اگر اس ملک اور وطن میں پچاس کروڑ اور لوگ بھی زبردستی آباد ہو جائیں تب بھی یہ وطن ہمارا ہے اگر ہم مر مر کر، کٹ کٹ کر ختم ہو جائیں تب بھی یہ وطن ہمارا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم اُن میں سے نہیں جو شکست کھا کر اور رو کر معافی مانگتے ہیں۔ ہم لڑیں گے نسلوں تک، آخری آدمی تک، چپے چپے تک، گاؤں میں لڑیں گے، شہروں میں لڑیں گے ہر جگہ لڑیں گے۔ یہ زمیں ہماری ہے جب تک سندھی مائیں بچے جنتی رہیں گی یہ سندھ ہمارا ہے“۔

پلیجو صاحب گو کہ سندھی تھے لیکن وہ تمام مظلوم قومیتوں کی آواز تھے اور ان کے حقوق کیلئے آواز اُٹھاتے رہے۔ انسانی حقوق کیلئے ان کی خدمات ہر کسی سے زیادہ ہیں۔ وہ ایک سیاسی فلاسافی کے ساتھ ساتھ ایک سیاسی استاد تھے۔ انہوں نے 40 سے زیادہ کتابیں تحریر کی ہیں جن میں جیل کی یاد داشتیں، سیاست، ثقافت اور دیگر موضوعات پر کتابیں سیاست کے طالب عملوں کیلئے مشعل راہ ہیں۔

اُنہیں سندھی زبان سے گہری محبت تھی اور سندھی زبان کو اسکا جائز مقام دلوانے میں انہوں نے کلیدی کردار ادا کیا۔ پلیجو صاحب نے سندھی گلوکارہ اور سماجی کارکن زرینہ بلوچ سے شادی کی تھی۔ پلیجو صاحب ایک نڈر اور اصولوں پر قائم رہنے والے انقلابی سیاستداں تھے۔ آپ کی سیاسی جدوجہد کو قیامت تک یاد رکھا جائے گا۔

(بشکریہ سوشل آکسیجن)

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو...
ایک اور انقلابی روٹھ گیا

تنویر زمان خان

سندھ دھرتی کا سپوت رسول بخش پلیجو ہم سے جدا ہو گیا۔ پلیجو 1930ء میں ٹھٹہ میں پیدا ہوئے اور گزشتہ روز اٹھاسی برس کی عمر میں ٹھٹہ ہی کی مٹی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سینے سے لگا لیا۔ ہم ایک استاد، سیاستداں، لکھاری، نظریہ دان، عالم، وکیل، مارکسٹ اور ایک سچے غریبوں کے دوست سے جدا ہو گئے۔ پلیجو صاحب کو مجھے قریب سے دیکھنے اور جاننے کا موقع ملا۔ وہ ایک انتھک اور محنتی مجسم سیاست تھے۔ جس کی ذہانت اور علمیت کے سبھی سیاستداں اور دانشور معترف تھے۔ بلکہ پیپلز پارٹی کے ایک سابق وزیر اعظم ملک معراج خالد مرحوم کہا کرتے تھے کہ پلیجو دانشوروں کے دانشور ہیں اور ان کا علمی مقام پاکستان کے تمام سیاستدانوں سے اوپر ہے۔ ارشاد احمد حقانی نے اپنے کالموں کی ایک سیریل میں پلیجو کی سیاست اور علمیت کی تعریف کی۔ پلیجو بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ انہوں نے اپنی تمام تعلیم سندھ کے مختلف تعلیمی اداروں میں حاصل کی۔ سندھ لا کالج کراچی سے وکالت پاس کی۔ انہیں سندھی، اردو اور انگریزی پر تو مکمل عبور تھا۔ لیکن وہ ہندی، بلوچی، بنگالی، سرائیکی، پنجابی اور فارسی میں بھی بآسانی لکھ پڑھ اور بول سکتے تھے۔ وہ ہمیں اکثر پاکستان کی مختلف قوموں کی بولی جانے والی زبانیں سیکھنے پر زور دیا کرتے تھے۔

مجھے آج 1986/87ء کے وہ دن یاد آرہے ہیں جب پلیجو جنرل ضیاء کی طرف سے دی گئی طویل جیل سے رہائی کے بعد پہلی دفعہ لندن آئے تھے۔ وہ اس وقت کافی بیمار تھے، جسم کی صورتحال یہ تھی کہ انہیں گرمیوں میں بھی گرم کپڑے پہن کر رکھنا پڑتے تھے۔ کیونکہ جسم ٹھنڈک محسوس کرتا رہتا تھا۔ اس وقت عوامی نیشنل پارٹی نئی نئی بنی تھی اور پلیجو اس کے پہلے سیکرٹری جنرل تھے۔

Gul Hayat Institute

ان دنوں حاکم علی زرداری بھی یہاں لندن ہی میں تھے وہ اے این پی سندھ کے صدر اور پارٹی کے مرکزی نائب صدر تھے۔ ویسے تو میں پلیجو صاحب کو لاہور میں اس وقت سے جانتا تھا جب میں یونیورسٹی کا طالب علم تھا اور وہ لاہور میں عوامی تحریک کی طلبہ ونگ سندھی شاگرد تحریک کے طلبہ کو ہماری تنظیم NSO سے ملانے لائے تھے۔ رسول بخش پلیجو جو کچھ بھی مانتے تھے۔ صدقِ دل سے مانتے تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے خاندان کے کسی بچے کو سیاست سے دور نہیں رہنے دیا۔ گھر کی خواتین سندھیانی تحریک میں سرگرم تھیں۔ بھائی بچے کسی کے لئے بھی سیاست شجرِ ممنوعہ نہیں تھی۔ جبکہ ہمارے بائیں بازو کے بہت سے سیاستدان ایسا نہیں کرتے ہیں کیونکہ اس بائیں بازو کی سیاست میں جدوجہد ہی جدوجہد ہے، تکلیفیں ہی تکلیفیں ہیں۔ کیونکہ حکمران طبقات کو چیلنج کرنے کی راہ بہت کٹھن ہے اس کے باوجود اپنے پورے خاندان کو سیاست کی طرف لانا نظریئے سے سچی جرٔت کا ثبوت ہے۔

پلیجو لندن آئے تو اکثر کہا کرتے تھے کہ لندن آکر انہوں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ جو شاید وہ سندھ یا پاکستان میں رہتے ہوئے کبھی نہیں سیکھ سکتے تھے۔ میں نے برے سے برے حالات میں بھی کچھ کرتے رہنا یا کر گزرنے کا جو حوصلہ اور سلیقہ رسول بخش پلیجو میں دیکھا وہ کسی اور میں نہیں دیکھ سکا۔ وہ نئے لوگوں کو سیاست میں کھینچ لانے کے بڑے ماہر تھے۔ وہ ایک سیاسی یونیورسٹی تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب ان کی پارٹی کے مرکزی سینیئر نائب صدر فاضل راہو کی شہادت ہوئی تو ہم نے لندن میں پاکستان ایمنسٹی انٹر نیشنل کے باہر مظاہرے کا اہتمام کیا۔ میری بیگم سیاسی نہیں تھی پلیجو صاحب نے اس سے تقریر تیار کروائی، وہ کہا کرتے تھے کہ سیاسی بننے کے لئے کوئی خمیر تبدیل نہیں کرنا پڑتا۔ بس نظریئے کے ساتھ دل سے منسلک ہو جاؤ۔ مجھے اس وقت لندن آئے ہوئے ابھی دو ایک مہینے ہی ہوئے تھے۔ لیکن سرور باری اور ڈاکٹر فرزانہ باری وغیرہ یہاں پہلے سے رہتے تھے۔ ان کے پاس فلیٹ بھی تھا۔ جہاں پلیجو صاحب بھی قیام پذیر تھے۔ جہاں روزانہ شام کو محفل لگتی تھی۔ ہمارے ایک دوست نعیم خان اچھا گانا گا لیتے تھے اور مجھے اشعار کافی یاد ہوتے تھے۔ پلیجو صاحب کی وجہ سے شام کو اور بھی کئی دوست وہاں آجاتے تھے۔ پلیجو صاحب مجھے کہتے کوئی اچھے اشعار سناؤ۔ پھر نعیم سے گانے کی فرمائش کرتے۔ اس کے بعد ہم خوب انقلاب اور نظریئے کے بخیے ادھیڑتے۔ میرے لندن میں آتے ہی ان محفلوں میں جن دوستوں سے ملاقات ہوئی ان میں سردار مظہر، مشتاق لاشاری، شاہد ندیم، جمال شاہ، شاہد گوگی، منیب انور، راجہ محبوب،

Gul Hayat Institute

موسیٰ اصغر، عطا خالد اور سید نوید حسین واضح طور پر یاد ہیں۔ پیپلز پارٹی برطانیہ کے موجودہ صدر محسن باری ان ہی دنوں میری طرح نئے نئے لندن آئے تھے۔ ہم سب نے یہاں اے این پی برطانیہ یونٹ منظم کیا۔ جو زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا۔ کیونکہ ولی خان کی پالیسیوں کی وجہ سے کافی لوگ پارٹی چھوڑ گئے تھے۔

پلیجو صاحب میں خصوصیت یہ تھی کہ وہ سیاسی کام کے لئے ورکروں میں انرجی ڈالنے کے ماہر تھے۔ وہ کام کرنے کا جذبہ قائم کر دیتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ پلیجو صاحب ایک دفعہ میرے گھر آئے۔ ان کے ہمراہ ان کی بیگم زرینہ بلوچ، ان کی بیٹی اختر بلوچ (سسئی کی والدہ) بھی ہمراہ تھیں۔ پلیجو صاحب نے کہا کہ وہ میرے ساتھ کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں تو ہم سب لوگ گاڑی میں بیٹھ کر برائٹن کی طرف چل پڑے۔ پلیجو صاحب نے سارے راستے اتنے طویل تاریخی تجزیئے اور نظریات پر بات کی جو اس وقت بیان کرنا ممکن نہیں۔ انقلابی لوگ اس بات کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں۔ اس تمام تھیسز Thesis کا لبِ لباب یہ تھا کہ تنویر تم پاکستان آؤ اور پنجاب میں سیاست کرو۔ پنجاب میں ان دنوں چوہدری پرویز الٰہی وزیر اعلیٰ تھا۔ وہ مجھے کہا کرتے تھے کہ پنجاب میں تم جیسے لوگوں کی ضرورت ہے۔ وہ کبھی حالات کی وجہ سے مایوس نہیں ہوا کرتے تھے۔ آج جب وہ ہم میں نہیں ہیں تو مجھے ان کی کچھ باتیں یاد آ رہی تھیں۔ پلیجو ہمیشہ ہمارے دلوں میں اور اس طبقے کے دلوں میں جن محنت کشوں کے لئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کئے رکھی۔ زندہ رہیں گے۔

(بشکریہ جنگ لندن)

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو کی وراثت اور پسماندگان

تنویر زمان خان

رسول بخش پلیجو کی جدائی کو محض چند تعزیتی اجلاسوں References یا فاتحہ خوانیوں تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔ سندھ کو وڈیروں، پیروں اور جاگیرداروں نے جس اندھیرے کے حصار میں صدیوں سے قید کررکھا ہے، پلیجو نے اس میں جو امید کی کرن روشن کی، اس پسماندہ ترین سوسائٹی میں عورتوں کو جس طرح اپنے حقوق کی جنگ کے لیے بیدار کیا، اس کا سہرا ہی پلیجو کے سر نہیں بلکہ یہی پلیجو کی وراثت ہے۔ رسول بخش پلیجو کو ایسے ذکر کرکے نظروں سے نہیں گزارا جاسکتا کہ انہوں نے پسماندگان میں فلاں فلاں کو چھوڑا۔ وہ تو معاشرے کا فطری عمل ہے، چلتا ہی رہتا ہے، جو مرتا ہے اس کے کوئی نہ کوئی اولاد یا عزیز واقارب ہوتے ہی ہیں جنہیں ہم پسماندگان کہتے ہیں، جائیداد وغیرہ ہوتی ہے تو اسے ہم وراثت کہتے ہیں، لیکن رسول بخش پلیجو کے پسماندگان کو گننے کیلئے نہ خاندان کو دیکھنے کی کوئی اہمیت ہے، نہ روایتی جانشینوں کو۔ انقلابیوں کی وراثت نہیں ہوتی، یہ تو جاگیرداری اور قبائلی نظام کا خواصہ ہے جو اپنا سیاسی اثر ورسوخ اور ذاتی ملکیت کو حتیٰ کہ سیاسی پارٹیوں تک کو اپنی ذاتی جاگیر کی طرح اپنی اولادوں میں منتقل کرتے ہیں۔ پلیجو کے ورثا میں سندھیانی تحریک کی وہ ہزاروں خواتین ہیں، عوامی تحریک کے وہ لاکھوں کارکنان ہیں اور رسول بخش پلیجو کا دیا ہوا وہ شعور اور بیداری ہے جو وہ آگے جتنا بانٹیں گے اتنا بڑھتا چلا جائے گا۔

پلیجو سندھ کے نیشنلسٹ لیڈر تھے اور چالیس سے زائد کتب کے مصنف تھے۔ ان کی سیاست چومکھی لڑائی تھی، ایک طرف سندھ میں ہاریوں کے حقوق کیلئے وڈیرہ شاہی اور سندھ میں پھیلی پیری مریدی کے خلاف لڑائی دوسری طرف کراچی میں دہشت کی علامت بنی ہوئی مہاجر تحریک (MQM) کے خلاف جدوجہد رسول بخش پلیجو نے ان تمام محاذوں پر ہاریوں کے حقوق

کے لیے ڈٹ کے جنگ کی۔ 1970ء میں بزمِ صوفیائے سندھ کے پلیٹ فارم سے جی ایم سید سے علیحدہ ہوئے تو سندھی عوامی تحریک (پارٹی) بنائی۔ سندھ قومی اتحاد، سندھ متحدہ محاذ، سندھی ادبی سنگت، بزمِ صوفیائے سندھ، پونم، اینٹی ون یونٹ تحریک اور ایسی کئی چھوٹی تنظیمیں اور اتحاد پلیجو کی متحرک زندگی کے آئینہ دار ہیں۔ پلیجو عوامی نیشنل پارٹی (اے این پی) کے بانیوں میں سے تھے اور اس کے پہلے سیکریٹری جنرل تھے۔

1983ء میں جنرل ضیاء کے خلاف ''تحریک بحالیٔ جمہوریت'' کی تحریک میں سندھی عوامی تحریک کا کلیدی کردار تھا۔ سندھیوں کیلئے اور پورے پاکستان کی خواتین کے لیے پلیجو کا سب سے اہم تحفہ اور پلیجو کی وراثت اگر کسی چیز کو کہا جائے تو وہ سندھیانی تحریک ہے جو 1982ء میں سندھ میں عورتوں کے ساتھ امتیازی سلوک کے خلاف منظم کی گئی۔ جو دیکھتے ہی دیکھتے اتنی پاپولر ہو گئی کہ ایم آر ڈی کی تحریک میں سندھیانی تحریک نے اہم کردار ادا کیا۔ سندھیانی تحریک پر یورپی یونیورسٹیوں کے کئی طلبہ خصوصی طور پر تحقیقی کام کرنے کیلئے گئے اور وہ پسماندہ اور سہولتوں سے محروم علاقے کی خواتین کے سیاسی اور سماجی شعور سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

اس تمام بیداری کے پیچھے رسول بخش پلیجو کا مائنڈ اور جدوجہد تھی، جسے یورپی طلبہ نے نہ صرف اپنے حقیقی مقالات میں درج کیا بلکہ اس زمانے کے اسلام آباد کے اخبار نے بارہا ذکر تک کیا۔ پاکستان کے بائیں بازو کے لوگوں کا المیہ یہ ہے کہ وہ بائیں بازو کے قائدین کی ہزار خوبیوں کو نظر انداز کر کے چند خامیوں کو پکڑ لیتے ہیں اور انہی پر زندگی بھر کی دشمنی قائم رکھتے ہیں، جبکہ بائیں بازو کے یہی لوگ دائیں بازو کے کیمپ کے بہت سارے لیڈروں کی ہزار برائیوں بلکہ لاکھوں برائیوں کو درگزر کر کے ایک آدھ ایریا میں پھنسی ہوئی خوبی پر اسے مینار پر چڑھا دیتے ہیں۔ یہ صرف وسیع ظرفی اپنانے کا مسئلہ ہے۔ پلیجو ایک بائیں بازو کے جمہوریت پسند اور انقلابی رہنما تھے۔ جنہوں نے پاکستان اور خصوصی طور پر سندھ کے عوام کو عظیم سیاسی، علمی، فکری اور تنظیمی شعور کے عظیم تحفے دیئے۔ یہی رسول بخش پلیجو کی وراثت ہے۔

(بشکریہ جنگ لندن)

Gul Hayat Institute

پلیجو کی لالٹین نہیں بجھتی

حسن مجتبیٰ

لوگ اسے سندھ کا ''منی ماؤ'' کہتے تھے۔ دانشور، سیاستداں۔ انتہائی پڑھا لکھا۔ زِیرک۔ یگانہ روزگار۔ ہر فن مولا ادیب، شاعر، افسانہ نگار، تاریخ، فن موسیقی و حرب کا مشاق جانکار، لڑاکا یا فائٹر، قانون دان، بہادر اور بے خوف، شاہ بھٹائی کا جدید شارح، عاشق و حسن پرست۔ میں جب بڑا ہو رہا تھا تو میں نے اسی کے پیروکاروں سے اور خود اسی کی زبانی اس کیلئے تحریر شدہ الفاظ پڑھے ''مشعلِ راہ روشن کرنے والا ڈاھو (دانشمند)''۔ پون صدی کے دانشور رسول بخش پلیجو اس جہاں رنگ و بو سے کوچ کر گئے۔ وہ توانا آواز ''جہاں کو دو مبارکیں کہ ہم فتح مند ہیں'' خاموش ہو گئی۔

وہ سندھ کے حقوق کی تمام تحاریک کے تقریباً ہر ایک دور میں اگلے مورچوں کا سپاہی بھی رہا تو جری جرنیل بھی۔ اور اسے جرنیل بننے کا شوق بھی تھا۔ جرنیل سے زیادہ ایک چرواہا۔ وہ بھی لوگوں کا۔ عوام کا۔ اس لئے نہیں کہ لوگ کوئی بھیڑ بکری تھے۔ لیکن جس طرح کہا جاتا ہے کہ نبیوں نے بھی چرواہوں کا پیشہ اختیار کیا ہے۔ کیونکہ چرواہا بڑی شے ہوتا ہے کہ اسکی ہر وقت نگاہیں زمین کی طرف ہوتی ہیں جہاں وہ ہر آتے جاتے قدموں کا نقشہ اپنے ذہن میں بناتا ہے اور اسکی آنکھ کے سامنے گزرنے والے ہر جانور کے کُھر اور ہر انسانی پیر پر اس کی نظر ہوتی ہے۔ لب پر کہانیاں، قصے، داستانیں اور کلام۔ عیسائیت میں تو ایسے پیشے والے یار ہنما کو بھی ''شیپرڈ'' کہا جاتا ہے۔ پلیجو کی شخصیت کا ایک پہلو یہ بھی تھا۔ اسی لیے اس نے میرے صحافی دوست کو بتایا تھا کہ اس نے اپنی ایک کتاب کا نام بھی انہی لوگوں پر رکھا تھا ''دھراڑن جا دھک'' یعنی کہ ''چرواہوں کی چوٹیں''۔ لیکن اس نے بچپن میں چوریاں بھی کیں۔ کئی برس ہوئے کہ اس نے اپنے بچپن سے متعلق ایسی بات ایک سندھی جریدے کے چینل کو دورانِ انٹرویو بتائی تھی۔ ایک گوناگوں شخصیت اور اسکی ہمہ جہت زندگی۔

Gul Hayat Institute

محض انتہائی متنازع نہیں بلکہ تنازعے کھڑے کرنے والا رہنما اور لکھاری۔

رسول بخش پلیجو کی زندگی طوفانوں، خطرات اور تضادات سے پُر تھی۔ اختلافات، احتجاج، یہاں تک کہ اپنے بیٹے سے بھی۔ کئی لوگ اس سے خوف کھاتے تھے۔ اسے سخت ناپسند کرتے اور ان سے بھی زیادہ نہ فقط ان سے محبت کرتے بلکہ ان سے عقیدت رکھتے۔ وہ قاتل کشش رکھنے والا محبوب شخص بھی تھا۔ وہ سندھ کی پوری لاڑ (زیریں سندھ کا علاقہ) تھا۔ جیسے اس کی اہلیہ اور سندھ کی اُمِّ کلثوم، زرینہ بلوچ جسے سارا سندھ ''جیجی'' یعنی ماں کہتا، نے گایا تھا علی بابا کا لوک گیت ''اسیں ماڑھوں لاڑ جا، دریاہ جے پاچھاڑ جا'' (کہ ہم لاڑ کے لوگ ہیں دریا کے نچلے سرے کے رہنے والے)۔ ذہنی طبیعت اور درویشی میں وہ ایسا تھا۔

عورتوں کے حقوق کا سب سے بڑا چیمپئن بھی مانا گیا۔ سندھ میں عورتوں کو یا تو بینظیر بھٹو سڑکوں پر لائی یا پھر رسول بخش پلیجو۔ سندھیانی تحریک اسکی مثال ہے۔ اسکے بچوں کو اس سے شکایت رہی کہ نہ وہ انکا خیال رکھ سکا اور نہ ہی ان سے انصاف کر پایا۔ یہ بات درست ہے کہ وہ خون کے رشتوں سے زیادہ نظریاتی رشتوں پر یقین رکھتا تھا۔ لیکن اسکے بچے کوئی اسکے نظریاتی دشمن بھی تو نہیں تھے۔ نہ ہی بیویاں۔ لیکن وہ اپنی زندگی کی آخری گھڑی تک اپنے آدرشوں اور نظریات سے (جیسے بھی تھے) وفادار رہا۔

اس کی زندگی سراپا شاعری تھی۔ زندگی کے آخری دنوں میں بھی اپنی بیٹیوں، بھانجیوں اور پارٹی کے ساتھیوں کے ساتھ انقلابی گیت گاتا۔ ان کی لَے ترتیب دلواتا۔ وہ جب شاہ لطیف کی شاعری پڑھتا تو ایسا لگتا کہ تین سو برسوں سے بھٹ شاہ پر اسی طرح کا راگ گانے والے فقیروں کے بغیر تنبورے کی تاریں خود بخود چلنے لگی ہیں۔ جیسے خود شاہ لطیف نے کہا تھا کہ ''شمال سے ہوا لگے تو کینجھر جھیل بھی جھولا بن جائے۔'' یہ جھولا وہ نہیں جو سکھیاں ساون میں درختوں میں ڈالا کرتیں بلکہ وہ جھولا جسے سندھی میں ''ہندورا'' کہتے ہیں۔ وہ جب فیض کو پڑھتا تو فیض نے بھی اپنی شاعری اس شد و مد سے شاید ہی پڑھی ہو گی۔ وہ اپنے مزاج میں اسٹالن کو نہیں بھولا تھا کہ اپنی زندگی کے آخری دن وہ اس پر اردو شاعری شاید مخدوم محی الدین یا ساحر کی نظم بستر علالت پر پڑھ رہا تھا۔

اسٹالین نے میدان میں بُلایا ہے ہمیں
کسب و جہد کا پیغام سنایا ہے ہمیں

وہ رجعت پسندوں ترقی پسندوں اور قوم پرستوں سے بہ یک وقت حالتِ جنگ میں رہا۔ اور اس پر اسکی کئی کتابیں اور کتابچے ہیں۔ قصہ مختصر کہ اگر تم نے کبھی کراچی لاہور ٹرین کا سفر کیا ہوگا تو کوٹری اور جھمپیر کے بعد ایک اسٹیشن اس پتھریلے اور کیکٹس کے بیابان میں جنگشاہی کا آتا ہے۔

جہاں کی لسی مشہور مشروب ہے۔ پلیجو بھی بچپن میں جنگشاہی کی لسی کی گاگریں اٹھانا چاہتا تھا لیکن لاغر جسم ہونے کی وجہ سے اٹھا نہیں سکتا تھا۔ گاؤں میں چوری چکاری ہوتی تھی۔ یہ اپنی ماں کے ساتھ لالٹین جلا کر ساری رات پہرا دیتا اور ساری رات اپنی ماں کو کتابوں سے باآواز بلند کہانیاں پڑھ کر سناتا۔

سندھی قوم پرست پارٹیوں کی قیادت زیادہ تر سیّدوں اور بلوچوں کے ہاتھوں میں رہی۔ سوائے رسول بخش پلیجو کی عوامی تحریک کے جس میں نچلی ذاتوں کے بھیل، کولہی ان کی پارٹی کی اگلی صفوں میں شریک رہے تھے۔ پھر وہ کسان محاذ ہو کہ بچوں کی ذیلی تنظیم کہ عورتوں کی۔

(بشکریہ جنگ)

انقلاب جو نہیں آیا

حسن مجتبیٰ

Gul Hayat Institute

نواز شریف نے اس لانگ مارچ کو 'خاموش انقلاب' کا نام دیا۔ یہ لانگ مارچ اس لیے بھی صرف پنجابی مارچ نہیں تھا کہ اس لانگ مارچ میں کبھی 'منی ماؤ' کہلانے والے سندھی سیاسی لیڈر اور دانشور رسول بخش پلیجو نہ صرف اپنی عوامی تحریک کی سندھیانی تحریک کی کارکنوں کے ساتھ شریک ہونے آئے تھے بلکہ انکی سندھیانی تحریک کی کارکن سندھ میں سے پولیس اور رینجرز کے تشدد کی چناب پار کر کے پہنچی تھیں۔

قوم پرست سیاستدان رسول بخش پلیجو

محمد ثاقب

بائیں بازو کے نظریات کے حامل رسول بخش پلیجو کا شمار سندھ کے ایسے قوم پرست سیاستدانوں میں ہوتا تھا جنھوں نے علیحدگی کا نعرہ لگانے کے بجائے ملک کے آئین کے تحت حقوق کی بات کی۔ معروف سندھی قوم پرست رہنمااور عوامی تحریک کے بانی رسول بخش پلیجو کراچی کے نجی اسپتال میں انتقال کر گئے ہیں۔ ان کی عمر 88 برس تھی۔ رسول بخش پلیجو کی تدفین جمعرات کو ان کے آبائی قصبے جنگشاہی، ٹھٹہ میں کی جائے گی۔ رسول بخش پلیجو ٹھٹہ کے ایک گاؤں منگر خان پلیجو میں 20 فروری 1930ء کو پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنی ابتدائی تعلیم سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی سے مکمل کی اور پھر سندھ لاء کالج سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔

رسول بخش پلیجو کو اردو اور سندھی کے علاوہ انگریزی، ہندی، عربی، بلوچی، بنگالی، سرائیکی، پنجابی اور فارسی پر بھی عبور تھا۔ وہ سیاست دان ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ پائے کے وکیل، دانشور، ادیب اور شاعر بھی تھے، جنہوں نے سندھی زبان میں دو درجن سے زائد کتابیں تصنیف کیں۔

عوامی نیشنل پارٹی کے رہنما عبدالولی خان سے اختلافات کے بعد رسول بخش پلیجو نے عوامی تحریک کے نام سے اپنی جماعت کو بحال کیا۔ رسول بخش پلیجو، جنرل ضیاء الحق کے دور میں سندھ میں چلنے والی 'ایم آر ڈی' تحریک کے اہم رہنما تھے۔ انہوں نے مارشل لاء دور میں اخبارات پر قدغن لگانے کے خلاف بھی بھرپور جدوجہد کی۔ جس کے نتیجے میں طویل قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ انسانی حقوق کی بین الاقوامی تنظیم 'ایمنسٹی انٹرنیشنل' نے 1981ء میں رسول بخش پلیجو کو 'ضمیر کا قیدی' قرار دیا۔ وہ فوجی صدر پرویز مشرف کے بھی بڑے ناقد تھے اور ان کے خلاف چلنے والی سیاسی مہمات میں پیش پیش رہے۔

(بشکریہ وائس آف امریکہ)

Gul Hayat Institute

الوداع...رسول بخش پلیجو...الوداع۔

قاضی لطیف

سیاست کا میدان ہو، علم و دانش کی وادی ہو یا ہو صوفی ازم۔ جناب رسول بخش پلیجو جیسا شاید ہی کوئی اور سیاسی رہنماٰ ایسا ہو گا جو بلکل کامل ہو گا سیاسی میدان میں۔ جمہوریت کی بحالی کی تحریک سے لیکر بنیادی انسانی حقوق کے حصول تک، امن کے قیام کی تحریک سے جہالت کی اندھیری رات میں علم کی جوت جلانے تک محترم رسول بخش پلیجو سندھ کے لوگوں، پاکستان کے مظلوم طبقوں کو ان کے آئینی حقوق کے حصول کے لیے سینکڑوں میل پاپیادہ سفر کرتے رہے۔ گاؤں گاؤں، بستی بستی، شہر شہر بیداری (awareness) پیدا کرنے کی بارآور کوششوں میں مصروف رہے، جس کے نتیجے میں آج سندھ کے اندر نوجوان سیاسی ورکروں اور دانشوروں کی ایک ایسی فوج تیار ہو چکی ہے جو حق اور سچ کی راہ سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے کے لیے کسی قسم کی سودیبازی کرنے کے لیے تیار نہیں۔ جدوجہد جدوجہد جدوجہد اور ان تھک جدوجہد ان کا منشور ہے جن کے آگے اچھی بھلی جابر اور استحصالی قوتوں کے امین وکیلوں کی زبانیں گنگ رہ جاتی ہیں۔ محترم رسول بخش پلیجو صرف ایک سیاستدان یا دانشور کا نام نہیں بلکہ وہ ایک تاریخ ساز شخصیت، بہترین استاد بھی تھے جن کی تعلیم و تربیت کا لاثانی انداز اور الفاظ پر مکمل عبور ایسا تھا کہ جب بھی کسی موضوع پر گفتگو فرماتے تھے تو محفل پر سناٹا چھا جاتا، نوجوان طالبعلم یا سیاسی کارکن سحر زدہ ہو کر گھنٹوں یکسوئی کے ساتھ آپ کا لیکچر سنتے تھے۔ ان کی خواہش ہوتی تھی کہ یہ لمحات کبھی ختم نہ ہوں۔

آپ جب صوفی ازم پر گفتگو فرماتے تو آغاز گفتگو شاہ لطیف کے اشعار سے کرتے۔ آپ کو شاہ کے کلام پر عبور حاصل تھا۔ اگر آپ کو شاہ لطیف کا حافظ کہا جائے تو یہ مبالغہ نہیں ہو گا۔ شاہ کے اشعار کی تشریح آپ سے زیادہ بہتر اور جامع کوئی نہیں کر سکتا۔ آپ شاہ کے اس شعر کی عملی تفسیر تھے۔

شاہ فرماتے ہیں: "جلانے والی گرمی ہو یا جمانے والی سردی، تم چلتے رہنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تو ستانے کے لیے ٹھہرے، اور رات اندھیری چھاجائے، محبوب کے پیروں کے نشان گم ہو جائیں۔"

آپ جب شاہ کے اشعار کی تفسیر فرماتے تو سننے والوں پر وجد جیسی کیفیت چھاجاتی اور یہ خواہش کہ یہ مہان انسان بولتے رہیں اور وقت تھم جائے۔ آپ نے شاہ کی تعلیمات کی روشنی میں صوفی ازم کو خانقاؤں سے نکال باہر کیا اور جدید تقاضاؤں کے مطابق اس کی تشریح اور تعریف کی۔ غیر فعال صوفی تصورات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور ایک باعمل اور انقلابی صوفی کردار کو متعارف کروایا جو امن کا درس دینے کے ساتھ ساتھ ظلم اور جبر کے خلاف عملی جدوجہد کرتا ہے۔ جو امن کی بنیادوں کو مستحکم کرنے تک سکھ چین کا سانس نہیں لیتا۔ آپ نے نوجوانوں کو مشکلات کا سامنا کرنے، ان کا بہترین حل تلاش کرنے اور مشکل گھڑیوں میں درست فیصلہ کرنے کا درس دیا۔ آپ نے سندھ کی پسماندہ عورتوں کو سائنسی خطوط پر منظم کیا اور مردوں کے شانہ بہ شانہ کام کرنے اور حقوق کے حاصلات سے لیکر ان کے تحفظ کو یقینی بنانے کی خاطر جدوجہد میں حصہ لینے کے لیے سندھیانی تحریک کی بنیاد ڈالی۔

آپ کی شخصیت بہت جاذب نظر اور گفتگو کا انداز دلکش اور مدّبرانہ ہوتا تھا۔ نوجوانی سے لیکر عمر کی آخری گھڑی تک آپ کی یادداشت شاندار اور لہجہ مستحکم رہا۔ مقناطیسی شخصیت کے مالک، دلیر انسان، سندھ کے کامیاب وکیل، طاقتور آواز کے مالک انسان اب ہم میں باقی نہیں رہے مگر آپکے افکار، آپکی آواز اور جادوئی الفاظ رہنمأ بن کر ہمارے کانوں اور لاشعور میں echo کی صورت میں گونجتے رہیں گے، جب اور جہاں بھی ہمیں بھٹکنے کا اندیشہ پیدا ہوگا تو ان کی شخصیت کا تصور ہماری درست سمت میں رہنمأ بن کر ہماری آنکھوں کے سامنے دماغ کی اسکرین پر نمودار ہو کر ہماری رہنمائی کرتا رہے گا۔

اللہ پاک سندھ کے اس بہادر اور اعلیٰ کردار کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام اور مرتبہ عطا فرمائے۔ آمین۔

(بشکریہ فیس بک)

Gul Hayat Institute

پلیجو صاحب

نثار کھوکھر

اسی سالہ رسول بخش پلیجو نے بی بی سی کو بتایا ہے کہ وہ ریٹائر نہیں ہوئے ہیں بلکہ ان کی طبیعت اکثر ناساز رہتی ہے۔ بچپن میں ہونے والی ٹی بی نے دوبارہ ان کو متاثر کیا ہے مگر اس کے باوجود وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں بہت سے کام ابھی کرنے ہیں اور وہ جلد ریٹائر نہیں ہو رہے ہیں۔

رسول بخش پلیجو نے سیاست کا آغاز سنہ 1953 سے کیا۔ بعض سندھی شاعروں اور ادیبوں کے ہمراہ سندھی عوامی تحریک نامی 1970ء میں بنائی ان کی تنظیم کے اس وقت پہلے صدر عبدالحفیظ قریشی، جنرل سیکریٹری رسول بخش پلیجو اور سنیئر نائب صدر محمد فاضل راہو تھے۔

رسول بخش پلیجو نے ون یونٹ کے خاتمے اور فوجی آمر جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کے خلاف چلنے والی تحریک 'بحالی جمہوریت' یا 'ایم آر ڈی' میں بہت سرگرم کردار ادا کیا۔ انہوں نے سندھ میں جدید انداز میں اپنی تنظیم سازی کی اور پہلی بار خواتین کو سیاست میں بڑی تعداد میں منظم کیا۔

رسول بخش پلیجو نے اپنے سیاسی کیریئر کے دس سال پاکستان کی مختلف جیلوں میں گزارے۔ انہوں نے لاہور کی کوٹ لکھپت جیل میں قید کے دوران ایک ڈائری لکھی جو سندھی زبان میں بہت مقبول کتاب رہی ہے۔ انہوں نے سندھی زبان میں چھبیس کتابیں لکھی ہیں جو حالیہ دنوں رسول بخش پلیجو کی مکمل تحریریں، کے نام سے تین جلدوں میں شائع کی گئی ہیں۔

رسول بخش پلیجو کی ان تحریروں کے مرتب اور سندھی تجزیہ نگار جامی چانڈیو کا کہنا ہے کہ رسول بخش پلیجو بنیادی طور پر اسٹیٹس کو کے خلاف رہے ہیں۔ وہ باغیانہ روایات اور انقلابی مزاج کے آدمی ہے۔

(بشکریہ فیس بک)

قائداعظم کے شیدائی...رسول بخش پلیجو

نواز رضا

رسول بخش پلیجو کا شمار سندھی قوم پرست لیڈروں میں ہوتا ہے جو عمر بھر غریب ہاریوں کے حقوق کی جنگ لڑتا رہے۔ وہ جب بھی اسلام آباد آتے تو راقم السطور ان کو راولپنڈی اسلام آباد پریس کلب میں ''میٹ دی پریس'' پروگرام میں مدعو کرتا یا ان کا نوائے وقت کیلئے انٹرویو کرتا۔ ان سے سندھ کے عوام کو درپیش مسائل پر کھل کر بات کی جاتی۔ وہ حیدر بخش جتوئی، خان عبدالغفار خان عرف باچا خان، جی ایم سید، ولی خان، غوث بخش بزنجو، ابراہیم جویو، فاضل راہو کے ساتھیوں میں شامل تھے۔ انہوں نے مختلف پلیٹ فارموں پر سندھ کے عوام کے حقوق کی بحالی کے لئے جدوجہد کی۔

اگرچہ ان کا تعلق پاکستان کے ان قوم پرست رہنماؤں میں سے تھا جو سندھ کی خود مختاری کی بات کرتے کرتے کنفیڈریشن تک جا پہنچتے ہیں لیکن وہ سندھ کے لئے پاکستان کے فریم ورک میں جگہ بنانا چاہتے تھے۔ انہوں نے کبھی پاکستان سے علیحدگی کی بات نہیں کی۔ رسول بخش پلیجو سے طویل ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں۔ میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ وہ قائداعظم محمد علی جناح کے بڑے شیدائی تھے وہ انہیں برصغیر پاک وہند کا سب سے بڑا لیڈر تسلیم کرتے تھے۔ وہ جواہر لعل نہرو کے مقابلے میں قائداعظم کو اس لئے بڑا لیڈر تسلیم کرتے تھے کہ انہوں نے برصغیر پاک وہند میں ہندوؤں کے ہاتھوں معاشی طور پر پسے ہوئے مسلمانوں کے لئے طویل جدوجہد کے بعد ایک علیحدہ ریاست قائم کی لیکن انہیں اس بات کا بڑا افسوس تھا کہ قائداعظم نے جن مقاصد کے حصول کے لئے پاکستان حاصل کیا ان کے بعد آنے والے حکمرانوں نے ان مقاصد کو فراموش کر دیا۔ رسول بخش پلیجو مونگر پلیجو جنگ شاہی میں 20 جنوری 1930ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم

Gul Hayat Institute

کے بعد سندھ مدرستہ الاسلام میں داخلہ لیا۔اس کے بعد ایس ایم لاکالج کراچی سے قانون کی تعلیم حاصل کی۔ وہ سپریم کورٹ کے وکیل تھے، انہوں نے نیپ کے رہنماؤں کا مقدمہ بھی لڑا تھا۔ رسول بخش پلیجو نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز سندھ ہاری کمیٹی کے پلیٹ فارم سے کیااور ہاریوں کے حقوق کے لئے طویل جدوجہد کی۔ انہوں نے 64ء میں نیشنل عوامی پارٹی (نعپ) میں شمولیت اختیار کرلی اور کمیونزم کا پرچار کیا، پاکستان میں کارل مارکس کے پیروکار ہونے کے دعویدار بہت لوگ ہیں لیکن بہت کم لوگ ہیں، جنہوں نے کارل مارکس کوپڑھااوراس کے نظریے پر عمل کیا۔ لیکن پلیجو سائیں نے جہاں کارل مارکس کوپڑھاوہاں انہوں نےاس کے نظریے کواپنی زندگی کا حصہ بنایا۔

وہ بیک وقت دانشور، ادیب، شاعر، سیاسی لیڈر، قانون دان، نجومی کی طرح دوراندیش، انسانی حقوق کے علمبردار، مرد اور عورت کی برابری کے چیمپئن، سندھی قوم پرست لیڈر تھے۔ اردو شاعری کے قدردان تھے۔ انگریزی، اردو، سندھی زبان کے علاوہ انہیں سات دیگر زبانوں پر بھی عبور حاصل تھا،اس لحاظ سے وہ ہفت زبان تھے۔ وہ اپنے نظریے پر سختی سے قائم رہے۔ کبھی گرم سرد سیاسی موسم ان کے نظریات پراثرانداز نہیں ہوا۔

پلیجو سائیں نے سندھ میں ''دھرنے، لانگ مارچز اور ریلیوں'' کی سیاست کوآگے بڑھایا۔ ہزاروں کی تعداد میں دیہی خواتین ان کی کال پر دھرنے میں حصہ لیتی تھیں۔ان کی اپیل پر سندھ کی دیہی خواتین نے بحالیءِ جمہوریت کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ان کی بیگم زرینہ بلوچ جو ایک گلوکارہ بھی تھی، نے خواتین ریلیوں کی قیادت کی۔ پلیجو سائیں کا کچھ وقت برطانیہ میں گذراتو وہاں پر سیاسی محافل کی جان پلیجو سائیں ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے فاضل راہو کو عوامی تحریک کا پہلے صدر بعدازاں عوامی نیشنل پارٹی بننے کے بعد انہیں اے۔این۔ پی کا سینیئر نائب صدر بنایا۔ جنرل ضیاالحق نے ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دینے کے خلاف احتجاج کرنے پر پلیجو سائیں کو جیل میں ڈال دیا۔ کالاباغ ڈیم کی تعمیر کے خلاف تھے، انہوں نے پانی کے ایشوز پر کتب بھی تحریر کی ہیں۔ انہوں نے 2005ء میں جنرل پرویز مشرف کی جانب سے کالا باغ ڈیم کی تعمیر کی کوشش کے خلاف ملین مارچ نکالا۔ ان کا زیادہ وقت نیشنل عوامی پارٹی میں نہیں گزرا، انہوں نے 25-مارچ 1970ء میں سندھی قوم پرست جماعت، سندھی عوامی تحریک کی بنیادرکھی، انہوں نے ایک بار پھر نیشنل عوامی پارٹی پر پابندی کے بعد نئے نام عوامی نیشنل پارٹی کے نام سے قائم ہونے والی جماعت میں شمولیت اختیار کرلی وہ اسکے مرکزی سکریٹری جنرل بھی رہے اور 88ء کے انتخابات میں پیپلز پارٹی کے خلاف

Gul Hayat Institute

اسی جماعت کے پلیٹ فارم سے ٹھٹہ سے قومی اسمبلی کا انتخاب بھی لڑا۔ بعدازاں جب اے۔ این۔ پی نے، آئی۔ جے۔ آئی اتحاد میں شمولیت اختیار کی، جس اتحاد میں ایم۔ کیو۔ ایم بھی شامل تھی۔ اختلاف کر کے دوبارہ سے اپنی جماعت عوامی تحریک بحال کرلی۔ انہوں نے ون یونٹ اور کالا باغ ڈیم کے خلاف تحریکیں چلائیں، ایم آر ڈی کی تحریک میں بھی نمایاں اور کنویز رہے۔ کالا باغ ڈیم کے خلاف تین مرتبہ لانگ مارچ بھی کیا جو سکھر سے کراچی اور بھٹ شاہ اور حیدر آباد سے کراچی تک تھا۔

میں نے ان سے پوچھا کہ وہ کالا باغ ڈیم کی تعمیر کے کیوں مخالف ہیں؟ جب کہ اس کی تعمیر سے چاروں صوبوں کو فائدہ پہنچے گا۔ ان کے پاس اس سوال کا ایک جواب تھا کہ اگر کالا باغ ڈیم بن گیا تو پنجاب سندھ کی آنے والی نسلوں کو پانی کے ایشو پر بلیک میل کرتا رہے گا۔ انہوں نے وکلاء بحالی تحریک میں بھرپور شرکت کی۔

انہوں نے سیاسی جدوجہد کے لئے سب سے پہلے سندھی خواتین کو میدان میں اتارا اور عملی جدوجہد میں انہیں شریک کیا۔ 88 سالہ رسول بخش پلیجو نے مختلف اوقات میں مجموعی طور پر 11 سال قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ سب سے پہلے ان کی گرفتاری سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں 1975ء میں ہوئی، وہ کوٹ لکھپت جیل لاہور میں قید رہے۔ وہ 26 کتابوں کے مصنف تھے۔ جس میں چند ایک اردو، انگریزی اور بقیہ سندھی میں تحریر کی گئیں جبکہ ان کی کوٹ لکھپت جیل میں تحریر کردہ ڈائری زیادہ مشہور ہوئی۔ انہوں نے امریکہ، ماسکو، برطانیہ سمیت کئی ممالک کا دورہ بھی کیا۔ انہوں نے پانچ شادیاں کیں، سندھ کی مشہور لوک فنکارہ زرینہ بلوچ مرحومہ بھی ان کی اہلیہ تھیں۔

عوامی تحریک کے سربراہ رسول بخش پلیجو کے انتقال پر عوامی تحریک نے چالیس دن سوگ کا اعلان کیا ہے۔ ان کی تدفین ضلع ٹھٹہ کے شہر جنگ شاہی میں ان کے آبائی گوٹھ منگر خان پلیجو میں ہوئی۔ جس میں ہر مکتبہء فکر سے تعلق رکھنے والے ہزاروں افراد کی شرکت سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ وہ سندھ کے عوام میں بہت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

(بشکریہ نوائے وقت)

Gul Hayat Institute

انقلابی کردار رسول بخش پلیجو

سلیمان کھوکھر

کسی دیگر "چہرے" پر لکھ رہا تھا کہ اچانک T.V اسکرین پر افسوسناک خبر سامنے آئی کہ رسول بخش پلیجو 88 سال کی عمر میں وفات پا گئے ہیں۔ بیمار تو وہ ایک عرصے سے تھے اور کراچی کے کسی نجی ہسپتال سے علاج کروا رہے تھے کہ آج موت کی خبر مل گئی۔ مزید افسوس یہ بھی ہوا کہ طویل عرصے سے ان سے ملاقات نہ ہو سکی تھی، بس ایک بار سندھ کے وزیر نثار کھوڑو کی زبانی ان کی اطلاع ملی اور ان کی خدمات کا ذکر ہوتا رہا۔ پلیجو صاحب سے میرا پہلا تعارف 80 کی دہائی میں M.R.D (تحریک بحالیء جمہوریت) کے اتحاد کے پلیٹ فارم سے ہوا۔ (پلیجو صاحب ایم آر ڈی تحریک سے پہلے ہی جیل میں تھے) سندھ سے گرفتار کرکے کسی مقدمہ میں لاہور لایا گیا تھا۔ کسی تقریر کا الزام تھا کہ انہوں نے ضیاء الحق کو ملک کیلئے زہرِ قاتل قرار دیا تھا۔ اس کی افغان جہاد کی پالیسی کی مخالفت کی تھی۔ پاکستان میں امریکی C.I.A کی موجودگی کو ملک کیلئے مہلک قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ اس وقت امریکی خفیہ ایجنسی کا دنیا میں سب سے بڑا نیٹ ورک اسلام آباد میں ہے، اگر اسے ختم نہ کیا گیا تو آئندہ آنے والے وقتوں میں ہم اس سے جان نہیں چھڑا سکیں گے"۔ بعد میں بین الاقوامی میڈیا نے بھی تسلیم کیا کہ واقعی دنیا بھر میں C.I.A کا دوسرا گھر اسلام آباد ہے۔ یہ الزام بھی تھا کہ رسول بخش پلیجو نے اپنی باغیانہ تقریر میں افغان مہاجرین کے متعلق کہا کہ وہ وقت زیادہ دور نہیں جب یہ لوگ پورے ملک میں فساد بپا کریں گے، مذہب اور اپنے قبائلی کلچر کے نام پر ملک میں اسلحہ کی فراوانی پیدا کریں گے۔ منشیات کا تب چونکہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ پیدا نہیں ہوا تھا اس لئے اس کا ذکر وہ کر نہ سکے۔ مارشل لاء کے خداؤں کے نزدیک یہ تقریر ناقابل برداشت تھی۔ مقدمہ بنایا، ہتھکڑیاں ڈالیں، پرچہ لگایا اور سندھ سے لاہور بھیج دیا گیا۔ لاہور کی کوٹ لکھپت جیل میں ہمارے ساتھ وہ دو تین دن رہے ہوں گے کہ سانس اور دل کی

بیماری کے سبب انہیں میو ہسپتال لاہور منتقل کر دیا گیا اور بعد میں ملک قاسم کو بھی۔ میری "چالی" (TRANSFR) فاروق لغاری، راؤ مہروز اختر اور فاروق قریشی وغیرہ کے ساتھ ہی سنٹرل جیل ساہیوال کر دی گئی۔ رہائی کے بعد میں ان سے ملنے میو ہسپتال کے البرٹ وکٹر وارڈ میں گیا۔ دیگر احباب بھی آتے رہے، کوئی نیک دل پولیس والا ان کی نگرانی پر مامور تھا جو ملنے والوں کو پریشان نہیں کرتا تھا۔

پلیجو صاحب سندھ کی تاریخ، تصوف اور سیاست پر بڑی سیر حاصل علمی و فکری گفتگو کرتے۔ وہ میدان سیاست کے علاوہ وکالت کے شعبے میں بھی ایک بڑا نام تھے، سپریم کورٹ کا ایڈووکیٹ ہونے کے باوجود سیاسی کارکنوں کے مارشل لاء کے عذاب سے تحفظ کیلئے وہ زیادہ تر عرصہ حیدرآباد سندھ کے دیگر اضلاع اور اپنے آبائی شہر ٹھٹہ میں ہی پیشہ وکالت سے منسلک رہے۔ ہسپتال میں ملنے کیلئے آنے والے M.R.D کے سیاسی کارکنوں سے وہ اپنی قائم کردہ جماعت سندھی عوامی تحریک کے علاوہ سندھ میں خواتین کی سیاسی و سماجی بیداری اور خاص طور پر طلباء سیاست کی اہمیت پر بڑا زور دیتے۔ ان کے نزدیک سندھ کی سیاسی و علمی پسماندگی کی ایک وجہ پیر و ملا بھی تھے جو جوانوں کو جدید تعلیم سے محروم رکھنے اور توہم پرستی کو فروغ دینے میں معاون ہوتے۔

ایک منجھے ہوئے سیاستدان کے علاوہ وہ دانشور اور ادیب بھی تھے۔ ضیاء الحق جتنا عرصہ حکمران رہا، رسول بخش پلیجو ٹھیک اتنے ہی سال جیل میں رہے۔ اپنی جیل بیتی کو انہوں نے کوٹ لکھپت جیل میں ہی قلمبند کیا اور رہائی کے بعد انکی یہ ڈائری سیاسی و فکری حلقوں میں بڑی مقبول ہوئی غالباً اس کا نام "کوٹ لکھپت کا قیدی" تھا۔ ان سے میل ملاقاتوں کے درمیان یہ بھی انکشاف ہوا کہ سندھی، اردو اور انگریزی کے علاوہ انہیں ہندی (معہ رسم الخط کے) عربی، فارسی، بلوچی، بنگالی سرائیکی اور پنجابی زبان پر بھی مکمل عبور ہے۔ پاکستان کی سیاست میں جن کئی ایک نامور سیاستدانوں نے اپنا سیاسی سفر نیشنل عوامی پارٹی سے شروع کیا، رسول بخش پلیجو صاحب بھی ان میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی رہائی کے بعد ایک بار کچھ دوستوں نے گوجرانوالہ بار ایسوسی ایشن میں ان کے خطاب کا پروگرام بنایا۔ ان کے سیاسی مخالفین کی تعداد اتنی تھی کہ پناہ بخدا۔ بلکہ ایک عدد قرارداد بھی اس مضمون کی آنے والی تھی کہ انہیں بار میں آنے کی اجازت تک نہ دی جائے۔ اس موقع پر بار کے سینئر رکن اور عوامی نیشنل پارٹی کے مرکزی سینئر نائب صدر شیخ احمد ریاض ایڈووکیٹ نے ناخن تدبیر سے صورت حال کو سنبھالا۔ پلیجو صاحب تب تک عوامی نیشنل پارٹی کے جنرل سیکرٹری تھے جبکہ آصف علی زرداری کے والد حاکم علی زرداری سندھ کے جنرل سیکرٹری تھے۔ بار روم میں جماعت اسلامی کے حامی وکلاء حسب دستور انہیں

مسلمان تک بھی نہیں سمجھتے تھے۔ دائیں بازو کے دیگر وکلاء نے بھی روڑے اٹکائے مگر شیخ ریاض نے با لآخر سب کو قائل کر لیا کہ تقریر ہونے دیں۔ دل کا جو غبار نکالنا ہو سوالات کی شکل میں نکال لیں۔ اللہ صحت دے سلمان چوہدری ایڈووکیٹ صاحب کو جو بار کے صدر تھے اور اللہ بخشش فرمائے چوہدری خالد جمیل ایڈووکیٹ کی کہ جنہوں نے مخالف وکلاء، سرکاری مشینری اور مارشل لاء حکام کے دباؤ کے باوجود رسول بخش پلیجو کو بار سے خطاب کرنے کی دعوت دی اور وارننگ جاری کر دی کہ ان کی تقریر کے دوران کوئی شور و غوغا برداشت نہیں کیا جائے گا۔ پلیجو صاحب نے ایک گھنٹے سے زائد بار کے ارکان سے خطاب کر کے سندھ کی تاریخ، اسکے مسائل، انکے حل، آئین، مارشل لاء اور بین الاقوامی امور پر ایسا اظہار خیال کیا کہ کسی کو سوال کرنے کا موقع تک نہ مل سکا۔ اسی روز انہوں نے پروگرام کے مطابق MRD کے کارکنان کے ایک اجلاس سے بھی خطاب کرنا تھا۔ مجھے لاہور سے پرویز صالح صاحب کا فون آیا کہ گوجرانوالہ میں ہونے والی کارنر میٹنگ کامیاب ہونی چاہیے۔ ضیاء الحق کے مارشل لاء کے انتہائی خوف ناک اور گھٹن زدہ ماحول میں کوئی بھی اپنے ہاں میٹنگ کروانے کو تیار نہیں تھا۔ ہمارے دوست اور بھائی آصف عنایت اور آفتاب زیدی ایڈووکیٹ کے علاوہ معراج محمد خاں کی سیاسی جماعت "قومی محاذ آزادی" جو ان دنوں پرویز صالح، ارشد بٹ، کامریڈ افتخار شاہد اور گوجرانوالہ سے کامریڈ عرفان کی بدولت بڑی متحرک تھی، پاکستان پیپلز پارٹی اور MRD میں شامل کچھ اور جماعتوں کی کوششوں سے تحریک استقلال کے مقامی رہنما چوہدری خالد سلیم نے گرجاکھ کے علاقے میں اپنے وسیع و عریض بنگلے پر میٹنگ کرانے کی جرأت کی۔ اجلاس کی سب سے اہم بات پلیجو صاحب کے علاوہ ان کی ایک ننھی سی عزیزہ کی پُر مغز اور شعلہ فشاں تقریر تھی۔ یہ ننھی منی بچی سسئی پلیجو تھی جس نے سامعین کو مبہوت کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ کارنر میٹنگ ایک بڑے جلسے میں تبدیل ہو گئی اور میلہ واقعی سسئی پلیجو نے لُوٹ لیا۔ اس کے کافی عرصہ بعد انہیں پیپلز پارٹی کی قومی رہنما کی شکل میں دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ لیکن ایک موقع پر 1988ء میں جب پیپلز پارٹی نے MRD میں رسول بخش پلیجو صاحب کی خدمات کے باوجود ان کے مقابلے میں الیکشن میں اپنا امیدوار کھڑا کیا تو ان کے دل کے شیشے میں بال آگیا جو آخری دم تک نہ جا سکا۔ 88 سال کی عمر تک پسے ہوئے لوگوں کے حقوق، عوام کی حکمرانی، جاگیرداری کے خاتمے، مارشل لاء کی نحوست اور گرد و پیش کے حالات اور تاریخ پر کتابیں لکھتے لکھتے (2 اکتوبر 2016ء کو اس نے ایاز لطیف سے اپنے راستے الگ کر دیئے تھے) دار لمنافات سے دار المکافات کو چلے گئے اور یقیناً سب نے وہیں جانا ہے۔ (بشکریہ نوائے وقت)

رسول بخش پلیجو، ہم سے بچھڑ گئے

مدثر کھوھاوڑ

مکرمی رسول بخش پلیجو نے ون یونٹ کے خاتمے کے لیے مہم میں بھی بھرپور کردار ادا کیا تھا۔ پاکستان کے صوبہ سندھ میں مزاحمتی سیاست کا ایک بڑا نام سیاستداں رسول بخش پلیجو طویل علالت کے بعد جمعرات کی صبح کراچی کے ایک نجی ہسپتال میں وفات پا گئے۔ ان کی عمر 88 برس تھی۔ رسول بخش پلیجو گزشتہ چند سالوں سے طویل العمری کی وجہ سے بیماریوں کا شکار تھے، لیکن بیماری کے باوجود وہ سیاسی طور پر متحرک تھے۔ عملی سیاست میں قدم رکھنے سے وفات تک رسول بخش پلیجو کی سیاست میں مزاحمتی رنگ واضح تھا۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں انھوں نے اپنے بیٹے ایاز لطیف پلیجو کی سیاست سے اختلاف کرتے ہوئے عوامی تحریک کو دوبارہ بحال کیا اور اس کے سربراہ بن گئے تھے۔ رسول بخش پلیجو نے پوری زندگی سندھ کے حوالے سے سیاست کی لیکن ان کی زندگی میں ایک دور ایسا بھی آیا جب وہ عوامی نیشنل پارٹی کے جنرل سیکریٹری مقرر ہوئے تھے۔ کچھ عرصہ بعد اختلافات کی بنأ پر انہوں نے اے این پی سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ انہوں نے کئی درجن کتابیں اور کتابچے تحریر کیے۔ رسول بخش پلیجو نے ون یونٹ کے خاتمے کے لیے مہم میں بھی بھرپور کردار ادا کیا تھا اور بنگلہ دیش میں فوجی کارروائی، بھٹو دور میں بلوچستان میں فوجی کارروائی کے خلاف بھی احتجاجی تحریک چلائی تھی۔ رسول بخش پلیجو کی 1970ء میں قائم کی جانے والی سندھی عوامی تحریک نے اس وقت بڑا نام کمایا جب جنرل ضیاُالحق کے دور میں پاکستان پیپلز پارٹی نے مارشل لاء کی مخالف قوتوں کے ساتھ مل کر تحریک برائے بحالی جمہوریت (ایم آر ڈی) کی بنیاد ڈالی اور جیل بھرو تحریک کا آغاز کر دیا۔ اس تحریک میں عوامی تحریک نے پیپلز پارٹی کے شانہ بشانہ حصہ لیا تھا اور ایمنسٹی انٹر نیشنل نے رسول بخش پلیجو کو ضمیر کا قیدی بھی قرار دیا تھا۔ انہوں نے مختلف اوقات میں طویل قید وبند کی سزا کاٹی تھی۔ رسول بخش پلیجو نے اپنی جماعت کو انتخابی سیاست سے دور رکھا ہوا تھا۔ وہ ایسے کارکن تیار کرتے تھے جنہیں معاشرتی تبدیلی اور نظام حکومت کی تنزلی کے علاوہ کوئی اور چیز سے سروکار نہیں تھا۔ رسول بخش پلیجو بہ یک وقت فکری محاذ، تنظیمی محاذ، سیاسی اور سماجی محاذ پر اپنی قوتیں صرف کرتے تھے۔ (بشکریہ ایکسپریس)

مزاحمتی سیاست کا سورج غروب؟

عبدالحفیظ عابد

سیاستداں قانون دان، دانشور، مدبر، مصنف، عوامی تحریک کے سربراہ رسول بخش پلیجو ایڈووکیٹ علالت کے بعد انتقال کرگئے۔ وہ گزشتہ 60 سال سے آمریت کے خلاف سیاسی جمہوری مزاحمتی تحریکوں کے روح رواں رہے، وہ سندھی قوم پرست ہونا ناپسند کرتے تھے، جرنیلوں، پیپلز پارٹی، سرداروں اور وڈیروں کی حکمرانی کو بھی چیلنج کرتے رہے۔ سندھی قوم پرست پارٹیوں کی بھی مخالفت میں کھل کر بولتے، ایم کیو ایم کو وہ ہمیشہ دہشت گرد پالتو تنظیم کہتے تھے لیکن اس کے خلاف تشدد میں انہوں نے شرکت سے یہ کہہ کر انکار کردیا تھا کہ ہم جمہوری اور قانونی دائرے میں رہ کر ایم کیو ایم کی دہشت گردی کا مقابلہ کریں گے، ہتھیار نہیں اٹھائیں گے۔ وہ جی ایم سید اور خان عبدالولی خان کے ساتھیوں میں سے تھے۔

رسول بخش پلیجو نے جمعرات کی صبح کراچی کے نجی اسپتال میں انتقال کیا جہاں وہ پھیپھڑوں کی تکلیف کے باعث کئی روز سے نازک حالت میں داخل تھے۔ ان کی عمر 88 برس تھی۔ اس سے پہلے بھی وہ کئی بار شدید علیل اور اسپتال میں زیر علاج رہے تھے لیکن اس بار بیماری سے وہ جانبر نہ ہوسکے اور خالق حقیقی سے جا ملے۔ ان کی میت ضلع ٹھٹہ میں جنگ شاہی کے گوٹھ منگر خان پلیجو لائی گئی جہاں انکے آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں لائی گئی۔ رسول بخش پلیجو جنگ شاہی میں علی محمد پلیجو کے گھر 20 جنوری 1930ء کو پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم مقامی طور پر حاصل کرنے کے بعد سندھ مدرستہ الاسلام کراچی میں داخلہ لیا اور ایس ایم لاء کالج سے قانون کی ڈگری حاصل کی اور سیاسی جدوجہد کا آغاز 1953ء میں سندھ ہاری کمیٹی سے کیا۔ وہ جنرل ایوب خان کی آمریت کے خلاف جدوجہد میں اگلی صفوں میں شامل رہے اور ون یونٹ کی تحریک کے روح رواں تھے۔ وہ

عوامی نیشنل پارٹی (اے۔ این۔ پی) کے سیکریٹری جنرل رہے لیکن پھر سندھ کے مسائل کے حوالے سے اختلاف پر الگ ہو گئے۔ وہ کچھ عرصہ بزمِ صوفیائے سندھ تنظیم کے جنرل سیکریٹری بھی رہے۔ جی ایم سید کے ساتھ سندھ متحدہ محاذ کا حصہ رہے مگر اختلافات کے سبب علیحدہ ہو گئے۔ انہوں نے ادبی تخلیقات میں بھی نام پیدا کیا۔ وہ سندھی، اردو، انگریزی، سرائیکی سمیت کئی زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ مارشل لائی آمریت کے خلاف جدوجہد میں وہ صف اول رہے اس دوران ماریں بھی کھائیں اور برسوں پابند سلاسل بھی رہے۔ سندھ میں وہ عوامی جدوجہد کی علامت تھے۔ ان کے مقابلے میں طویل مارچوں، ریلیوں اور دھرنوں میں عوام کی اتنی بڑی کثیر تعداد کوئی سڑکوں پر نہیں لا سکا خصوصاً عام دیہی خواتین کی بڑی تعداد بھی ان کے ہر لانگ مارچ اور احتجاج میں شریک ہوتی تھی۔ 1970ء میں انہوں نے عوامی تحریک کی بنیاد رکھی اور اس کا تعارف مارکسسٹ، لیننسٹ، ماؤئسٹ نظریات کی حامل سیاسی جماعت کی حیثیت سے کرایا، وہ ذوالفقار علی بھٹو کی جرنیلوں، سرداروں، وڈیروں اور عوام کو ایک ساتھ لے کر چلنے کی پالیسی کو دوغلا پن سمجھتے تھے جس کے سخت خلاف تھے اور بھٹو دور میں بھی وہ اور ان کے نامور ساتھی فاضل راہو جیل میں رہے۔ رسول بخش پلیجو نے ضیاء الحق کے مارشل لاء کے خلاف ایم آر ڈی کی تحریک میں قائدانہ کردار ادا کیا اور احتجاجی ریلیوں اور مارچ کی طویل نئی تاریخ رقم کی۔ وہ بے نظیر بھٹو کی حکومت میں پی پی کے خلاف رہے لیکن ایم آر ڈی کی تحریک کے دونوں مرحلوں میں پی پی کا ساتھ دیا۔ وہ کالا باغ ڈیم کے منصوبے کے خلاف طویل جدوجہد کے قائد رہے۔ اینٹی کالا باغ ڈیم و گریٹر تھل کینال کمیٹی کے سربراہ بھی رہے۔ 1997ء میں نواز شریف حکومت میں بے نظیر بھٹو نے بھی کالا باغ ڈیم کے خلاف سندھ پنجاب کی سرحد پر اباوڑو میں دھرنے کی قیادت کی اور رسول بخش پلیجو کے ساتھ شرکت کے لیے پہنچی تھیں۔ وہ برصغیر میں سندھ پنجاب دریائی پانیوں کے تنازعے کے بارے میں فنی اور قانونی حوالے سے گہرا مطالعہ رکھتے تھے اور سندھ کے پانی کیس پر اتھارٹی تھے۔ اس سلسلے میں ان کی کئی تخلیقات منظر عام پر آئیں جن میں 'Sind-Punjab water dispute 2003' 1859 بھی شامل تھی جنہوں نے ہاتھ سے لکھے ہوئے نوٹس کے ساتھ اس نمائندے کو شفقت سے عطا کی تھی۔ وہ ملکی سطح پر خصوصاً سندھ میں سب سے زیادہ پڑھے لکھے مطالعہ کرنے والے سیاستداں تھے اور دنیا کے کئی ممالک کی یونیورسٹیز میں انہیں لیکچر دینے کے لیے کئی بار مدعو کیا گیا تھا۔ سندھی، اردو، انگریزی لٹریچر کے ساتھ یورپی تاریخ، مذاہب عالم، مارکسزم، فلسفہ، پولیٹیکل سائنس ان کی

Gul Hayat Institute

دلچسپی کے موضوعات تھے اور اس سلسلے میں ان کا آخری عمر تک گہرا مطالعہ رہا۔ وہ بار بار زیر علالت رہنے کے باوجود سیاست میں نہایت فعال رہے۔ جب آمر پرویز مشرف نے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کو غیر فعال کیا تھا اور ان کے ساتھ بدسلوکی کی تھی، تو عدلیہ بحالی تحریک میں وہ سندھ ہی نہیں اسلام آباد تک عوامی تحریک کی خواتین اور مرد کارکنوں کے ساتھ نہایت فعال رہے چونکہ جسٹس افتخار چوہدری نے قانون کی ڈگری سندھ لاء کالج حیدرآباد سے حاصل کی تھی اس لیے رسول بخش پلیجو کے ذاتی دوستوں میں تھے۔ مسلم لیگ ن کے دور میں نگراں وزیراعظم کے لیے رسول بخش پلیجو ایڈووکیٹ کا نام بطور امیدوار زیر غور رہا تھا۔ وہ سپریم کورٹ کے نامور وکیل ہی نہیں تھے بلکہ وہ ایک مدبر، دانشور، انسانی حقوق کے علمبردار اور معاشرتی اصلاح کے لیے کوشاں شخصیت بھی تھے۔ وہ سیاست میں مذہب کی مداخلت کے سخت خلاف تھے لیکن نہایت روادارانہ مزاج رکھتے تھے اور مذہبی جماعتوں کے رہنماؤں سے بھی ان کے قریبی تعلقات تھے۔ وہ خود کو قوم پرست سندھی رہنما کہلانا پسند نہیں کرتے تھے تاہم سندھیوں کے سیاسی، سماجی، معاشی، قدرتی وسائل کے حقوق کے حوالے سے ترجیحی طور پر جدوجہد میں آگے رہتے تھے مگر سندھی قوم پرست جماعتوں میں سے اکثر میں لاقانونیت پر اکثر کھل کر ان پر تنقید کرتے تھے۔ وہ بے نظیر بھٹو اور پیپلز پارٹی کے خلاف بھی رہے لیکن کئی مواقع پر سیاسی و جمہوری جدوجہد میں ان کے ساتھ بھی رہے۔

رسول بخش پلیجو نے تعلیم کے شعبے سے تعلق رکھنے والی سندھی لوک فنکارہ و سماجی کارکن زرینہ بلوچ سے شادی کی تھی جو ایاز لطیف پلیجو کی والدہ تھیں ان کا 25 اکتوبر 2006ء کو انتقال ہو گیا تھا۔ مجموعی طور پر رسول بخش پلیجو نے پانچ شادیاں کیں جن سے ان کو 7 بیٹے اور 4 بیٹیاں ہیں۔ رسول بخش پلیجو مقبول رہنما تھے لیکن انتخابی سیاست میں انہیں پذیرائی نہیں مل سکی تاہم وہ ہر حکومت پر بڑا دباؤ ڈالنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

رسول بخش پلیجو نے ایک نمائندے سے انٹرویو میں انکشاف کیا تھا کہ صدر غلام اسحاق خان نے انہیں ملاقات کے لیے مدعو کیا اور ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد ترغیب دی کہ اگر عوامی تحریک سندھ میں ایم کیو ایم کا مقابلہ کرے تو اسلحہ پیسہ سمیت جو بھی ضروریات ہوں گی وہ پوری کی جائیں گی۔ رسول بخش پلیجو نے بتایا کہ انہوں نے صدر غلام اسحاق خان کی یہ پیشکش قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ان پر واضح کیا کہ ہم ایم کیو ایم کو دہشت گرد اور فاشسٹ تنظیم سمجھتے ہیں لیکن

Gul Hayat Institute

جمہوریت اور قانون پر یقین رکھتے ہیں اس لیے ہم اس کی دہشت گردی کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائیں گے۔ جمہوریت اور قانون کی قوت سے اس کا مقابلہ کریں گے اور واقعی رسول بخش پلیجو نے کراچی حیدرآباد سمیت دہشت گردی کے خلاف بڑی منظّم تحریک چلائی اور سندھیانی تحریک کی خواتین، ہاری مزدور وطلبہ کو بڑے پیمانے پر منظّم کیا۔

ٹھٹہ جنگ شاہی میں رسول بخش پلیجو کی تدفین کے موقع پر خواتین کی بھی بڑی تعداد اپنے قائد کو آخری سلام کرنے کے لیے موجود تھیں جب کہ پارٹی کارکنان اور عام لوگوں نے بھی بڑی تعداد میں شرکت کی۔ رسول بخش پلیجو کے نظریات سے ضرور اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن وہ ایک بڑے قومی سیاستدان تھے جنہوں نے ایوب خان، ضیاء الحق، پرویز مشرف کی آمریتوں اور جمہوری آمریتوں دونوں کو للکارا اور عام لوگوں کے حقوق کے لیے لڑے اس لیے ان کی تدفین کے موقع پر سینکڑوں اشکبار آنکھیں دیکھی گئیں اور ان کی جرأت پر گیت گائے گئے۔ انکے جنازے میں ہر سیاسی جماعت گروہ و قبیلے کے لوگ موجود تھے۔

(بشکریہ تکبیر)

خراج عقیدت

سنتھل چودھری

Gul Hayat Institute

اس طرح کے ہیرے ضمیر کے قیدی پاکستان میں ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔ جرنل ضیاًالحق نے اس کو گیارہ سال جیل میں رکھا، کوئی اس کے یہ قیمتی سال لوٹا سکتا؟ یقیناً نہیں۔ لیکن ڈکٹیٹر کو مجرم تو ٹھہرایا جا سکتا ہے بلاوجہ قید کا اور اس کے موجودہ سٹیٹس کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

(بشکریہ فیس بک)

ایک اور عظیم انسان چلا گیا

اجمل شبیر

وہ عوامی دانشور تھا، وہ فلسفہ، تاریخ، عالمی ادب اور سیاسیات کا نایاب نگینہ تھا۔ سندھ دھرتی کے ادبی اور سماجی علوم کا ذہین طالبعلم تھا، اس نے کچھ روز پہلے کسی بڑے دانشور سے بات چیت کرتے ہوئے ایک خواہش کا اظہار کیا تھا، اس نے کہا کہ اب وہ تھک گیا ہے۔ اب اس کی ایک ہی خواہش ہے کہ کسی رات وہ ایسا سوئے کہ پھر کبھی بستر سے اٹھ نہ پائے اور ہمیشہ سوتا رہے، گزشتہ رات اس عظیم انسان کی یہ خواہش بھی پوری ہوگئی۔

وہ مارکسسٹ بھی تھا کیونکہ وہ ہمیشہ جاگیرداروں اور وڈیروں کے خلاف کسانوں اور ہاریوں کے حقوق کی جنگ لڑتا رہا۔ وہ صحافی بھی تھا، اس نے پانچ سال اس طرح صحافت کی جس طرح صحافت کی جاتی ہے۔ وہ اس زمین کا پہلا انسان تھا جس نے موسیقی کے ساتھ انقلابی گیتوں کی بنیاد رکھی۔ وہ بھٹو کی سیاست کا بہت بڑا نقّاد تھا، لیکن جب جنرل ضیاالحق نے بھٹو کو پھانسی دی، تب وہ سب سے بڑی مزاحمت بنکر سامنے آیا۔ پلیجو صاحب اپنے عہد کے ایک بڑے آدمی تھے، وہ ایک ایسی ہمہ گیر شخصیت کے حامل تھے جو ایک ہی وقت میں ادیب بھی تھے، نقّاد بھی تھے، تاریخ کے فن شناس بھی تھے، تاریخ اور فلسفے کا بھی مطالعہ رکھتے تھے، دنیا کے تمام انقلابات کو بھی جانتے تھے، نہ صرف جانتے تھے بلکہ آخری وقت تک ایک حقیقی انقلابی بھی رہے۔

وہ اسکالر شاعر بھی تھا، انقلابات کا طالبعلم بھی تھا۔ پاکستان میں انقلابی سیاست کی بنیادیں رکھنے والا وہ پہلا انسان تھا، اس لئے انہیں ایک ہمہ گیر شخصیت کہا جاتا ہے۔ سنا ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ابدی نیند سو گیا ہے۔ وہ پاکستان کے پہلے اور شاید آخری انسان تھے جنہوں نے قومی، طبقاتی، جمہوری اور سامراجی سوالات کے درمیان تعلق پیدا کرنے کی ایک حقیقی اور سچی کوشش کی۔ کمال

Gul Hayat Institute

بات یہ ہے کہ وہ کوشش میں کامیاب رہے اور ان سوالات کے درمیان توازن بھی پیدا کیا۔ ان کی سیاست کی بنیاد انہی سوالات پر تھی۔ آمر ایوب خان سے بدترین آمر مشرف تک جتنی بھی تحریکیں جمہوریت کے احیا کے لئے سامنے آئیں، ان تمام تحاریک میں ان کا ایک عملی اور بنیادی کردار تھا۔

وہ پہلے پاکستانی سیاستدان تھے جو خواتین کو عملی سیاست میں لائے۔ کیا کمال کے انسان تھے جو ادب وافکار کو سیاست میں لائے اور پھر سیاست کو گھسیٹ کر ادب وافکار کا حصہ بنایا اور زندگی کی آخری سانس تک اسی اصول پر کاربند رہے۔ ضیاء الحق کے خلاف پہلی مزاحمت 1979ء میں ہاری کانفرنس سے شروع ہوئی تھی، یہ وہ کانفرنس تھی جو آمریت پر پہلا وار تھی، اسی سے پھر مزاحمت کی بنیاد ڈالی گئی۔ رسول بخش پلیجو ہی وہ انسان تھے جنہوں نے شاہ لطیف کو عالمی انسانی تناظر میں انقلابی انداز میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے سمجھایا کہ شاہ لطیف عالمی انسانی تاریخ کا مفکّر شاعر ہے۔ وہ افسانہ لکھتا بھی تھا اور اس ادبی صنف کا ایک بہت بڑا نقاد بھی تھا۔ انہوں نے ترقی پسندانہ خیالات کے ذریعے مذہبی انتہا پسندی کو شکست دی۔ وہ جاگیردارانہ قوم پرستی کے ساتھ ساتھ جاگیردارانہ جمہوری ذہنیت کا بھی مخالف تھا، وہ سوچتا تھا اور پھر اس سوچ کو عملی جامہ پہنانے میدان میں نکل پڑتا تھا۔ اس نے روشن خیال فکر کو سامنے رکھتے ہوئے قومی تحریک کا پرچم بلند کیا اور آخری سانس تک یہ پرچم تھامے رکھا۔ ان کی شخصیت ایسی ہے جیسے دریا کو کوزے میں بند کرنا۔

جی ہاں..! پاکستان میں مزاحمتی سیاست کا ایک بہت بڑا نام رسول بخش پلیجو 88 سال کی عمر میں گزشتہ روز کراچی کی ایک نجی اسپتال میں انتقال کر گئے ہیں۔ عملی سیاست سے وفات تک رسول بخش پلیجو پر مزاحمتی رنگ غالب رہا۔ آخری ایّام میں انہوں نے اپنے بیٹے ایاز لطیف پلیجو کی سیاست سے اختلاف کیا اور دوبارہ عوامی تحریک کو بحال کرنے کا اعلان کیا اور اسی تحریک کے سربراہ رہے۔

پلیجو صاحب نے ون یونٹ کے خاتمے کے خلاف مہم میں شاندار کردار ادا کیا، وہ بنگلہ دیش میں فوجی کارروائی کے بہت بڑے مخالف تھے جس کے لئے انہوں نے عملی طور پر آواز بلند کی۔ انہوں نے بھٹو دور میں بلوچستان میں فوجی کارروائی کے خلاف بھی احتجاجی تحریک چلائی تھی۔ رسول بخش پلیجو کی 1970ء میں قائم کی جانے والی عوامی تحریک نے اس وقت بڑا نام کمایا جب جنرل ضیاؔ کے دور میں پاکستان پیپلز پارٹی نے مارشل لا کی مخالف قوتوں کے ساتھ مل کر تحریک برائے بحالی جمہوریت یعنی ایم آر ڈی کی بنیاد ڈالی اور ''جیل بھرو تحریک'' کا آغاز کیا۔ اس تحریک میں عوامی تحریک نے پیپلز پارٹی کے شانہ بشانہ حصہ لیا تھا اور ایمنسٹی انٹرنیشنل نے رسول بخش پلیجو کو

Gul Hayat Institute

ضمیر کا قیدی قرار دیا تھا۔ پلیجو صاحب نے طویل قید و بند کی سزائیں بھگتیں۔

رسول بخش پلیجو نے اپنی جماعت کو انتخابی سیاست سے دور رکھا ہوا تھا۔ وہ ایسے کارکن تیار کرتے تھے جنہیں معاشرتی تبدیلی اور نظام حکومت کی تبدیلی کے علاوہ کوئی اور سروکار نہیں تھا۔ وہ ایک ہی وقت میں فکری، سیاسی، سماجی محاذوں پر لڑنے والے دنیا کے عظیم انقلابی تھے۔ انہوں نے اپنے پسماندگان میں پانچ بیٹوں اور بیٹیوں کے علاوہ کارکنوں کی بڑی تعداد کو سوگوار چھوڑا ہے۔

رسول بخش پلیجو 20-فروری 1930ء کو ٹھٹہ کے منگر خان پلیجو گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ٹھٹہ سے حاصل کی جبکہ اعلیٰ تعلیم کراچی کے سندھ مدرسۃ الاسلام سے حاصل کی، سندھ لاء کالج سے گریجویشن کی اور سپریم کورٹ میں وکیل کی حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دیں۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے، انہوں نے سندھی زبان میں 26 کتابیں لکھیں۔ صرف 15 سال کی عمر میں انہوں نے اردو، انگریزی اور سندھی زبانوں پر عبور حاصل کر لیا تھا، جبکہ ہندی، فارسی، عربی، پنجابی، بنگالی، سرائیکی اور دیگر کئی زبانوں کو سمجھ اور بول سکتے تھے۔

رسول بخش پلیجو نے سیاسی زندگی کے 11 سال مختلف جیلوں میں گزارے۔ انہوں نے کوٹ لکھپت جیل میں قید کے دوران ایک ڈائری بھی لکھی۔ رسول بخش پلیجو طویل عرصے سے علیل تھے، وہ سانس، دل اور سینے میں تکلیف کی شکایت کی وجہ سے کلفٹن میں نجی اسپتال میں زیرِ علاج تھے۔ رسول بخش پلیجو کی میت کو آبائی علاقے جنگ شاہی میں مٹی ماں کے حوالے کیا گیا ہے۔

(بشکریہ ہم سب)

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو کیا چاہتے تھے؟

فرحان تنیو

عوامی تحریک کے بانی و مایہ ناز وکیل، سیاستدان و ادیب رسول بخش پلیجو اب ہم میں نہیں رہے۔ سندھ اپنے عظیم فرزند سے محروم ہو گیا۔ پاکستان میں جب مزاحمتی سیاست اور محکوم و محروم طبقات کے حقوق پر مبنی جدوجہد کی تاریخ لکھی جائے گی تو مؤرخ رسول بخش پلیجو کے لافانی و لاثانی کردار کو کبھی فراموش نہیں کر پائے گا۔ رسول بخش پلیجو 1930ع میں ٹھٹہ کے چھوٹے سے شہر جنگشاہی میں پیدا ہوئے۔ سندھ کے اس سپوت نے ہر دور میں ہر میدان میں اپنے ارد گرد کے غریب لوگوں، پسے ہوئے عوام کے لیے اپنا اولین فرض سمجھ کر جدوجہد کی، اغیار کے آگے انکار اور باطل کے سامنے سینہ تان کر ڈٹ کے کھڑا رہنا ان کی فطرت میں شامل تھا۔ ون یونٹ کے خلاف سندھیوں کی شاندار جدوجہد ایک تاریخ ہے، جس میں رسول بخش پلیجو نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور 4 مارچ کے اسیرانِ حیدرآباد کے وکیل بھی بنے اور زبردست دلائل پیش کیئے۔ پلیجو صاحب پاکستان کے ان گنے چنے سیاستدانوں میں سے ایک تھے جو بہ یک وقت سیاستداں، اعلی پائے کے وکیل، دانشور اور ادیب بھی تھے، جس وقت سندھی زبان کے عظیم شاعر شیخ ایاز کی شاعری کے باعث ان پر مختلف اقسام کے فتوے جاری کیئے جا رہے تھے عین اس وقت رسول بخش پلیجو نے، ''اندھا اوندھا ویج''، کتاب لکھ کر اچھے اچھوں کی زبان درازی کے آگے بند باندھ دئے تھے، وہ سندھ کے محکوم و مظلوم عوام کے حقوق کے لئے ہر دور میں میدانِ عمل میں نظر آئے۔ جی ایم سید، محمد ابراہیم جویو، فاضل راہو و دیگر کے ساتھ سیاسی تحاریک کی رہنمائی کرتے رہے، جبکہ جی ایم سید سے ان کے شدید اختلافات بھی رہے۔ رسول بخش پلیجو نے ون یونٹ، انتخابی فہرستوں کی سندھی میں اشاعت، ڈھاکا میں فوجی آپریشن، ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں بلوچستان آپریشن اور جنرل ضیاء

Gul Hayat Institute

کے دور میں بحالیء جمہوریت تحریک (ایم آر ڈی) میں تاریخی کردار ادا کیا، جسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

رسول بخش پلیجو عوامی تحریک کی بنیاد ڈالنے سے پہلے نیشنل عوامی پارٹی میں بھی رہے لیکن جلد ہی اختلافات پیدا ہونے کے بعد انہوں نے نعپ سے اپنی راہیں جدا کرلیں اور 70ء کی دہائی میں عوامی تحریک کی بنیاد رکھی۔ عوامی جمہوری حقوق کے لیئے پرامن جدوجہد کرنے کی پاداش میں انہیں کئی برس تک قیدوبند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں، جبکہ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے انہیں ''ضمیر کا قیدی'' قرار دیا۔

رسول بخش پلیجو ہمیشہ ملکی آئین و قانون کی پاسداری کرتے ہوئے محکوم طبقات کو ان کے بنیادی انسانی حقوق فراہم کرنے لئے تحاریک کا حصہ رہے، وہ چاہتے تھے کہ 1940ع کی قرارداد میں تمام قومیتوں سے کئے گئے وعدوں کے تحت انہیں اپنے مکمل حقوق دیئے جائیں اور پاکستان میں رہنے والی تمام قومیتوں سے بلا تفریق برابری کی بنیاد پر سلوک اختیار کیا جائے۔ رسول بخش پلیجو نے یوں تو سندھ کی سیاست میں ایک لافانی کردار ادا کیا لیکن ان کا سب سے بڑا کارنامہ سندھی معاشرے میں خواتین کو سیاست جیسے شعبے میں منظّم کرکے ایک نظریاتی پلیٹ فارم مہیا کرکے دینا تھا۔ سندھیانی تحریک اس کی زندہ مثال ہے، وہ شاہ عبداللطیف بھٹائی کی شاعری کے بھی گرویدہ تھے اور بقول شاہ بھٹائی کے:

''جاں جاں ھئی جیرَی، وِرچی نہ ویٹھی''، مطلب جب تک سانس میں سانس رہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہ رہے، کی طرح زندگی بسر کی۔

عمر کے آخری ایّام میں ان کے اپنے بیٹے ایاز لطیف پلیجو سے بھی اختلافات ہوئے جس کا انہوں نے برملا اظہار کیا اور اپنی پرانی جماعت عوامی تحریک کی دوبارہ بحالی کا اعلان کیا اور تادمِ مرگ اس کے سربراہ بھی رہے، انہوں نے اپنی انتھک سیاسی جدوجہد کے دوران سندھ کو ایک متحرک و منظم سیاسی کیڈر بھی فراہم کیا جو ان کے نظریے کا جھنڈا اٹھامے آگے بڑھ رہا ہے اور خوشحال سندھ کا خواب اب ان کے سیاسی پیروکاروں کی آنکھوں میں امانت کی طرح منتقل ہوچکا ہے۔

رسول بخش پلیجو ایک طرف سیاست کے افق پر ایک درخشاں ستارے کی مانند چمکتے رہے تو دوسری جانب انہوں نے سندھی ادب کو شاہکار کتابیں بھی فراہم کیں جو ان کی اعلیٰ پائے کی ذہانت کا ثبوت ہیں۔ ان کی مشہور کتابوں میں سیاسی ادب، اوھانجی پچاناں، کوٹ لکھپت جو قیدی، وِھَن

مون نہ وڑا، اندھا اوندھا وتیج اور دیگر شامل ہیں۔

اس کے علاوہ ان کی ایک نظم ''جہاں کھے ڈیو مبار کوں اسیں پیا کاھیندا اچوں'' کو بھی سندھ کے سیاسی حلقوں میں خاصی شہرت حاصل رہی ہے۔

اگرچہ رسول بخش پلیجو کے سندھ کی قوم پرست سیاست کے سلسلے میں جی ایم سید سمیت دیگر رہنماؤں سے بھی شدید اختلافات رہے لیکن ان کا خواب سندھ اور پاکستان کے مظلوم و محکوم عوام کی خوشحالی تھا۔ان کی چاہت غریب و نادار طبقے کی ترقی تھی، ان کی خواہش مظلوم عوام کو انصاف کی مستقل فراہمی تھی۔

(بشکریہ ہم سب)

خراجِ عقیدت

غازی امان اللہ

جناب پلیجو سندھ دھرتی کا بڑا نام ہے۔ رہائی کے بعد راولپنڈی کے ایک جلسے میں ان کو سننے کا موقعہ ملا۔ان کی تقریر علم و حکمت اور خطابت کا بہترین نمونہ تھی۔

بہت کم لوگوں کو معلوم ہو گا کہ پلیجو صاحب کامریڈ حیدر بخش کی انتخابی مہم میں بطور نوجوان ورکر شامل تھے۔ یہ الیکشن 1953ء میں لاڑکانہ۔ شہداد کوٹ کی سیٹ پر کامریڈ حیدر بخش جتوئی اور نواب غیبی خان چانڈیو کے درمیان ہوا تھا۔ اس مہم میں پنجاب سے ہمارے انقلابی شاعر حبیب جالب مرحوم بھی شریک تھے۔

کیسے کیسے لوگ آئے اور چلے گئے۔ کاش! ہمارے میڈیا پر قابض ان پڑھ طوطوں کو ایسے حقیقی قومی ہیروز پر پروگرام کرنے کی کبھی توفیق ملے۔

(بشکریہ فیس بک)

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو: ایک سوچ، ایک فکر

جاوید قاضی

کتنے سارے لوگ آئے اور چلے گئے، ایک لمحہ تھا اور بس باغ اجڑ گئے۔ عاصمہ گئیں، جمال نقوی گئے، جام ساقی گئے، ابراہیم جویو گئے اور اب پلیجو۔ ان سب جدائیوں کو مشکل سے ایک سال ہی ہوا ہوگا۔ اک پل تھا، پل بھر میں ابھرے، امر ہوئے اور دھواں ہوئے۔ ہماری روایت ہے کہ ہم جاتے ہوئے کو الوداع کرتے وقت سر نگوں ہو جاتے ہیں، آنکھوں میں نمی لئے ان کی یادوں میں گم ہو جاتے ہیں۔

سندھ کی تاریخ میں رسول بخش پلیجو ایک قدآور نام اور شخصیت کے طور پر رقم ہوئے۔ یوں کہیے کہ جو قرضہ تھا وہ اتار چلے اور جو فریضہ تھا وہ ادا کر گئے۔ ان کے گرد جو تضادات تھے، جو ماحول تھا وہ سمجھے، اس کا ادراک کیا، ایک موقف اختیار کیا اور چٹان بن کر کھڑے ہو گئے۔ پھر کیا کوٹ لکھپت جیل، حیدرآباد جیل یا سکھر، لانگ مارچ ہو، بھوک ہڑتال ہو، غرض کہ ہر جدوجہد میں انہوں نے حصہ لیا۔ جان سے اس حد تک کھیلے کہ وچن کی پاسداری نہ جائے۔

وہ بھانپ گئے کہ میں فرد ہوں اور تاریخ کی طویل اور دیومالائی حقیقت کے سامنے اپنے کردار کا تعین کروں۔ اور وہ سوچ کے اس مقام تک پہنچ گئے جہاں ''ڈر'' ایک چھوٹی سی چیونٹی کے مانند نظر آتا ہے، جہاں ''تم'' اور ''میں'' کا عندیہ ثانوی ہو جاتا ہے۔ ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں سب ''کل'' نظر آتا ہے اور فرد اس کل میں ایک عکس کی مانند ہو جاتا ہے۔

عجیب تھے ہمارے پلیجو صاحب، جب موت نے آکر دستک دی تو اپنی تحریک میں شامل چند خواتین کو بٹھا کر ان سے انقلابی گیت سنا کرتے، ان کی آنکھیں چھت کی طرف جیسے کُھپ جاتیں اور یہ اٹھاسی سالہ شخص کہیں دور سوچوں میں نکل جاتا۔

ایچ ٹی سورلے لکھتے ہیں کہ جب بھٹائی موت کے قریب پہنچے تو خوب نہا دھو کر اپنے آستانے میں برگد کے نیچے چارپائی پر لیٹ کر فقیروں کو بلایا اور کلام سنانے کو کہا، فقیر بھٹائی کا کلام گانے لگے، جب کلام ختم ہوا تو فقیروں نے دیکھا کہ شاہ بھٹائی کی روح پرواز کر چکی تھی۔

پلیجو ایک فکر تھے، وہ اپنی ذات میں ایک تحریک تھے، ان کا تحرک بھی بلا کا تھا تو فکر بھی۔ فکر کے حوالے سے وہ ماؤسٹ تھے۔ اسٹالنسٹ بھی تھے۔ ساری عمر بائیں بازو کی سیاست سے جڑے رہے۔ وہ مادیت پرست تھے۔ میری ان سے پہلی ملاقات جب ہوئی تو میں صرف سات سال کا تھا، وہ میرے والد کے چیمبر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں اپنے گھر سے جب اچانک چیمبر میں داخل ہوا تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور مجھے اپنی گود میں لے لیا۔ کہنے لگے خدا کہاں ہے؟ میں نے اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی تو وہ آسمان کی طرف دیکھنے لگے اور کہنے لگے کہاں ہے وہاں خدا؟ تو میرے والد ان پر نرمی سے برہم ہونے لگے، ان کو کہنے لگے کہ میرے بیٹے کو تم کیا سکھا رہے ہو؟

پلیجو صاحب فقط ایک انسان تھے۔ جب پلیجو صاحب کی فکری سوچ کی نشوونما ہوئی تو ان کے پاس چند سوالات تھے کہ: ''دنیا میں اونچ اور نیچ کیوں ہے؟ کوئی اونچا ہے تو کیوں اور کوئی نیچا ہے تو کس وجہ سے؟'' اس طرح وہ کارل مارکس کی فکری سوچ تک پہنچے اور آخر کار انہوں نے اپنے سندھی قوم پرست ہونے میں اپنی پہچان بنائی۔ ان کی قوم پرستی کسی سندھی وڈیرے کی طرح نہ تھی، جو کالا باغ ڈیم کی انحرافی تو کرتا ہے مگر وہ اپنے دہقانوں کو اپنے جوتوں میں بٹھاتا ہے۔

پلیجو صاحب اگر کالا باغ ڈیم کے مخالف تھے تو وہ اپنے سندھ کی مظلوم کلاس کو بھی اپنے ساتھ لے کر چلتے تھے۔ ان کے ساتھ فرش پر بیٹھ کر ان کے جیسے ہو جاتے تھے۔ ہم سندھی یہ کہتے ہیں کہ ووٹ کا شعور بھٹو نے دیا اور سچ بھی ہے، مگر عورت کو سیاسی شعور دینے والے رسول بخش پلیجو تھے۔ وہ اپنے جلسوں میں عورتوں کو مردوں کے برابر کھڑا کرتے تھے اور سینکڑوں کی تعداد میں عورتیں ان کے جلسوں میں شریک ہوتی تھیں۔ یہاں تک کہ ان کے جنازہ کو عورتوں نے اپنے کندھوں پر اٹھایا۔ ایک پسماندہ، زراعتی سندھی سماج میں انہوں نے انقلاب برپا کر دیا۔

پلیجو کا نام جب بھی لیا جائے گا تو فاضل راہو کو بھی ضرور یاد کیا جائے گا۔ دہقانوں کی تحریک، مزدوروں کی تحریک، عورتوں کے حقوق اور آزادی کی تحریک اور بچوں کی تحریک، غرض کہ کون سی ایسی مظلوموں کی تحریک تھی جس میں پلیجو صاحب حصہ دار نہ ہوں۔ ان کے جلسوں میں ہزاروں لوگوں کی شرکت ہوتی تھی۔

پاکستان بننے کے بعد سندھ کے اندر ایم آر ڈی کی تحریک سب سے بڑی تحریک تھی۔ اس تحریک کا جی ایم سید نے بائیکاٹ کیا مگر پلیجو صاحب نے اس تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے بعد پلیجو اور ان کے کارکنان کا ایم آر ڈی تحریک میں سب سے بڑا کردار رہا۔

جب کالا باغ ڈیم کے خلاف تحریک چلی تو پلیجو اور اس کے کارکن اس تحریک کا ہراوّل دستہ تھے۔ پلیجو صاحب، بینظیر بھٹو کو پنجاب اور سندھ کے بارڈر کے قریب کموں شہید لے کر آئے، جہاں بشیر قریشی بھی ان کے ساتھ شامل ہوئے۔ ایم آر ڈی کی تحریک میں اگرچہ پورا سندھ شامل نہ تھا لیکن کالا باغ ڈیم کے خلاف تحریک میں جی ایم سید کی سوچ بشیر قریشی، رسول بخش پلیجو اور بینظیر بھٹو سب ایک مؤقف پر یکجا تھے۔ کالا باغ ڈیم کا بیانیہ بنانے میں رسول بخش پلیجو کا اہم ترین کردار ہے۔

پلیجو بلا کے مقرر تھے۔ شاہ جو رسالو انھوں نے جیسے حفظ کیا ہوا ہو، وہ بات کرتے کرتے بھٹائی کی شاعری کے حوالے دینے لگتے۔ جب وہ بولتے تو جیسے ساکن سماع سا بندھ جاتا اور گھنٹوں بغیر کسی تعطل کے وہ اپنے خیال میں محو ہو کر بولتے جاتے۔ وہ اس حوالے سے ایک سند تھے۔ وہ ایک بہت بڑی درسگاہ تھے، جہاں سے ان کی پارٹی کے کئی کارکنان مستفید ہوئے۔ وہ اپنی ذات میں ایک بہت بڑا مدرسہ تھے۔ ان کی شخصیت کے کئی پہلو تھے، وہ نقاد بھی تھے، اردو ادب سے لے کر سندھی اور انگریزی ادب کے مداح تھے۔ وہ پائے کے وکیل بھی تھے۔ شاعری ان کی رگوں میں رچی بسی تھی۔ رسول بخش پلیجو اب ہم میں نہیں۔ وہ مورخہ 7 جولائی صبح تین بجے کراچی کے ایک نجی اسپتال میں خالق حقیقی سے جا ملے۔

وہ ایک عہد ساز شخصیت تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی سماج کو بدلنے کے لیے وقف کر دی۔ انہوں نے اپنی جدوجہد سے سندھ کی تاریخ پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ آئندہ آنیوالی نسلوں کے لیے ایک فکر، ایک سوچ اور ایک نظریہ پیچھے چھوڑا ہے۔ ایک تشنگی سی رہ گئی، میری ان سے ملاقات بہت کم رہی۔ 2008ء میں میرے والد کی برسی پر وہ مہمان خصوصی تھے اور فخر الدین جی ابراہیم نے اس محفل کی صدارت کی۔ اس موقع پر ان کی ایک خوبصورت تقریر میرے پاس بطور یادگار موجود ہے۔ ایسے لمحے زندگی کا حصہ ہیں جب ہم ایسی شخصیتوں سے جدا ہوتے ہیں۔ انہوں نے 88 سال کی عمر پائی اور ان کا اس دنیا سے جانا بھی ایک فطری عمل تھا۔ ایسے لمحوں میں رویا نہیں جاتا، بلکہ ایک نئے عزم کے ساتھ ان کی کاوشوں کو یاد کیا جاتا ہے۔

(بشکریہ ایکسپریس)

Gul Hayat Institute

سندھ ایک بڑے مفکّر، ادیب اور سیاستدان سے محروم ہو گیا!

خورشید عباسی

پاکستان میں فکری، سیاسی اور سماجی محاذوں پر بیک وقت لڑنے والے عوامی تحریک کے بانی سربراہ، ادیب، تاریخ دان، قانون دان اور دانشور رسول بخش پلیجو کو ہزاروں اشک بار آنکھوں کے ساتھ اور نعروں کی گونج میں جنگشاہی کے قریب واقع ان کے آبائی گاؤں منگر خان پلیجو کے نواحی گاؤں ''نئے وات'' میں 8-جون 2018ء کو بروز جمعہ سپردِ خاک کردیا گیا۔ ان کی قبر ان کے بھائی اور پیپلز پارٹی کی سینیٹر سسی پلیجو کے والد غلام قادر پلیجو کی اوطاق (بیٹھک) کے وسیع صحن میں بنائی گئی ہے۔ یہ وہ گاؤں اور علاقہ ہے جہاں رسول بخش پلیجو نے جنم لیا اور ان ہی گلیوں میں کھیلے اور شرارتیں کی تھیں۔ اب بھی وہی ہوائیں اور وہی ماحول ان کی قبر کے ارد گرد رہے گا۔

رسول بخش پلیجو کی نمازِ جنازہ اور تدفین میں شرکت کے لیے سندھ کے دور دراز علاقوں سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمعرات کی شب کو ہی ان کے آبائی علاقے منگر خان پلیجو پہنچ چکے تھے اور یہ سلسلہ ان کی نمازِ جنازہ ادا ہونے تک جاری رہا۔ منگر خان پلیجو پہنچنے والوں میں بڑی تعداد عوامی تحریک کے کارکنوں اور ان کے نظریئے کے حامی افراد کی تھی۔ تدفین سے قبل اور تدفین کے دوران تمام انتظامات عوامی تحریک کے کارکنوں نے سنبھال رکھے تھے۔ عوامی تحریک کے کارکن انتہائی منظّم تھے اور انہوں نے اپنے جذبات پر قابو رکھا ہوا تھا۔ رسول بخش پلیجو کی میت جب عام دیدار کے لیے رکھی گئی تو اس وقت بھی عوامی تحریک کے کسی کارکن کو میں نے روتے ہوئے نہیں دیکھا۔ تاہم ان چہروں پر عزم اور پلیجو صاحب سے محبت نمایاں طور پر نظر آ رہی تھی بلکہ یہ محسوس ہو رہا تھا کہ کارکنوں اور مرحوم کے درمیان سچی دوستی اور نظریات کا رشتہ ہے۔ جب

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو کی میت دفنانے کے لیے گھر سے اُٹھائی گئی اور اس کا اعلان ہوا تو ہزاروں کی تعداد میں وہاں موجود کارکن ان کے گھر سے لے کر قبر تک دو قطاریں بنا کر کھڑے ہو گئے۔ جب پلیجو صاحب کی میت ان دونوں قطاروں کے درمیان سے لائی گئی تو کارکن ان کو خراجِ عقیدت پیش کرتے رہے اور عوامی تحریک کے مخصوص نعروں سے ان کا استقبال کرتے رہے۔ اس طرح کے مناظر بہت کم نظر آتے ہیں جیسے وہاں دکھائی دیئے۔ ان کی نمازِ جنازہ اور تدفین میں سندھیانی تحریک (عورتوں کی تنظیم) سے تعلق رکھنے والی خواتین کارکنوں کی بھی بڑی تعداد موجود تھی، جن کے ہاتھوں میں عوامی تحریک کے جھنڈے تھے، وہ جھنڈے لے کر میت کے پیچھے پیچھے چل رہی تھیں۔ رسول بخش پلیجو کو سپردِ خاک کرنے کے بعد کچھ سیاسی کارکنوں اور خواتین نے بلند آواز میں شعر پڑھ کر ان کو منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا۔

سندھ میں سیاسی لانگ مارچ کا کلچر رسول بخش پلیجو نے ہی متعارف کروایا تھا۔ انہوں نے 1991ء اور 1995ء میں کالاباغ ڈیم کی تعمیر کے خلاف سکھر سے کراچی تک پیدل لانگ مارچ کی قیادت کی تھی، پھر 2005ء میں بھٹ شاہ سے کراچی تک پیدل مارچ کے دوران راستے میں 3 مرتبہ گرفتار بھی ہوئے۔ رسول بخش پلیجو کی طرف سے ہونے والے لانگ مارچ میں بڑی تعداد میں خواتین بھی شامل ہوا کرتی تھیں۔ نہ صرف خواتین بلکہ بچوں اور بوڑھوں کی بھی بڑی تعداد شامل ہوتی تھی۔ پلیجو صاحب نے دُنیا کی کئی جامعات میں ایک اسکالر کے طور پر لیکچر دیئے۔ ان میں جواہر لال یونیورسٹی (بھارت)، شکاگو یونیورسٹی (امریکا)، کیمبرج یونیورسٹی اور سسکس یونیورسٹی (انگلینڈ) اور انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز (روس) وغیرہ شامل ہیں۔ رسول بخش پلیجو ادیب بھی تھے اور نقّاد بھی۔ انہوں نے شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کو پڑھنے کے بعد انہیں عالمی انسانی تناظر میں ملک اور دُنیا کے سامنے انقلابی شاعر کے طور پر متعارف کرایا اور بتایا کہ شاہ لطیف عالمی انسانی مفکّر ہیں۔ انہوں نے روشن خیالی کے ساتھ طبقاتی نظام کے خلاف تمام قومیتوں کی جنگ قلم اور عملی جدوجہد کے ساتھ لڑی۔ مختلف اوقات میں پلیجو صاحب کی 5 بیویاں رہیں، جن کے نام شریفاں پلیجو، رقیہ، زرینہ بلوچ، نسیم تھیبو اور زاہدہ شیخ ہیں۔ ان میں سے رقیہ ابھی حیات ہیں۔ ان کی پہلی اہلیہ شریفاں پلیجو سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے۔ تیسری اہلیہ زرینہ بلوچ سے بھی ایک بیٹا ہے، جن کا نام ایاز لطیف پلیجو ہے اور وہ اس وقت عملی سیاست میں موجود ہیں۔ چوتھی اہلیہ نسیم تھیبو سے 2 بیٹیاں ہیں جبکہ پانچویں اہلیہ زاہدہ شیخ سے کوئی اولاد نہیں۔

سندھ ایک بڑے مفکّر، ادیب اور سیاستدان سے محروم ہو گیا!

Gul Hayat Institute

آخری سفر کی جھلکیاں

- رسول بخش پلیجو کی نماز جنازہ میں خواتین کی بڑی تعداد بھی شریک تھی، ان کی قطار مردوں سے الگ تھی اور وہ دعا میں بھی شریک ہوئیں۔
- نماز جنازہ کا وقت صبح 8 بجے طے تھا لیکن 11 بجے ادا کی گئی، اس کی وجہ مزید قافلوں کی آمد تھی۔ اس موقع پر کسی نے کہا کہ شاید گورنر سندھ آرہے ہیں، اس لئے ان کا انتظار ہے۔ اس پر وہاں موجود پیپلز پارٹی کے رہنما اسماعیل راہو نے کہا کہ پلیجو صاحب نے کبھی کسی کا انتظار نہیں کیا تو ان کی میت کو انتظار کیوں کرایا جارہا ہے؟
- اجتماع میں موجود ایک ادیب نے سوال اٹھایا کہ ایک مفکّر اور تاریخ دان کی موت پر ہمیں تاریخ سے تعزیت کرنی چاہیے یا رسول بخش پلیجو کے اہل خانہ سے؟ اس بات سے ان کا مقصد تاریخ پر رسول بخش پلیجو کی گہری نظر کو سراہنا تھا۔
- رسول بخش پلیجو کے جسد خاکی کو لحد میں اتارنے کے بعد سندھی فنکارہ خوشبو لغاری نے ساتھی خواتین کے ساتھ مل کر انقلابی گیت گائے جبکہ دوسری طرف عوامی تحریک کے کارکنان فلک شگاف نعرے بلند کرتے رہے۔
- رسول بخش پلیجو کی نماز جنازہ سے لے کر تدفین تک عوامی تحریک کے کارکنوں نے سارے انتظامات انتہائی منظم انداز میں سنبھالے ہوئے تھے۔

کچھ یادیں کچھ باتیں

رسول بخش پلیجو کہتے تھے کہ وہ ہمیشہ سے کتابوں کے عاشق رہے ہیں، بچپن سے ہی کتابیں پڑھنے کا شوق تھا۔ جن کے پاس اچھی کتابیں ہوتی تھیں، وہ ان کے دروازوں پر پورا دن کھڑے رہتے تھے اور کتاب لے کر پڑھنے کے بعد واپس بھی کر دیتے تھے۔ جیب خرچ ملتا تو اس سے کوئی کھانے پینے کی چیز نہیں لیتے تھے بلکہ پرانی کتابیں خرید لاتے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد ہونے والے فسادات میں لوٹ مار بھی ہوئی، ان کے بقول وہ ہندوؤں کی کتابیں چوری کر کے لے آئے تھے لیکن جب ڈانٹ پڑی تو وہ بھی واپس کر آئے۔ ایک ٹی وی انٹرویو کے دوران پلیجو صاحب نے بتایا کہ وہ قائداعظم کی تقریر سننے کے بعد واپس آکر ہاسٹل کے دوستوں کو سنایا کرتے تھے۔ پھر پلیجو صاحب مسلم لیگ اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے جنرل سیکریٹری منتخب ہوگئے اور قائداعظم محمد علی جناح

Gul Hayat Institute

کے ساتھ بھی سفر کیئے۔ رسول بخش پلیجو کا کہنا تھا کہ انہوں نے دنیا بھر کے تمام مذاہب کا مطالعہ کیا ہے۔ دنیا بھر کی تاریخ پڑھی ہے، یہ تمام واقعات اور حالات دیکھ کر پھر سندھ کی سیاست میں قدم رکھا اور اپنی سیاسی جماعت عوامی تحریک کی بنیاد رکھی اور کامیابی نصیب ہوئی۔

رسول بخش پلیجو نے ایک اور ٹی وی انٹرویو کے دوران بتایا کہ ایک دن میری والدہ نے مجھے بلا کر کہا کہ یہ لو 10 روپے اور ٹنڈو باگو میں ایک مدرسہ ہے وہاں جا کر پڑھو، واپس نہیں آنا۔ تم نے بہت گڑ بڑ کی ہے، اگر تمہارے ابو آئے تو وہ تمہاری پٹائی کریں گے۔ پلیجو صاحب نے ایک رشتہ جو والدین نے طے کیا تھا، وہ ختم کرا کے اپنی بہن کی شادی ان کی پسند کے مطابق کرائی تھی۔ پلیجو صاحب نے بتایا کہ جب میں نے اپنی بہن کے ہونے والے سسر سے کہا کہ اپنے بیٹے کی شادی میری بہن سے کر دو تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے تو یہ رشتہ مانگا ہی نہیں۔ تب پلیجو صاحب نے ان سے کہا کہ اپنے بیٹے سے پوچھو، جس نے میری بہن کا رشتہ مانگا ہے اور میں نے طے کیا ہے کہ اب ان دونوں کی شادی ضرور ہو گی، آخر کار وہ شادی ہو کر رہی۔ پلیجو صاحب نے بتایا کہ والدہ سے وہ 10 روپے لے کر گھر سے نکل گئے۔ ان کے دوستوں کا حلقہ اس وقت بھی وسیع تھا۔ انہوں نے سوچا کہ جنگ شاہی سے حیدر آباد پہنچیں گے، حیدر آباد اسٹیشن پر رات کو جو مسافر سوئے ہوتے ہیں، ان کی جیبوں سے پیسے نکال کر رقم کو مزید بڑھا لیں گے لیکن لوگ سوئے ہی نہیں، پھر وہ 10 روپے لے کر کراچی پہنچ گئے۔ جہاں ڈاکٹر داؤد پوتا ہوا کرتے تھے، ان سے آکر ملے اور انہیں کہا کہ وہ پڑھنا چاہتے ہیں، اس لئے اسکالر شپ مل جائے تو بہتر رہے گا۔ انہوں نے پوچھا کہ تم نے اسکالر شپ کے لیے امتحان دیا ہے؟ پلیجو صاحب نے بتایا کہ انہوں نے جھوٹ بولا کہ بیمار تھے، اس لئے امتحان نہیں دے سکے۔ انہوں نے کہا کہ امتحان لوں گا۔ پلیجو صاحب کی عمر تقریباً 14 سال تھی۔ انہوں نے ڈاکٹر داؤد پوتا کو کئی کتابوں کے اقتباسات پڑھ کر سنائے بہر حال اس طرح انہیں سندھ مدرستہ الاسلام میں چوتھی کلاس میں داخلہ مل گیا۔ انہوں نے 3 سال تک قرآن شریف ترجمے کے ساتھ پڑھا۔ پلیجو صاحب کے مطابق جب انہوں نے میٹرک کا امتحان دیا تو ایک مضمون کے طور پر قرآن شریف بھی لیا تھا جس پرچے میں انہیں پہلی پوزیشن ملی تھی۔

(بشکریہ اخبار جہاں)

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو، ایک انقلابی لیڈر کی موت

ارباب عبدالمالک

گزشتہ ساٹھ سال سے سندھ کے صحراؤں، بستیوں، پہاڑوں اور ساحلوں پر مسلسل اور توانا گونجنے والی آواز ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی۔ یوں انیسویں صدی کے صفِ اوّل کے برِّصغیر میں جو بہت بڑے آدمی پیدا ہوئے اور اپنی فہم و فراست اور علم و دانش کی بنیاد پر عوام میں عزت و وقار سے اپنا مقام بنایا اُن باقیات الصالحین میں رسول بخش پلیجو چند آخری شمعوں میں سے تھے جو ایک مدت تک روشنی بکھیر کر اپنی مہلتِ حیات کا آبرو مندانہ استعمال کرتے ہوئے خالقِ حقیقی سے جاملے۔ بیک وقت مربی، مصلح، ادیب، صحافی، شعلہ بیاں مقرر اور سیاسی مدبر جیسی خوبیوں کی حامل شخصیت اب ڈھونڈنے سے کہیں نظر نہیں آتی۔

رسول بخش پلیجو صاحب کراچی کے مضافات میں واقع جنگ شاہی کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوئے۔ سندھ کے اس عام اور غریب دیہاتی نے محنت، مطالعے اور مشاہدے کو بنیاد بنا کر نصف صدی تک سارے سندھ کو جگایا۔ عالمی سیاست کے مدوجزر اور عالمی ادب پر گہری نظر ان کا محبوب مشغلہ و موضوع تھا۔ عالمی انقلابی تحریکوں سے ان کا بہت قریبی اور قلبی تعلق رہا، اور سندھ میں انقلابی جدوجہد کے لیے فکری بنیاد بھی ان ہی تحریکوں سے اخذ کرتے رہے۔

قلم اور کتاب سے ان کا تعلق مثالی رہا۔ خود کئی کتابوں کے مصنّف رہے۔ عالمی ادب کے سندھی زبان میں تراجم بھی ان کی نگرانی میں ہوتے رہے اور تشنگانِ علم کی تشفی کا سامان مہیا ہوتا رہا۔ اسٹڈی سرکل اور فکری نشستوں کے ذریعے نوجوان نسل میں کتاب اور قلم سے مضبوط تعلق قائم کرنا رسول بخش پلیجو کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ آج کے سندھ میں جاگیرداری نظام کے خلاف جو نفرت کے جذبات پائے جاتے ہیں بلاشبہ اس مرحلے تک پہنچنے میں سب سے بڑا کردار پلیجو صاحب کا ہے۔

''فکرِ پلیجو'' کے پیروکار آج سندھ میں زندگی کے ہر شعبے میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور اپنے قومی کردار سے نہ صرف بخوبی آگاہ ہیں بلکہ بڑی ہمت کے ساتھ سندھ کو بیدار کرنے کا کام احسن طریقے سے سرانجام دے رہے ہیں۔ سندھ میں اُبھرتی ہوئی مڈل کلاس فکرِ پلیجو کی پیداوار ہے۔

پلیجو صاحب نے سندھ کی سیاست میں بہت سارے نئے رجحانات متعارف کرائے جو آگے چل کر نشانِ راہ بن گئے۔ قومی گیت اور وہ بھی نغمگی کے ساتھ، پلیجو کی بیگم زرینہ بلوچ جنہیں سندھ کی اُم کلثوم بھی کہا جاتا ہے، بیداری کے سفر میں ایک استعارہ بن گئیں۔ ان کی مدھر آواز میں انقلابی گیت جدوجہد کے دوران میں سامعین کا لہو گرمانے کا سامان ہوا کرتے تھے۔ شیخ ایاز کی شاعری اور زرینہ بلوچ کی سریلی آواز نے ایک مدت تک سارے سندھ کو اپنے سحر میں لیے رکھا۔ آج سندھ میں جو اچھے گلوکار ہیں ان سب کا گائیکی کا سفر انقلابی گیتوں سے ہوا ہے۔ پلیجو کی ایک اور کامیاب سیاسی جدت جشنِ لطیف کا انعقاد ہے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے کلام کی جدید تشریح اور اس میں پوشیدہ انقلابیت کو آشکار کرنے کا کام بھی سندھ کے نوجوانوں کے لیے مشعلِ راہ بنا۔ سندھ کا شاید ہی کوئی شہر ہو جہاں جشنِ لطیف کا انعقاد نہ ہوا ہو۔

حالات و واقعات کو اپنے خاص زاویے سے دیکھتے تھے۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ میں کئی اتحاد بنے اور بگڑے، جمہوریت کی بحالی کی ہر تحریک کے ہراول دستے میں رہے۔ نہ صرف قومی تحریکوں میں شامل رہے بلکہ اچھے اور نڈر وکیل ہونے کے ناتے کئی خطرناک سیاسی کیسوں میں بے خوف و خطر وکالت کی۔ انتخابی سیاست میں حصہ دار رہے لیکن کبھی شارٹ کٹ یا پارلیمان کا حصہ بننے کے لیے بے تاب نہیں ہوئے۔ ایم آر ڈی، اینٹی کالا باغ ڈیم اور دوسری تحریکوں میں قائدانہ کردار ادا کیا لیکن کبھی خراج وصول نہیں کیا، نہ مفادات کی سیاست کی۔

رسول بخش پلیجو نے انتھک اور انتہائی طویل سیاسی جدوجہد کی، بڑے مشکل حالات میں ثابت قدم رہے، اور آج کی مروجہ مفادات کی سیاست کو اپنے قریب نہیں آنے دیا۔ زبان و قلم کے ذریعے اور دلیل کے ہتھیار سے لیس شائستگی کے ساتھ بات کرنے کا سلیقہ بھی سکھا گئے۔ وہ بیک وقت بہترین منتظم، اچھے لکھاری، صاحبِ طرزِ خطیب، شاندار مفکّر و مدبّر بھی تھے۔ انہوں نے سندھ کی نوجوان نسل کو فکری رہنمائی فراہم کی۔ سندھ کی خواتین جو عموماً سیاسی جدوجہد کو عیب سمجھتی تھیں، پلیجو نے بلاشبہ سندھ میں سینکڑوں خواتین کی تربیت کی اور لکھنے اور بولنے کا سلیقہ سکھایا، مردوں کے ساتھ سیاسی جدوجہد میں شانہ بشانہ چلنے کا حوصلہ دیا۔ دنیا میں بھرپور زندگی گزاری اور اپنے حصے کا کام کر گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ (بشکریہ جسارت)

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو۔ایک سعید روح

محمود شام

ملک اسی اثنا میں ایک سعید روح۔ انسانیت کا درد رکھنے والے پاکستانی سے محروم ہو گیا۔ رسول بخش پلیجو۔اپنی بھرپور زندگی گزار کر۔لوگوں کے دلوں میں گھر کر کے رخصت ہو گئے۔اہلِ سیاست میں فکری روایت کو برقرار رکھنے والے رسول بخش پلیجو جیسے لوگ بہت کم تھے۔ بیکراں مطالعہ۔ماضی کی ایک ایک تحریک پر نظر۔ مستقبل کی آہٹیں سنتے تھے۔

ملاقاتیں تو بہت رہیں۔ایک کبھی نہیں بھول سکتا۔ یہ جناح ہاسپٹل کراچی میں زیر حراست بھی اور زیر علاج بھی تھے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو ان کی عیادت کے لیے گئی تھیں۔ شاید 1987ء ہو۔ پلیجو صاحب نے جن الفاظ میں ان کا خیر مقدم کیا۔اُردو۔انگریزی میں۔ گفتگو میں آنے والے دَور کی سنہری جھلکیاں بھی تھیں۔ درپیش خطرات کی گھنٹیاں بھی۔ وہ اپنے نظریات اپنے اصولوں کی حرمت کے لیے عمر بھر سینہ سپر رہے۔

سندھ کی سطح پر ہی نہیں۔ پاکستان بلکہ خطّے کی صورتِ حال پر ان کا درد بہت کچھ سکھاتا تھا۔ (2 آکتوبر 2016ء سے پلیجو صاحب نے ایاز لطیف سے اپنے سیاسی راستے جدا کر لیے تھے)

(بشکریہ جنگ)

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو۔۔۔

شاہ محمد مری

اُس کی گیارہ سالہ جیل بھگتنے سے بات شروع کرتا ہوں تاکہ اندازہ ہو کہ ہم کسی عام سیاسی کارکن کی بات نہیں کر رہے۔88 سالہ اِس معمر سیاستدان نے 50 سال منظّم سیاست میں گزارے۔ سچ ڈھونڈنا ہو تو اصل میں اُس نے 65 سال سیاست کی (ہاری تحریک میں شمولیت کے وقت سے)۔ 1964ء میں وہ نیشنل عوامی پارٹی میں تھا۔ اور ایم آر ڈی کی تحریک میں تو اُس نے ضیائی مارشل لا کو وہ کک، وہ پنچ مارے کہ زمانہ شاہد ہے۔ مگر ہم اپنے قاری کو خبردار کرتے ہیں کہ وہ یہ بات نہ بھولے کہ پلیجو سندھ میں فیوڈلزم کے خلاف سر دھڑ کی بازی لگائے رہا۔ وہ قومی حقِ خود ارادیت کا چیمپین رہا۔ عورتوں کے حقوق پہ مبنی اُس کی قائم کردہ تنظیم (سندھیانی تحریک) اس ملک کی تاریخ میں سب سے منظم تنظیم رہی۔

سیاست میں وہ جلسوں جلوسوں اور سٹڈی سرکلوں کے راستے پر چلا ہے۔ بالخصوص مسافت میں طویل اور حجم میں بڑے بڑے مارچ نکالنے والوں میں پلیجو کا شمار صفِ اول کے رہنماؤں میں ہوتا ہے۔ رسول بخش پلیجو ایک تخلیقی سیاست دان رہا ہے۔ اس نے ترقی پسندی کو قوم پرستی کے ساتھ بڑی خوبصورتی سے جوڑے رکھا۔

پلیجو ایک طرف خالص طبقاتی سیاست کرتا رہا' دوسری طرف سندھی قوم کے قومی تضاد کو ابھارتا اور منظم کرتا رہا۔ ساتھ میں سامراج اور مارشل لا بھی اس کے بڑے دشمن رہے۔ پلیجو پاکستان میں اس انداز کی سیاست کا غالباً آخری سیاست دان ہے۔

پلیجو صاحب ایک تیکھا لکھاری رہا۔ اس نے بے شمار کتابیں کتابچے اور پمفلٹ لکھے۔ وہ نئی نئی اصطلاحات ایجاد کرتا رہتا اور مخالف کے منہ پہ شڑاپ سے مارتا رہا۔ اس نے ہی سب سے پہلے

بہت بلند آواز سے محمد بن قاسم کو سندھ کا قاتل لکھا تھا۔ یہ گویا اسٹیبلشمنٹ کے نظریے سے کفر تھا۔ وہ اسی طرح کے کفر سرکاری نظریات کو مارتا رہا۔ اور لہٰذا اپنی کتابوں پر پابندیاں لگواتا رہا۔

رسول بخش پلیجو ایم کیو ایم کو فاشسٹ تنظیم اور پیپلز پارٹی کو سندھ کی سوداگر پارٹی قرار دیتا ہے ۔ کالا باغ ڈیم بننے نہ دینے والوں کے قافلے میں رسول بخش پلیجو صفِ اول کے لوگوں میں شامل رہا۔ ضیائی مارشل لاء کے دور میں سندھ کے اندر ایم آر ڈی منظم کرنے میں اُس کی پارٹی کا بہت اہم رول رہا ہے ۔ وہ قید و بند کی صعوبتیں جھیلنے میں بھی پیش پیش رہا۔ اسے سندھ اور سندھی کاز پر ہر وقت تحریر و تقریر، اور جلسہ و سیمینار میں دیکھا جاتا رہا۔

وہ ایک اچھا ادبی کرٹیک، ایک کہانی نگار، اور زبردست مقرر تھا۔ اسے کتابوں کے حوالے تفصیل سے یاد تھے ۔ فارسی عربی ارد و سندھی اشعار زبانی بولتا تھا۔ پلیجو نے سندھی زبان کی مشہور و معروف لوک فنکارہ زرینہ بلوچ سے شادی کی جو اُس کی سیاست میں بہت معاون ثابت ہوئی۔

پلیجو کچھ عرصہ اے این پی میں بھی شامل رہا۔

پلیجو ایک اچھا تنظیم کار رہا۔ وہ عوامی تحریک نامی پارٹی کا سربراہ، سندھی شاگرد تحریک اس کی قائم کردہ اور اُس کی پارٹی کا طلبا میں ماس فرنٹ ہے ۔ اُس کی پارٹی کی خواتین ونگ سندھیانی تحریک بھی کافی منظم ہے۔ اسی طرح اس نے کسانوں اور وکیلوں کو بہترین انداز میں منظم کیا۔ ایک زمانے میں تو ایس ایس ٹی اور عوامی تحریک سندھ کی مقبول ترین تنظیمیں رہی تھیں۔

مگر اس سب کے باوجود اُس کی سندھی عوامی تحریک سمیت تمام قوم پرست پارٹیاں الیکشن میں پیپلز پارٹی کے بڑے اور بے کار بیل کو کبھی بھی گرا نہ سکیں۔

اس کی وفات حق پر کھڑے لوگوں کے لیے بڑا نقصان ہے ۔ محکوموں مجبوروں کا ترجمان نہ رہا، انتھک سیاسی ورکر ہمارا یہ جی دار، عوام دوست اور سمجھ دار سیاسی رہنما طویل عمر گزار کر بہ یک وقت بہت سارا ورثہ اور کام چھوڑ کر حال ہی میں انتقال کر گیا۔

(بشکریہ سنگت)

انقلابی ناول کا کردار

عمر قاضی

ہم ان سے اس طرح مخاطب نہیں ہو سکتے جس طرح آرمینیا کے شاعر تومانین نے آسمان میں بھٹکتے ہوئے ایک پرندے سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا تھا۔ ''الوداع...! اے پیارے پرندے تم جہاں جاؤ گے بہار کی ہواؤں کے ساتھ آخر لوٹ آؤ گے، ہم جانتے ہیں کہ وہ جہاں گیا ہے؛ وہاں سے کبھی بھی واپس لوٹ کر نہیں آئے گا۔''

یہ حقیقت ہے کہ اس آسمان کے نیچے اور اس دھرتی کے اوپر ہر انسان دوسرے انسان سے مختلف ہے۔ مگر وہ اس عام فرق سے زیادہ مختلف اور بہت خاص تھا۔ اس جیسے سیاستدان کے لیے سندھ کو بہت انتظار کرنا پڑے گا۔ ایسے لوگ ہر روز ہر ماہ اور ہر سال میں جنم نہیں لیتے۔ وہ شخص جس نے روس اور چین کے انقلابی ناولوں کو پڑھ کر سیاسی جدوجہد کی ابتدا کی۔ وہ شخص بذات خود بھی ان ناولوں کا کردار بن گیا۔ اس کی زندگی کا ایک پہلو چین کے مشہور انقلابی ناول ''سرخ لالٹین'' اور اس کی زندگی کا دوسرا پہلو روس کے انقلابی ناول ''دار و رسن کی آزمائش'' اور اس کی زندگی کا تیسرا پہلو ترگنیف کے ناول ''بہار کے جھونکے'' کے مرکزی کردار ''سانن'' جیسا تھا۔ اس کے بارے میں بہت متضاد قسم کی باتیں بولی جاتی تھیں۔ اپنے حامیوں اور پرستاروں کی نظر میں وہ ماؤزے تنگ کا دوسرا جنم تھا مگر اپنے مخالفین کی نظر میں وہ پنجاب کا ایجنٹ تھا۔ وہ کیسا ایجنٹ تھا جس نے اپنے زندگی کے گیارہ قیمتی برس قید میں کاٹے۔ وہ پانچ برس تو کوٹ لکھپت کا قیدی رہا۔ اس نے اپنے وہ اسیری والے شب و روز اپنی جیل ڈائری ''کوٹ لکھپت کا قیدی'' میں تحریر کئے ہیں۔ اس ڈائری میں سندھ کے سیاسی حالات اور پاکستان پر امڈ آنے والے خطرات کے ساتھ ساتھ اپنی ذاتی زندگی کے تجربات اور مشاہدات بھی شامل ہیں۔ ان کی وہ ڈائری بھی ان کی ذات کی طرح

Gul Hayat Institute

بہت سارے رخ پیش کرتی ہے مگر اس ڈائری کو پڑھتے ہوئے میں جس راستے پر کافی دیر تک چلتا رہتا ہوں وہ راستہ ہے پنجابی اور سرائیکی صوفیاء کرام اور عوامی شاعروں کے وہ اشعار جن کو پڑھ کر بھولی محبت کے بھرے ہوئے زخم پھر سے ہرے ہو جاتے ہیں۔

وہ بنیادی طور پر ایک رومانوی شخص تھے۔ ان کی رومانوی شخصیت کا ثبوت صرف ان کی پانچ شادیاں نہیں تھیں بلکہ وہ زندگی کے ہر پہلو میں رومانوی تھے۔ وہ شخص جس کا جنم بہت غریب خاندان میں ہوا۔ اس شخص نے معاشی طور پر غربت اور معاشرتی طور پر ظالمانہ رویوں کے باوجود پوری زندگی بغاوت کے ساتھ گزاری۔ اس کے بارے میں بہت ساری باتیں ہوتی رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی مگر ہمیں ان کی سیاست کے اس پہلو کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیئے کہ انہوں نے اپنی سیاسی زندگی میں ہر بڑی قوت کے ساتھ بغاوت کی۔ یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ وہ صرف جماعت اسلامی کا نہیں بلکہ ایک سوشلسٹ ہوتے ہوئے بھی کمیونسٹ پارٹی کا مخالف تھا۔ اس کو پاکستان میں آخر تک سندھی قوم پرست کے طور پر جانا جاتا تھا مگر انہوں نے جدید سندھی قوم پرستی کے بانی جی ایم سید اور ان کی جیئے سندھ تحریک کے خلاف فکری اور عملی جدوجہد کی۔ اس جدوجہد کے دوران وہ خطرات سے بھی گزرے مگر انہوں نے اس کی کبھی کوئی پروا نہیں کی۔ جب وہ جوان تھے اس وقت ذوالفقار علی بھٹو کا جادو سر چڑھ کے بولتا تھا مگر انہوں نے بھٹو کے خلاف سیاست کی۔ وہ بھٹو کے شدید مخالف تھے۔

انہیں اپنی زباں اور اپنی زباں میں تخلیق ہونے والے ادب سے عشق تھا۔ وہ خود بھی ادیب تھے۔ ان کے افسانوں کا مجموعہ "دیکھ کر سرخ گلاب" سندھی ادب میں منفرد مقام رکھتا ہے۔ ہم ان کے بارے میں بات کررہے تھے کہ اب ان جیسے کردار کو دیکھنے کے لیے ہماری آنکھیں برسوں تک ترستی رہیں گی۔ ان کے بارے میں اس ملک میں کسی کی کیسی بھی رائے ہو سکتی ہے۔ میں ان سارے خیالات کا احترام کرتے ہوئے بھی اپنے قلم کو اس حقیقت کو بیان کرنے سے نہیں روک پا رہا کہ ان کا شمار ایسی شخصیات میں کیا جا سکتا ہے جن کے لیے علامہ اقبال نے لکھا ہے "بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا" وہ سندھ کے اجڑے ہوئے چمن کا دیدہ ور تھا۔ اس کو صرف سندھ تک محدود رکھنا نہ صرف اس شخص بلکہ اس ملک سے بھی زیادتی ہے۔ اس کی شخصیت کو صرف سندھ تک محدود کرنا مناسب نہیں ہے۔ ان کا شمار پاکستان کی نامور شخصیات میں ہونا چاہیئے۔ وہ شخص جس نے جنرل ضیاء کی آمریت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور جس نے کوٹ لکھپت جیل میں جوانمردی سے قید کاٹی

اور جب وہ رہا ہوا تب جیل سے وہ ہزاروں کتابوں کے ساتھ باہر آئے۔ وہ ہمیشہ مطالعہ کرنے میں مصروف رہنے والے شخص تھے۔ وہ تاریخ اور فلسفے کے ساتھ ساتھ عالمی ادب کے بہت اچھے قاری تھے۔ انہوں نے ادب میں ہمیشہ مزاحمت کا پہلو ابھارنے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ ایک بار اردو ادیب انور سن رائے نے انہیں اپنی کتاب ''چیخ'' پیش کی۔ اس کتاب کے بارے میں ہر پہلو سے خیالات کا اظہار کرنے کے بعد انہوں نے آخر میں کہا تھا کہ اس کتاب کا نام چیخ ہے۔ اگر آپ کو چیخ سننی ہے تو سندھی ادب پڑھیں اس کتاب میں تو صرف ایک کراہ ہے۔ وہ ایک اعلی درجے کے نقّاد تھے۔ ان کی خاص خوبی یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مخالف کی علمی حیثیت سے انکار نہیں کیا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے میں اس نکتہ نظر کا بہت مخالف ہوں مگر اس نکتہ نظر میں موجود علم کی حیثیت سے انکار کرنا منافقت والا عمل ہوگا۔ وہ علم دوست اور انقلاب دوست شخص تھے۔

انہیں پوری دنیا اور پورے ملک کے مظلوموں سے ہمدردی تھی مگر اپنے ہم زباں مظلوموں کے ساتھ ان کی بہت محبت تھی۔ اس کی ایک وجہ ان کی سندھ کی ثقافت سے جذباتی وابستگی بھی تھی۔ انہوں نے اپنی مشکل زندگی میں بہت سارے کارنامے سرانجام دیے۔ ان کا ایک کارنامہ یہ تھا کہ وہ سندھ میں سارے امیر اور طاقتور لوگوں کی مخالفت کے باوجود انہوں نے اپنے قدم کامیابی کے ساتھ جمائے۔ ان کا دوسرا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے سندھ کے غریب کسانوں کی سیاسی تعلیم کی اور اس کی وجہ سے سندھ کے ان دیہاتوں میں جہاں بجلی کی سہولت نہیں تھی وہاں ان کی پارٹی کے لوگ سیاسی اسٹڈی سرکل چلاتے تھے۔ ان کا تیسرا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے آخری دم تک اپنی سیاست کے ساتھ کتاب اور قلم کا رشتہ جوڑے رکھا۔ وہ واحد سیاستدان تھے جن کا نام آنے سے ذہن میں علم ادب کتاب اور سیاسی شعور کے تصّورات ابھر کر آتے تھے۔

ان کا پانچواں اور بہت بڑا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے سیاست میں سندھ کی عورتوں کی شمولیت کو نہ صرف یقینی بنایا بلکہ ان کو وہ اعتماد بھی دیا کہ وہ اسٹیج پر آئیں اور بے خوفی سے اپنا نکتہ نظر پیش کریں۔ عورتوں کی اتنی بڑی تنظیم سندھ میں تو کیا کسی نے پاکستان میں بھی نہیں بنائی۔ ان عورتوں کی اکثریت غریب طبقات سے تھی۔ وہ اپنی تمام تر جدوجہد اور قربانیوں کے باوجود وہ منزل حاصل نہیں کر پائے جس منزل کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ منزل کا حصول بڑی چیز نہیں ہوتی بلکہ منزل کے لیے مسلسل چلنا بڑی بات ہے۔ اس سلسلے میں وہ شاہ لطیف کے اشعار بھی بیان کرتے تھے۔ وہ منطق کے ماہر تھے اور ان کو بولنے کا فن بخوبی آتا تھا۔ (بشکریہ روزنامہ 92نیوز)

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو کی واپسی

خالد پرویز

رسول بخش پلیجو کی شخصیت پر لکھنا میرے لیے تو کیا کسی کے لئے بھی کافی مشکل ہے۔ وہ پاکستان کی تاریخ کی سحر انگیز شخصیت ہیں جس کی زندگی مسلسل جدوجہد میں گزری۔

پلیجو صاحب اپنی ذات میں اہل قلم، مورخ، فلسفی اور استاد ہیں۔ انہوں نے جمہوریت، سوشلزم اور کمیونزم کے فروغ کے لئے ساری زندگی گزاری۔ علمی، فکری، انقلابی شخصیت ہونے کے حوالے سے ان کی زندگی مسلسل جدوجہد میں گزری۔

وہ ایک ایسی غیر معمولی شخصیت ہیں جن کی وجہ سے سندھ میں اب بھی بائیں بازو کی تحریک مضبوط ہے۔ عوامی تحریک کی وجہ سے ہزاروں کسان، مزدور، عورتیں، بچے اپنے حقوق اور مسائل کے حوالے سے باشعور ہیں۔ انہیں پختہ یقین ہے کہ اس طبقاتی معاشرے میں صرف برابری کی بنیاد پر آنے والی تبدیلی اور انقلاب ہی مظلوموں کے لئے نجات دہندہ ہے۔

حالیہ کچھ دنوں میں رسول بخش پلیجو اپنے بیٹے ایاز لطیف کو سیاسی طور پر عاق کرنے کی وجہ سے میڈیا اور اخباروں کی شہ سرخیوں میں نمایاں رہے۔ نام نہاد دانشوروں اور کالم نویسوں کی طرف سے رسول بخش پلیجو کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔

انقلاب کی تاریخ گواہ ہے کہ اس میں ایسے متضاد اور بے رحم فیصلے ہوتے رہے ہیں۔ اسٹالن کا اپنی پارٹی میں اپنی بیٹی سے اختلاف رکھنا۔ ماوزے تنگ کا لانگ مارچ کے دوران قریبی ساتھی جنرل گیاپ سے اختلاف، پھر جنرل گیاپ کی لانگ مارچ سے علیحدگی اور پچاس ہزار فوج کو واپس لے جانے کے بعد بھی ماؤزے تنگ کا مارچ جاری رکھنے کا اعلان۔

انقلاب کے بعد ثقافتی انقلاب کے دوران ماؤزے تنگ کا اپنے ہی پارٹی ہیڈ کوارٹرز پر حملے

Gul Hayat Institute

کروانا کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہاں سے پارٹی کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں۔ لینن کا پارٹی الیکشن میں ہار جانا اور یہ کہہ کر استعفیٰ دے دینا کہ پارٹی جن خطوط پر چل رہی ہے، آگے چل کر کسی بڑے حادثے کا شکار ہو سکتی ہے۔ اس لئے وہ متوقع حادثاتی صورت میں اس کی ذمہ داری سے علیحدگی کو بہتر سمجھتے ہیں۔ لینن کا ری الیکشن میں ایک ووٹ سے جیتنا۔

پلیجو صاحب کا حالیہ فیصلہ عام لوگوں کے لیے تو حیرت انگیز ہے مگر جو لوگ انقلاب کی تاریخ سے باخبر ہیں، ان کی نظر میں موجودہ صورتحال میں بھی رسول بخش پلیجو کا یہ فیصلہ ایک تاریخی اقدام ہے۔

انہوں نے سیاسی پنڈتوں پر ثابت کر دیا ہے کہ ان کی عزیز ترین پارٹی کے وارث کسان، مزدور، بچے، بوڑھے، خواتین اور مظلوم عوام ہیں۔ ان مظلوموں کی پارٹی کو بہتر طور پر چلانے کے لیے انہوں نے بڑی بے رحمی سے اپنے بیٹے ایاز لطیف کو سیاسی طور پر عاق کر دیا ہے۔

رسول بخش پلیجو نے پاکستان میں موروثی سیاست ختم کرنے کی ایک شاندار مثال بھی قائم کر دی ہے۔ اس حوالے سے، پلیجو صاحب کا نقطہ نظر کچھ یوں ہے۔ ''ایاز لطیف پارٹی کو روایتی سیاست کی طرف دھکیل رہے تھے اور پارٹی کو چار دہائیوں سے جدوجہد کرنے والے مظلوم طبقات سے دور کر دیا تھا۔ ایاز لطیف کی منزل انقلاب نہیں، اقتدار رہ گئی تھی۔

رسول بخش پلیجو نے مزید کہا کہ: ''ہم انقلابی لوگ ہیں۔ ہماری منزل تو اقتدار ہے ہی نہیں۔ ہماری منزل انقلاب ہی ہے۔ ہم لوگ پرولتاریہ ہیں۔ ہم ناانصافی پر قائم اس نظام کو انقلاب میں بدل کر برابری کا نظام قائم کرنا چاہتے ہیں''۔

انہوں نے کہا کہ ''پارٹی کا ایک شاندار ماضی ہے جہاں چالیس سال تک لوگوں کی پارٹی کے ساتھ وابستگی رہی ہے۔ ان انقلابی اور نظریاتی کارکنان کو نظر انداز کیا گیا اور پارٹی کے اندر مفاد پرست سازشی لوگوں کے لئے راستے کھول دیئے گئے۔ تب میرے اوپر قومی فریضہ تھا کہ میں پارٹی کو ان کے اصلی ورثا غریبوں، کسانوں، مزدوروں، مظلوموں کو واپس کر دوں جنہوں نے جیلیں کاٹیں، کوڑے کھائے، جدوجہد کی اور سختیاں جھیلیں''۔

رسول بخش پلیجو کہتے ہیں کہ: ''اقتدار کی طرف بڑھتے ہوئے قدم اور روایتی سیاست کرنے والی پارٹی کو میں کیسے یہ اجازت دوں کہ ان لاکھوں، ہزاروں محنت کشوں کی محنت کا پھل کھائے۔ میں انہیں ایاز کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ انقلاب نہیں اقتدار کے خواب دیکھ رہا ہے''۔

انہوں نے کہا کہ میں ان سب مظلوموں کو سلام پیش کرتا ہوں جو اپنے نظریے پر ثابت قدم رہے اور ان کو مبارک باد دیتا ہوں کہ ان کی پارٹی انہیں واپس مل گئی ہے جس کے اصل وارث کارکن ہیں اور آپ سے میں یہ بھی کہتا ہوں کہ جو بھی فرد انقلابی نظریے سے لیس ہے اور اس پر یقین رکھتا ہے وہی عوامی تحریک کا مالک ہے۔

انہوں نے پارٹی کارکنان کو کہا کہ: ''تم سب پارٹی کی طرف سے اپنی ذمہ داریاں پوری ایمانداری سے نبھاؤ۔ عوامی تحریک مختلف ادوار میں مشکل حالات بلکہ حالیہ حالات سے بھی مشکل بحرانوں سے گزری ہے مگر آپ کی ذہنی پختگی اور انقلابی سوچ نے جماعت کو ہر صورتحال سے نکالا اور پہلے سے زیادہ مؤثر بنایا۔''

رسول بخش پلیجو نے کہا کہ: ''پارٹی قومی اور انقلابی کردار فعال طریقے سے ادا کرتی رہی ہے کیونکہ ہم لوگ مظلوم عوام کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں اور ہماری جڑیں معاشرے کے پسے ہوئے طبقات کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔ پلیجو صاحب نے کہا کہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آنے والے وقت میں عوامی تحریک سندھ اور پاکستان میں فیصلہ کن کردار ادا کرے گی''۔

(بشکریہ اردو دنیا)

Gul Hayat Institute

بولتا شخص

محمد خان

وہ اس لیے مقبول تھا کہ وہ بولتا تھا۔ اور وہ کسی زد میں بھی اس لیے ہی رہتا تھا کہ وہ بولنا جانتا تھا۔ وہ با مقصد بولتا تھا۔ وہ عقل سے بولتا تھا۔ وہ دل سے محسوس کر کے روح سے بولتا تھا۔ اور یہ اس کا بولنا ہی تھا جو اسے جنگشاہی سے وہاں لے آیا جہاں پہنچنے کے لیے عمریں درکار ہوتی ہیں۔ پر وہ اتنی چھوٹی عمر میں وہ حدیں بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ وہ بولتا تھا۔ بولتا تھا۔ اور بس بولتا ہی چلا جاتا تھا۔

لیکن ایسا بھی نہیں تھا کہ بس وہ فضول گو تھا۔ نہیں ایسا نہیں تھا۔ وہ جب بولتا تھا تو اس کے سامنے سیاست۔ ادب۔ فلسفہ ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے۔ اور وہ ان میں سے اپنی بات کو وزن دینے کے لیے الفاظ چنتا رہتا تھا۔ اور سامعین دل سنبھالے اس کی بات سنتے رہتے تھے۔

سندھ کا بہت بڑا شاعر ایاز تو اس کا لنگوٹیا تھا۔ ایاز اور پلیجو کا کیا تقابلی جائزہ۔ پلیجو تو ہمیشہ یہی کہتا رہتا تھا کہ ایاز کی شاعری میں بہت سی کمزوریاں ہیں۔ اور وہ کہہ بھی سکتا تھا۔ کیوں کہ ایاز کی سب شاعری پلیجو کے دور کی ہی ہے۔ لیکن پلیجو کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بھٹائی بھی پلیجو ہی کے دور کا انسان ہے۔ سندھ کا کوئی بھی اہلِ علم بھٹائی پر تنقید نہیں کرتا۔ پر رسول بخش پلیجو بھٹائی پر بھی کھلم کھلا تنقید کرتا۔ وہ پلیجو ہی تھا جس نے لطیف کو سندھ کے عام آدمیوں تک پہنچایا۔ پلیجو نے بھٹائی کو وہاں تک پہنچایا جہاں بھٹائی کے مزار کے گدی نشین بھی بھٹائی کو نہیں پہنچا پائے۔

وہ سندھ کے اور پاکستان کی عوام کی آواز بن کر گونجتا رہا۔ وہ ہاریوں کے لیے بولا۔ وہ عورتوں کی آزادی اور ان کے حقوق کے لیے بولتا رہا۔ وہ میوزک کے لیے بولتا رہا۔ وہ لوگوں کی سیاسی تربیت کرتا رہا۔ وہ جمہوریت کے لیے بولتا رہا۔ وہ جمہوری اداروں کے لیے بولتا رہا۔ وہ کتابوں کی آزادی کے لیے بولتا رہا۔ وہ سیاست میں بد معاشی پر بولتا رہا۔ وہ انسانی حقوق کے لیے بولتا رہا۔ وہ تقریریں کرتا

رہا۔ وہ کتابیں لکھتا رہا۔ جب ایم کیو ایم کا طوطی بہت بولتا تھا۔ تو وہ پلیجو ہی تھا جس نے سب سے پہلے ایم کیو ایم کو فاشسٹ اور دہشت گرد تنظیم کہا تھا۔ وہ لوگوں کو جمع کرتا۔ پلیجو نے ایشیا کی سب سے بڑی عورتوں کی تنظیم تشکیل دی۔ وہ تنظیم بہت آگے گئی۔ اور وہ بولتا رہا۔ وہ جمہوریت کی بحالی۔ ہاریوں کے حقوق۔ سندھ کی خود مختاری کیلئے اور کالا باغ ڈیم کے خلاف بولا۔

(بشکریہ فیس بک)

رسول بخش پلیجو بہت پڑھے لکھے جمہوریت پسند انسان تھے

ملک منیر احمد (پیرس)

جمہوریت کی جد وجہد میں انہوں نے قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ ضیاء الحق کی آمریت میں ایم آر ڈی کی تحریک میں فعال کردار ادا کیا۔ سندھ میں خواتین کو سیاسی حقوق دلانے اور سیاست میں لانے کے لئے بے انتہا کوششیں کیں۔ درجنوں کتابوں کے مصنف تھے، دبنگ لہجے اور دلیل کے ساتھ بات کرنے والے سیاستدان کا سیاستدانوں کی اس قبیل سے تعلق تھا جمہوریت جن کا اوڑھنا بچھونا ہوتا ہے۔

جب بھی کوئی مؤقف اختیار کیا اس پر ڈٹ گئے۔ خوف نامی کوئی چیز انہیں چھو کر نہ گذری تھی۔ 80ء کی دہائی میں پیرس تشریف لائے تو ان سے ملاقات رہی، مختصر سی ملاقات میں بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ شاید جمہوریت سے جو تھوڑی بہت محبت ہے وہ ان جیسے لوگوں کی مرہونِ منت ہے۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

(بشکریہ فیس بک)

Gul Hayat Institute

مٹی کا قرض چکانے والا
دھرتی کے دامن میں جا سویا...

شبیر سومرو

رسول بخش پلیجو سندھ کے ان سپوتوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے دیس کے لئے اپنے حصے کی شمع جلانے کی خاطر عمر بھر جدوجہد کی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی کارناموں سے عبارت ہے۔ 7 جون کو وہ ہم سے جدا ہوگئے۔ آخری عمر تک متحرک رہنے والے پلیجو صاحب کی زندگی پر نظر ڈالیں تو ان کے رخصت ہونے پر بے ساختہ جگر کا یہ شعر یاد آتا ہے۔

جان و جی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری جاتی رہی۔

ان کی سالگرہ کے موقعے پر ان سے ایک ملاقات ہوئی۔ آج ان کی یاد میں اسی انٹرویو میں سے کچھ حصے یہاں بیان کیے جارہے ہیں۔

Gul Hayat Institute

کہاں سے شروع ہوتی ہے۔۔۔

طویل عمر کے باوجود رسول بخش پلیجو آخری عمر تک اپنے Cause کے لیئے جوانوں کی طرح سرگرم رہے۔ ان کی جیون کہانی انہی کی زبانی سنتے ہیں ”میری پیدائش ایک چھوٹے سے گاؤں ”نئی وات“ میں ہوئی تھی جو ضلع ٹھٹہ کے ریلوے اسٹیشن جنگ شاہی کے جنوب میں ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے اور ہالیجی جھیل کے شمال میں ہے۔ میں 20 جنوری 1930ء کو پیدا ہوا اور سندھ کے ایک چھوٹے سے قبیلے ”پلیجو“ کا فرد ہوں۔ پلیجو دراصل سماٹ قبائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم بہت غریب لوگ ہیں اور ہماری برادری کے افراد کی تعداد بھی کچھ زیادہ نہیں ہے۔ وہ لوگ سندھ

میں پھیلے ہوئے میں اور زیادہ تر لاڑکانہ ضلع میں آباد ہیں لیکن وہاں بھی ان کی تعداد اتنی زیادہ نہیں ہے۔ ہمارے پاس بہت سارے لوگوں کی طرح کچھ اراضی تھی۔ ہمارے قبیلے کے لوگ مال مویشی پالنے والے رہے ہیں جو کہ گائے، بھینسیں پال کر اپنی گزر اوقات کرتے تھے۔ وہ جنگ شاہی اسٹیشن کے قریب رہتے تھے، اس لئے اسٹیشن جاکر دودھ بھی فروخت کرتے تھے۔ 1930ء میں غلام محمد بیراج بننے کے بعد دریائے سندھ سے پہلے جو پانی ہماری زمینوں کے لئے آتا تھا۔ وہ رک گیا۔ یعنی پانی کینالوں میں جانا شروع ہو گیا۔ اس طرح ہمارے ہاں پانی کی قلت پیدا ہو گئی اور ہماری زمینیں بنجر و برباد ہو گئیں اور زمینوں سے ہمارا رشتہ تقریباً کٹ گیا۔ یوں ہمارے قبیلے کے لوگ زمینوں پر انحصار کرنا چھوڑ کر، گائے بھینس کا دودھ فروخت کرتے اور مویشی پالنے لگے۔ یا پھر وہ چھوٹی چھوٹی ملازمتوں سے وابستہ ہو گئے۔ کئی لوگ پاکستان ریلوے میں قلی وغیرہ بن گئے۔ باقی جو مویشی پالتے تھے، ان کے لئے چارہ بازار سے خریدتے تھے تو اس طرح وہ ''پروڈیوسر'' یعنی بہت نچلی لیول کے کاروباری لوگ بن گئے۔''

پہلی بغاوت

''مجھے زندگی میں جو سب سے بڑا دکھ ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں عورت کے ساتھ ناانصافی ہوتی تھی اور اب بھی ہوتی آرہی ہے۔ کھلے عام خواتین کو تشدّد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر میری والدہ گھر میں میرے سامنے کھڑی ہوتی تھیں اور میرا چچا ڈنڈا اٹھا کر ان کی پٹائی کر رہا ہوتا تھا، ایسے ہی ایک واقعے کے دوران میں نے ایک پتھر اٹھایا اور پیچھے سے چچا کو دے مارا۔ اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا اور مجھ سے پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ میں نے کہا: ''تمہیں مار رہا ہوں اس نے کہا کیوں؟ میں نے کہا: تم جو میری ماں کو مار رہے ہو۔ جب بھی کوئی میری ماں کو مارے گا۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ یہ میری زندگی کی پہلی بغاوت تھی جو میں نے خواتین کے حقوق کے تحفظ کے لئے کی تھی۔ اس کے بعد پوری زندگی میں خواتین کے حقوق کا حامی رہا اور اب بھی ہوں۔''

نوکری نہیں ملی...

''میں خود بھی بچپن سے تعلیم کے بہت خلاف تھا۔ میرے دادا مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ انہوں نے جب مجھے مسجد اسکول میں داخل کروایا تو میں نے کہا: میں تو پڑھنا نہیں چاہتا۔ میں چھوٹے چھوٹے بچھڑے جنگل میں چرانے کی خواہش رکھتا تھا کیونکہ میں دیکھتا تھا چرواہے جنگل

میں جانوروں کے ساتھ گھوم پھر رہے ہوتے تھے یعنی مزے کر رہے ہوتے تھے اور ہم مسجد میں قید بیٹھے ہوتے تھے۔ مولوی صاحب ڈنڈا لے کر بیٹھتے تھے، اس لئے میں نے کہا کہ میں نہیں پڑھوں گا تو میرے دادا کہنے لگے کہ تمہیں پٹواری کی ملازمت دلوادیں گے۔ تم کچھ دن پڑھو تو دس پندرہ دن بعد تمہیں پٹواری بنوادیں گے۔ چونکہ میرا باپ بھی پٹواری تھا۔ اس لئے مجھے پٹواری بننا اچھا لگتا تھا۔ بہرحال کچھ دن پڑھنے کے بعد جب مجھے نوکری نہیں ملی تو میں گھر میں بیٹھ گیا اور اسکول جانے سے انکار کر دیا۔ میں نے کہا کہ میں پڑھنے نہیں جاؤں گا۔ اس پر مجھے یاد ہے کہ میرے دادا مجھے گھوڑے پر بٹھا کر ٹھٹہ لے گئے۔ ہمارے گھر سے ٹھٹہ کا فاصلہ تقریباً تیرہ کلومیٹر تھا، ان دنوں بسیں وغیرہ نہیں تھیں۔ وہاں لے جا کر انہوں نے اپنے دوست تحصیل دار سے شکایت کی کہ میرا پوتا پندرہ روز متواتر پڑھتا رہا ہے اور اس نے پٹواری کی ملازمت کے لئے درخواست جمع کروائی تھی لیکن ابھی تک اس کو پٹواری کی ملازمت کا آرڈر نہیں دیا گیا ہے۔ اس پر تحصیل دار نے معذرت کی: ''بھئی ہمارے کاغذات ادھر ادھر ہو گئے ہیں۔ اس لئے تم تھوڑے دن مزید پڑھو، پھر تمہاری ملازمت کا آرڈر آجائے گا۔ تو اس طرح ہم پڑھتے رہے مگر آرڈر نہیں آیا۔ پھر میرے والد صاحب کا ٹرانسفر ہو گیا۔''

یہ لڑکا لیڈر بنے گا...

''ہماری پڑھائی جاری تھی کہ ایک مرتبہ امتحان ہوا۔ ایک بندہ ہمارے اسکول کا صاحب (سپروائزر) بن کر آیا تھا، ان دنوں سرکاری صاحبان زیادہ تر ہندو ہی ہوتے تھے۔ اس نے مجھ سے سوالات پوچھے جن کے میں نے جوابات دیئے۔ ہمارے ہیڈ ماسٹر محمد شاہ صاحب تھے جو چیف جسٹس سجاد علی شاہ کے رشتہ دار تھے۔ ان دنوں قیامِ پاکستان یا تقسیمِ بھارت کی سیاست عروج پر تھی، اس لئے محمد شاہ صاحب نے جذبہ مسلمانی میں مجھے اپنے کاندھوں پر بٹھایا اور سب کلاسوں میں لے گئے اور کہا کہ دیکھنا ایک دن یہ لڑکا لیڈر بنے گا۔ میرے والد صاحب بھی جب خوش ہوتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ آئی سی ایس افسر بنے گا جبکہ میرے دادا کا کہنا تھا کہ مولوی بنے گا اور یہی بات میری پھوپھیاں بھی کہتی تھیں۔ اس وقت گاؤں میں مولوی کا رتبہ سب سے بڑا ہوتا تھا۔ وہ کسی کو بھی برادری یا گاؤں سے نکال باہر کرنے کا حق رکھتا تھا اور کیا شرعی ہے کیا غیر شرعی ہے؟ یہ سب معلومات صرف مولوی کے پاس ہوتی تھیں۔ اس لئے مولوی کو اتنا رتبہ دیا جاتا تھا۔ میرے والد

پٹواری تھے، اس لئے پٹواری کے لئے آئی سی ایس افسر بہت بڑی بات ہوتی تھی۔ وہ مجھے کہتے تھے کہ آئی سی ایس پاس کرو۔ اسی طرح لیڈر والی بات بھی آگئی تھی۔''

انگریزی سب کچھ۔۔۔

''کچھ عرصے بعد میں تعلیم کے سلسلے میں ٹھٹہ چلا گیا۔ وہاں انگریزی کا بڑا زور تھا۔ ایک ہندو ٹیچر تھے۔ جو انگریزی کے املا (اسپیلنگ) کی غلطی برداشت نہیں کرتے تھے۔ میں لفظ (Pray) کو درست نہیں پڑھتا تھا، یعنی جلدی میں (PRY) کہتا تھا تو وہ مجھے کلاس سے باہر نکال دیتے تھے۔ سُرلا نام کی ایک لڑکی ہماری کلاس فیلو تھی۔ وہ ٹیچر سرلا کی بھی ڈنڈے سے پٹائی کیا کرتے تھے، وہ بچاری چلاتی رہتی تھی لیکن استاد اس کے ساتھ بھی کوئی رعایت نہیں برتتے تھے۔ جس طرح لڑکوں کی پٹائی ہوتی۔ اسی طرح لڑکیوں کی بھی پٹائی کرتے تھے۔ مجھے یہ بہت برا لگتا تھا کیونکہ سُرلا مجھے اچھی لگتی تھی۔ میں بعد میں اسی اسکول میں ٹیچر بن گیا۔ اس وقت وہاں کے ہیڈ ماسٹر مشہور ادیب و دانشور محمد ابراہیم جویو صاحب تھے، یہ 1948ء کی بات ہے، وہاں ایک ٹیچر مسٹر وڈا بھی تھے جو میری باتوں پر بہت خفا ہوتے تھے۔ وہ مجھے کہتے " I Don't Agree With You'' مگر میں تمہارا احترام اس لئے کرتا ہوں کہ تمہارا گرامر درست ہے۔ جیسے قرآن پاک کی ایک آیت کا ترجمہ ہے کہ ''میرا اٹھنا، نماز پڑھنا، صرف اللہ کے لئے ہے۔'' اسی طرح وہاں معاملہ یہ تھا کہ سب کچھ انگریزی زبان کے لئے تھا۔ آدمی کی اوقات اور سب باتیں اس پر منحصر تھیں کہ وہ انگریزی کتنی جانتا ہے، تو ہم دوسری اور تیسری جماعت میں انگریزی بولتے تھے۔ چاہے وہ جیسے بھی ہو۔ ٹوٹی پھوٹی انگریزی تھی لیکن ہماری ہر بات انگریزی میں ہوتی تھی۔''

Gul Hayat Institute

پہلا احتجاج۔۔۔

''انہی دونوں کا ایک واقعہ میں آپ کو سناتا ہوں جتنا بھی مجھے یاد ہے، ہم اسکول لگتے ہی دعا کے لئے کھڑے تھے۔ ایک ہندو لڑکا قطار سے باہر نکل آیا اور کہنے لگا ''بھائیو ہمارا ساتھی طالب علم ہیموں کالانی جو سکھر جیل میں ہے۔ اس کو پھانسی کی سزا دی گئی ہے، ہم مظاہرہ کر رہے ہیں۔ جلوس نکال رہے ہیں تم سب آجاؤ۔ مسلمان طلباء نے مظاہرہ کرنے سے انکار کر دیا کہ ہم نہیں کرتے کیونکہ ہیمو کالانی تو ہندو ہے اور ہم مسلمان ہیں، ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن میں سب مسلمانوں کو چھوڑ کر ان ہندوؤں کے ساتھ سکھر گیا، ہم نے جلوس نکالا لیکن میں جلوس کے ساتھ

ساتھ جانے کے بجائے ان کے پیچھے پیچھے رہتا کہ مجھ پر مسلمان جاننے والے طعنے بازی نہ کریں کہ تم ہندوؤں کا ساتھ دے رہے ہو۔"

رسول بخش کو فوجی لے گئے۔۔۔

"ہم سب طلبہ پڑھائی کے دوران ہالیجی کے قریب پانی کے جوہڑ میں نہانے کے لئے جاتے تھے اور وہاں شرارتیں کرتے تھے۔ ایک دوسرے کے منہ پر جوہڑ کی کالی مٹی لگاتے تھے۔ ایک مرتبہ ہم نے دیکھا کہ دور سے، برٹش فوجی آرہے تھے۔ اس زمانے میں جنگ چل رہی تھی، انگریزی تو ہمیں بولنی ہی بولنی تھی تو انکے قریب آنے پر میں نے پوچھا: What is your name? What is your father's name ہم نے چونکہ انگریزی کی پریکٹس کرنی تھی، تو بولتے رہے۔ فوجی قریب آئے اور مجھے دیکھ کر حیران ہوئے کہ بھئی دیہات کا لڑکا انگریزی کیسے بول رہا ہے۔ وہ مجھے ساتھ والے گاؤں لے گئے اور چائے پلائی۔ یہ خبر پورے گاؤں میں پھیل گئی کہ رسول بخش کو فوجی اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ میں جب واپس اپنے گاؤں گیا تو دیکھا کہ سارا گاؤں میرے استقبال کے لئے کھڑا ہے۔ ان فوجیوں نے مجھے کہا کہ تم ہمارے ساتھ کراچی چلو، ہم تمہیں وہاں پڑھاتے ہیں لیکن میرے والدین نے مجھے نہیں چھوڑا، اور وہ فوجی چلے گئے۔"

عمر بن محمد داؤد پوتا سے ملاقات۔۔۔

پھر ایک دن میری ماں نے مجھے کہا کہ تم یہ چوریاں وغیرہ کرتے ہو۔ ابھی اسکالر شپ کا امتحان دیا ہے تم نے اور اس میں بھی فیل ہو گئے ہو۔ تمہارا باپ آئے گا تو تیری خوب پٹائی کرے گا۔ اس لئے تم یہ دس روپے لو اور سندھ مدرسہ میں جا کر پڑھو۔ تو میں دس روپے لے کر اپنے دوست حامد کو ساتھ لے کر کراچی آگیا۔ کراچی میں، میں نے شمس العلماء ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ کا نام سن رکھا تھا تو لوگوں سے پوچھتے پوچھتے ان کے گھر جا پہنچا۔ ان کو میں نے ساری صورتحال بتائی اور ان سے جھوٹ بولا: "سائیں! میں بیمار تھا اس لئے اسکالر شپ میں فیل ہو گیا ہوں۔" حالاں کہ میں اس وقت عادی چور تھا اور چوریاں کرتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ بتاؤ۔ میں کیا کر سکتا ہوں؟ میں نے بتایا کہ مجھے اسکالر شپ دلادیں اور سندھ مدرسہ میں داخلہ بھی دلوائیں۔ انہوں نے کہا کہ پڑھائی میں تم ہوشیار ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ تم باہر چل کر بیٹھو تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ آئے اور انہوں نے میرا امتحان لیا تو وہ مطمئن ہو گئے۔ کیونکہ میں ہر وقت غیر نصابی تحریریں پڑھتا

Gul Hayat Institute

رہتا تھا۔ کبھی جاسوسوں کی کتابیں اور کبھی کچھ کبھی کچھ۔ اس لئے کتابیں پڑھنے کی عادت پختہ تھی۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے تمہیں اسکالرشپ دلاتا ہوں۔ اس وقت ساڑھے بارہ روپے اسکالرشپ مقرر تھی جو انہوں نے مجھے دلائی اور کپڑے لینے کے لئے سات روپے مجھے مزید دیئے۔"

سب ریکارڈ توڑ دیئے۔۔۔

چوتھی جماعت کے امتحانات ہونے سے قبل میرے دوستوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم کون سی پوزیشن پر آؤ گے؟ تو میں نے کہا کہ میں پہلے نمبر پر آؤں گا۔ جب امتحان ہوا تو میں انتالیسویں نمبر پر پاس ہوا۔ دوستوں نے مجھ پر طنز و تنقید کی۔ پانچویں جماعت میں بیشتر طلبہ فارسی کے مضامین کی تعلیم حاصل کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ لیکن میں نے عربی کے مضامین کا انتخاب کیا۔ کیونکہ مشکل پسندی میری عادت تھی۔ جو کام دوسروں کو مشکل لگتا تھا، میں اسے کرتا تھا۔ جبکہ اس وقت طلبہ کو یہ اختیار تھا کہ وہ انگریزی یا عربی میں پرچہ دے سکتے ہیں تو میں نے انگریزی میں امتحان دیا اور میں نے پانچویں جماعت میں سندھ مدرسے کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے اور بطور اعزاز مجھے اساتذہ کے کمرے میں بٹھایا گیا۔"

'مائی ہوم'۔۔۔

اس دن میرا مضمون تھا My Home جو میں نے امتحان میں لکھا تھا۔ وہ میں نے انگریزی میں پڑھ کر سنایا کہ ہمارے گھر ایسے کیوں نہیں ہیں؟ لیکن میں نے اس مضمون میں یہ شامل کیا کہ ہمارے گھر ایسے اس لئے نہیں ہیں کہ ہم غریب اور ان پڑھ ہیں۔ میں نے انگریزوں کے گھروں کے متعلق بھی بیان کیا۔ بہرحال وہاں موجود تمام اساتذہ نے کہا دیکھو اس لڑکے کو اس کا ویژن کتنا زبردست ہے! تو انہوں نے مجھے ترقی دے کر سندھ مدرسے کی لائبریری کا لائبریرین مقرر کیا اور اس طرح میری آمدنی 2 فیصد بڑھ گئی۔ کیونکہ گھر سے خرچ کے لئے پانچ روپے ماہانہ ملتے تھے اور اب پانچ روپے یہاں سے بھی ملنے لگے۔ اس طرح میرا دوسرا اہم مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ جو یہ تھا کہ مجھے کتابیں پڑھنے کی عادت تھی۔ لائبریری میں آکر میں بہت خوش تھا کیونکہ سب کتابیں میری دسترس میں آگئی تھیں۔ میں جو محمد بن قاسم کے حوالے سے پہلے پڑھتا تھا اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ خالد بن ولید سے متعلق سب اہم کتابیں وہاں موجود تھیں۔ وہ سب پڑھیں۔ اس کے علاوہ سلیمان ندوی کی کتابیں اور ناول بھی وہاں رکھے ہوئے تھے۔

Gul Hayat Institute

ترقی پسندوں سے تعارف

محمد ابراہیم جویو صاحب ٹیچر بن کر آئے تو انہوں نے انگریزی پڑھانا شروع کی اور وہ جس طرح انگریزی شعر پڑھتے تھے تو میں ان کا عاشق ہو گیا۔ وہ بہت محنت کرتے تھے مگر حکومت ان کے خلاف ہوگئی۔ انہیں ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ ہم نے ان کی برطرفی کے خلاف ہڑتال کی۔ انہوں نے ہمیں ترقی پسندی کی باتیں بتائی تھیں۔ ہیومن رائٹس سوسائٹی کے ایک پیروکار صلاح الدین تھے۔ جنہوں نے ہمیں نئے خیالات دیئے۔ ان سے میری اکثر ملاقاتیں رہتی تھیں۔ ایک دفعہ انہوں نے مجھ سے مذہب اور سوشلزم پر بحث چھیڑی، جس کی وجہ سے میں نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ اسلام وسیع تر معنوں میں کیا ہے؟ پھر جہاد کے موضوع پر مودودی صاحب کی کتاب کا مطالعہ کیا۔“

ایک روز میں جنگ شاہی میں بیٹھا تھا تو فوجی میس کا کیپٹن جو اردو اسپیکنگ تھا کسی کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔ میں اس سے پاکستان کی بحث میں الجھ گیا۔ وہاں ایک لڑکا اور بھی بیٹھا تھا جس نے کیپٹن سے کہا آپ جو کہہ رہے ہیں۔ وہ درست نہیں ہے، جس پر کیپٹن نے لڑکے سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اس لڑکے نے بتایا کہ میں حیدر آباد دکن کا رہنے والا ہوں، وہ دونوں آپس میں تلخ کلامی کرنے لگے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ آدمی کام کی باتیں کر رہا ہے، خیر وہ کیپٹن صاحب چلے گئے۔ میں اور وہ لڑکا آپس میں محو گفتگو ہو گئے۔ پھر ہم دوست ہو گئے۔ اس شخص نے مجھے ترقی پسند تحریک اور شاعری سے واقف کرایا۔ یہ نبی احمد تھے۔ ہم برسوں دوستوں سے نہیں ملتے لیکن کچھ لوگوں سے دوستی ایسی ہوتی ہے کہ وہ جب کبھی بھی ملتے دوست ہی رہتے ہیں۔ اس شخص نے مجھے متعارف کرایا کہ ترقی پسند تحریک دوسری ہوتی ہے۔ یہ لوگ جو صرف نعرے لگا رہے ہیں ان کو کیا پتہ؟۔ پھر میں نے پڑھنا چھوڑ دیا اور شاعری پر توجہ دی۔ اس نے مخدوم محی الدین اور سردار جعفری کی نظمیں سنائیں، ہمارے سامنے ایک ہوٹل تھا۔ وہاں انجمن ترقی پسند پارٹی کی میٹنگز ہوتی تھیں تو میں کبھی کبھار ان کے اجلاس میں شرکت بھی کیا کرتا تھا۔ ایک بار وہاں فیض صاحب بھی آئے تھے۔ میں ان سے ملاقات میں شریک تھا“۔

ملازمت کا آغاز۔۔۔

”میں سندھ مدرسے میں میٹرک کے دوران عربی میں پہلے نمبر پر آیا تھا۔ میٹرک کے نتائج

Gul Hayat Institute

کا اعلان ہونے سے قبل ہی ملازمت ڈھونڈھ لی، میں نے انڈسٹریز ڈیپارٹمنٹ میں کلرک کی ملازمت اختیار کرلی تھی۔ ایک روز کمپنی کے ڈائریکٹر سیٹھی جو پارسی تھے۔ انہوں نے مجھے بلایا اور کہا کہ دیکھو یہ کیا ہے؟ میں نے لفافے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا کہ یہ لیٹر ہے۔ پھر پوچھا کہ کس کے نام ہے؟ میں کہا کہ ڈائریکٹر آف انڈسٹریز سندھ کراچی کے نام پر ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ آنکھیں کھول کر دیکھو کہ اس لیٹر پر بمبئی کا پتہ تھا۔ یہ لیٹر بھارت جانا تھااور تم نے یہ مجھے ہی بھیج دیا ہے۔انہوں نے کہا کہ لیٹر پڑھو۔ لفافہ کھول کر دیکھا تو پھرانہوں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ Corrections ہیں۔ پوچھا کہ یہ کس نے کی ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ یہ میں نے کی ہیں۔ پوچھنے لگے کہ کیوں کی ہیں؟ میں نے کہا کہ سائیں گرامر غلط ہے۔ تو فوراً بولے: اچھا! اب تم میری گرامر درست کروگے؟ میں نے کہا: ہاں سائیں! تو کہنے لگا: تو اچھا سارے ٹیچرز کی گرامر درست کرتے رہتے ہو؟انہوں نے کہا کہ میں تمہیں ابھی ابھی نوکری سے نکال رہا ہوں Just go home یعنی مجھے نوکری سے برطرف کردیا گیا۔ ابھی میٹرک کا رزلٹ آیا ہی نہیں تھا کہ نوکری لگی بھی اور چھوٹ بھی گئی۔ پھر جب نتائج کا اعلان ہو۔ اور مجھے کامیابی نصیب ہوئی تو میں نے ریئل ایلو کیشن ڈیپارٹمنٹ میں آؤٹ ڈور کلرک کی نوکری اختیار کی تھی، جو سب سے کم تر پوسٹ تصّور کی جاتی تھی۔اس نوکری سے بھی نکالے گئے۔"

"اس کے بعد میں ٹھٹہ چلا آیا۔ وہاں مجھے بڑے منشی کے پاس آؤٹ ڈور کلرک کی ملازمت دی گئی۔ بڑا منشی دراصل مختیار کار سے بھی نیچے کا عہدیدار ہوتا ہے اور تھرڈ کلاس مجسٹریٹ بھی ہوتا ہے۔ وہاں ایک آدمی فریاد لے کر آیا اور بیان دیا، جس پر بڑے منشی نے کچھ لوگوں کے وارنٹ نکال دیئے۔ میں نے وہ آرڈر ڈرافٹ کیا اور بھیج دیا۔ پھر ایک ہفتے کے بعد وہ شخص روتا ہوا آیا اور سیدھا صاحب کے پاس چلا گیا۔صاحب نے مجھے بلایا کہ بھئی یہ کیا ہے؟ میں نے کہا مجھے کچھ پتہ نہیں ہے۔ تو انہوں نے بتایا کہ "یہ آدمی فریادی ہے۔ میں نے کہا تھا تم سے کہ اس معاملے کے جوابدار یعنی ملزم کے خلاف وارنٹ نکالو۔ تم نے اس فریادی کے خلاف نکال دیئے ہیں۔" اس طرح وہ ملازمت بھی گئی۔ پھر میں نے ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ میں ملازمت اختیار کی جو کہ کراچی کے سیکریٹریٹ میں تھی۔ اس دور میں دین محمد سندھ کے گورنر تھے۔ ٹیچرز کی ہڑتال چل رہی تھی جو کافی دنوں تک چلی۔ پھر حکومت نے مجبور ہو کر ان کی تنخواہوں میں اضافہ کیا تھا۔ ایک دو ماہ گزرنے کے بعد اسسٹنٹ ڈائریکٹر نے مجھے بلایا اور کہا: "اچھا تم سپرنٹنڈنٹ ہو؟ ٹیچروں والی ہڑتال سے تمہارا تعلق

ہے ؟یعنی تم نے تنخواہوں سے متعلق نوٹیفکیشن جاری کیا تھا؟'' اس وقت اسسٹنٹ سیکریٹری ریاض اللہ تھے وہ بھی آئے تھے۔انہوں نے کہا تم ڈپٹی سیکریٹری کے پاس جاؤ۔میں چلا گیا لیکن وہ اپنی سیٹ پر موجود نہیں تھے جبکہ سیکریٹری ہاشم رضا تھے۔ہم ان کے پاس گئے مگر انہوں نے کہا کہ ''ان کو گورنر کے پاس لے جاؤ'' گورنر نے کہا ''او بھائی! ہم نے تنخواہیں بڑھائیں۔تم نے گھٹادی ہیں۔ سارے سندھ میں پھر سے طوفان آگیا ہے۔تم نے چپکے سے نوٹیفکیشن میں تنخواہیں کم کردی ہیں۔یہ تمہاری لکھائی ہے نا؟'' میں نے کہا جی ہاں۔انہوں نے کہا: ''تم بھی اب گھر جاؤ''۔وہ نوکری بھی گئی۔ بہرحال کراچی سے بوریا بستر گول کرکے میں ٹھٹہ آگیا۔ جہاں میں ایک اسکول میں خود ''ماسٹر'' ہوگیا اور پڑھانے لگ گیا۔اس دوران بہت سارے ''کارنامے'' انجام دیئے، اخبارات میں کام کیا۔ روزنامہ ''نوائے سندھ'' ایوب کھوڑو صاحب کا اخبار تھا جن کے اوپر دولتانہ صاحب ہوا کرتے تھے۔میں اس میں ایک دن میں تین کالم لکھا کرتا تھا۔''

منہ سے ہاں نکل گئی۔۔۔

''میری شادی بچپن ہی میں میری کزن سے ہوئی تھی۔ہم دونوں کی آپس میں بنتی نہ تھی۔ ہم دونوں ہی جوشیلے تھے۔والدین نے یہ زبردستی شادی کرائی تھی۔میں شادی سے ایک دن پہلے جنگ شاہی سے ٹھٹہ بھاگ گیا تھا۔ مگر وہ مجھے وہاں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے واپس لے آئے اور شادی کے ماحول میں تیار کراکے بٹھادیا تھا۔بابا میرے ساتھ مجھ سے لگ کر بیٹھے تھے۔مولوی نے نکاح سے پہلے مجھ سے پوچھا: ''فلانی لڑکی فلانے کی بیٹی تمہیں بطور بیوی قبول ہے''۔۔۔میں چپکے بیٹھا رہا۔۔۔کوئی جواب نہ دیا۔پھر مولوی نے بلند آواز سے پوچھا مگر میں بولتا ہی نہیں تھا۔یہ دیکھ کر بابا نے میرے کان کو ہاتھ سے پکڑا اور اس قدر زور سے مروڑا کہ نہ صرف میری آنکھوں میں آنسو آگئے بلکہ ڈر کے مارے میرے منہ سے ''ہاں'' بھی نکل گئی۔''

''اگر ٹی بی سے مرنا ہے تو وکالت تو پاس کرلوں''

قانون کی تعلیم بھی حاصل کرتا رہا۔میں جب Law کے امتحانی فارم بھر رہا تھا تو میرے پاس فیس نہیں تھی۔ مختلف دوستوں سے دس دس روپے ادھار لے کر فیس جمع کرائی۔یہ اس لئے بتارہا ہوں کہ جوانی ہی سے میں والدین کو مالی طور پر تکلیف دینا نہیں چاہتا تھا۔میں اگر بابا والوں کو بولتا تو

مانگ تانگ کر یا کوئی بھینس بیچ کر مجھے بہت سارے پیسے بھیج دیتے مگر میں اس طرح کے مزاج کا نہیں تھا، جس طرح دوسرے لڑکے ہوتے تھے کہ جھوٹ موٹ کے بہانے کرکے والدین سے رقم منگواتے اور فضول خرچی میں اڑادیتے تھے، مجھے یہ پسند نہ تھا۔"

"قانون کا امتحان جب ہو رہا تھا، ان دنوں مجھے ٹی بی(T.B) ہوگئی تھی۔ میرا یہ حال تھا کہ ایک ڈاکٹر دوست کو خصوصی اجازت کے تحت امتحان ہال میں لے گیا تھا اور جب میں لکھتے لکھتے نڈھال ہو جاتا تھا تو ڈاکٹر مجھے انجکشن دے کر بحال کرتا تھا اور میں پھر لکھنا شروع کرتا تھا۔ یہ محنت میں اس لئے کر رہا تھا کہ اگر میں امتحان دیئے بغیر مر جاؤں تو میرے والدین کو طعنے ملتے کہ رسول بخش کو آپ نے تعلیم دلائی اور نہ ہی پٹواری بنایا۔ میں نے طے کیا تھا کہ اگر ٹی بی سے مرنا ہے تو کم از کم وکالت پاس کرکے تو مروں! پہلے یہ تھا کہ فائنل (ساتویں کلاس) پاس کرکے لوگ پٹواری ہو جاتے تھے۔ میں وہ بھی نہ بن سکا۔ پھر میٹرک پاس لڑکے پہلے کلرک اور پھر ترقی کرکے تحصیلدار ہو جایا کرتے تھے۔ میں وہ بھی نہ ہوا۔ یہی غیرت ستا رہی تھی۔ اس لئے میں نے مرتے مرتے امتحان دینا چاہا اور پھر وکالت کو بطور پیشہ قبول کر لیا تھا۔ یہ بھی بتانے کے لائق بات نہیں کہ میں تھرڈ کلاس میں پاس ہوا تھا یعنی ان لڑکوں کی طرح جو بالکل ردی اور بس ایسے ہی گزارے لائق پاس ہوا کرتے تھے۔ سال بھر پڑھائی نہیں کی تھی۔ ویسے بھی میں بچپن ہی سے پڑھائی کے خلاف تھا۔ سو چھوٹے موٹے کتابچے اور نوٹس پڑھ کر پاس ہو جاتا تھا۔ اسکے ساتھ ساتھ میں نے سی ایس پی کا امتحان بھی دیا اور پرچے میں پاس ہوا تھا۔ ایئر فورس بھی جوائن کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہاں کہا گیا کہ تمہارا وزن کم ہے۔ کھا پی کر وزن بڑھا کر آؤ۔ انگریزی تمہاری اچھی ہے مگر صحت ٹھیک نہیں۔ بعد میں یہ دونوں امتحان بھی نہ دیئے۔

Gul Hayat Institute

وکیل کو سزا اور مؤکل آزاد

"پھر کراچی میں وکالت شروع کر دی۔ ٹھٹہ میں جا کر کی۔ میر پور خاص میں وکالت کی اور آخر کار حیدر آباد میں ٹھکانہ بنالیا۔ یہاں میں نے غیر معمولی قسم کے مقدمات لڑے۔ ان میں حیدر آباد سازش کیس بھی تھا (نعپ والا) دوسرا شیریں سومرو کیس تھا جو ایک میجر کے خلاف تھا اور جسٹس قمر الدین کی عدالت میں چل رہا تھا۔ اس سے بڑھ کر حیدر آباد سازش کیس زبردست تھا۔ جس میں 58 ملزمان تھے۔ جن میں گورنرز، وزرائے اعلیٰ اور دیگر ہائی کیلیبر کے رہنما اور

بیوروکریٹس تھے۔ دوسال کیس چلا تھا۔ پھر اس میں مجھے بھی ملزم قرار دے دیا گیا۔ کیونکہ اوپر بھٹو صاحب تھے وہ اپنی مرضی کے خلاف کوئی بات کیسے برداشت کر لیتے؟ مجھے لاک اپ کر دیا گیا۔ کہا گیا کہ اب ٹھیک ہے نا۔ یہیں رہو میں جیل میں رہا اور میرے موکلان آزاد ہو گئے اور وہ مجھ سے جیل میں ملاقات کرنے آتے تھے۔''

زرینہ بلوچ سے شادی۔۔۔

''میں حیدرآباد میں ہوتا تھا۔ تب زرینہ بلوچ ریڈیو پر گاتی تھیں، میری بہن جو اس زمانے میں پڑھتی تھیں، ان کے ساتھ زرینہ کی واقفیت تھی۔ میری بہن نے مجھے بتایا کہ، ریڈیو پر یہ جو زرینہ بلوچ گا رہی ہے، یہ میرے ساتھ ہاسٹل میں رہتی ہے اور میری دوست ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے اس سے ملواؤ۔ میں چونکہ ادیب تھا۔ لکھتا لکھاتا تھا اور تنقید نگار بھی تھا تو ریڈیو پر لیکچر دینے جاتا تھا۔ بہرحال میری ان سے ملاقات ہوئی۔ مجھے ذہین خاتون لگیں تو میں نے ان کے ساتھ بحث کی کہ آپ جو یہ ہر قسم کے کلام اور گیت گا رہی ہیں ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ حالانکہ لوک گیت جو عورتیں شادی بیاہ میں گاتی ہیں وہ مجھے بے حد پسند ہیں مگر زرینہ ایسا کلام گاتی تھی، جس میں یہ تذکرہ آتا تھا کہ میں مدینے جاؤں اور پھر وہاں مر جاؤں۔۔۔ یہ اس زمانے کی نعتیں یا منقبت تھیں، بہرحال زرینہ سے اس طرح واقفیت ہوئی۔ ہماری بہت بحث ہوتی تھی۔ پہلے وہ تاویلیں دیتی تھیں مگر جب وہ میری باتیں سمجھ گئیں تو پھر کبھی بحث نہ کی۔ میں نے انہیں انقلابی گیتوں کی راہ پر لگایا۔ پھر تو وہ خود ایسی خالص انقلابی عورت ثابت ہوئیں کہ انہیں کچھ سمجھانے یا بتانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی تھی۔ وہ ہر کام وقت کا تقاضا دیکھ کر بخوبی کر لیتی تھیں۔ مجھ سے وہ پوچھتی تھیں کہ آخر انقلاب کیسے آئے گا؟ لوگ کیسے اکٹھے ہوں گے؟ میں کہتا تھا کہ ویسے تو لوگ اکٹھے نہیں ہوتے مگر ہم بہترین گیت تیار کریں گے۔ اپنے جلسوں میں تمہارے گیتوں کا پروگرام رکھیں گے تو لوگ وہ سننے آئیں گے اور ہم ان تک اپنی بات پہنچائیں گے۔ دوسرے لوگ کھانا کھلا کر لوگوں کو اپنی بات بتاتے ہیں۔ ہمارے پاس کھانا کھلانے کی طاقت نہیں ہے، اس لئے لوگوں کو گیت سنا کر ان کی توجہ حاصل کریں گے۔''

''حاصلِ زیست، نثارِ رہ یارِ کرم''

''اصل میں بچپن ہی سے میں ایسی اسکیمیں بناتا رہا ہوں جو بظاہر ناممکن نظر آتی ہیں، جب وہ کامیاب ہو جاتی ہیں تو لوگ حیران ہو جاتے ہیں کہ یہ کیسے ہو گیا؟ اس طرح امن کے لئے اور لوگوں

کے حقوق اوران کی خوشحالی اور خوشی کے لئے میری پوری زندگی جدوجہد میں گزر گئی ہے اور اب بھی گزر رہی ہے۔ اگر میری زندگی بھر کی جدوجہد سے میرے دیس کے لوگوں کو ان کے حقوق اور تھوڑی سی خوشی اور خوشحالی میسر آتی ہے تو میں سمجھوں گا کہ میری زندگی رائیگاں نہیں گئی۔"

ایک مہم جو کا بچپن۔۔۔

"بچپن میں میرے ایک دوست ہوتے تھے جو کہا کرتے تھے کہ اس علاقے کا سب سے بہادر اور مڑس ماڑھوں (دلیر) جمعو بروہی ہے۔"

میں نے پوچھا: "وہ کیا کرتا ہے؟" "چوری کرتا ہے۔ ہمارے پلیجوں کی گائیں بھینسیں چوری کرتا ہے۔ پھر لوگ اس کو تاوان دے کر اپنے مال مویشی واپس لیتے ہیں۔ یہ سن کر میں نے فیصلہ کیا تھا کہ میں اس جمعہ بروہی کا مقابلہ کروں گا اس سے بڑا چور بن کے دکھاؤں گا تاکہ لوگ مجھے بھی بہادر اور مڑس ماڑھوں سمجھیں۔ اس طرح میں نے چوریاں کرنا شروع کیں۔ بکریوں کے گلے میں خوبصورت مالہائیں ہوتی تھیں اور پیروں میں پازیبیں، میں نے وہ اتارنا شروع کر دیں۔ چرواہے کو اس کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔ اس طرح جمعو بروہی کا مقابلہ کرنے کے لئے میں نے بہت ساری چھوٹی چھوٹی چوریاں کیں۔ اپنی گائے، بھینس کے لئے راتوں کو دوسروں کے کھیت سے گھاس کاٹ کر آتا تھا تاکہ پتہ چلے کہ لوگوں کو کہ چوری کرنے میں کون سب سے زیادہ دلیر ہے؟ بالآخر میں نے اپنے جیسے چوروں کا ایک گروہ بنالیا۔ جن کے ساتھ مل کر میں نے اپنی پھوپھی کے پیسے چوری کئے اور ہم حیدرآباد گھومنے چلے گئے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب میں وہاں پڑھتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ہم حیدرآباد ریلوے اسٹیشن پر چوری کی وارداتیں شروع کر دیں گے یعنی جو لوگ رات کو ریل گاڑی سے آئیں گے، جب وہ پلیٹ فارم پر سو جائیں گے تو ہم ان کی جیبوں سے پیسے وغیرہ نکالیں گے اور اپنا کاروبار کریں گے، لیکن حیدرآباد پہنچ کر پتہ چلا کہ وہاں تو لوگ سوتے ہی نہیں ہیں۔ پھر یہ ارادہ ترک کر دیا اور سوچنے لگے کہ اب کون سا بہادری کا کارنامہ دکھائیں کہ لوگوں پر ہماری دھاک بیٹھ جائے۔"

Gul Hayat Institute

سائیں رسول بخش پلیجو:
قوم پرست ترقی پسند سیاسی رہنما!

محمد زاہد اسلام

ہمیں یہ بھی فخر ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ اقتدار میں جناب رسول بخش پلیجو صاحب سے شناسائی ہوئی اور ان کے ساتھ سیاسی اتحاد کی ابتدا ہوئی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ماؤزے تنگ کے پاکستانی پیروکاروں میں نظریاتی بحث و مباحثہ کا آغاز ہو چکا تھا اور ان کے نظریات میں تبدیلی آنا شروع ہو گئی تھی۔ پرولتاری آمریت کے لئے جدوجہد کی جگہ جمہوریت کے لئے بڑے متحدہ محاذ بنا کر کوششیں کرنا ایجنڈا پر آچکا تھا جو نظریاتی سطح پر پہلے بھی تسلیم شدہ پروگرام تھا۔ عوامی جمہوریت اور قومی جمہوریت ایسے ہی پروگرام تھے مگر ان کے لئے حکمت عملیوں میں اختلاف رائے موجود تھا۔ ''پرچی نہیں برچھی''، ''جالو جالو آگن جالو''، ''انتخاب نہیں انقلاب''، ''مسلح جدوجہد کا راستہ''، ''ہشت نگر کا راستہ'' جیسے انتہا پسند اور بے وقت کے نعرے اپنی کشش کھو بیٹھے تھے۔ اسی طرح ذوالفقار علی بھٹو حکومت کے خلاف چلنے والی تحریکوں بالخصوص پاکستان قومی اتحاد کی تحریک نے پاکستان بھر کے ترقی پسند حلقوں میں غور و فکر کی نئی راہیں کھول دی تھیں۔ 1977ء کی تحریک کا انتہائی گہرا اثر تھا کہ اسی سال جولائی اگست میں بائیں بازو کی تمام چھوٹی بڑی پارٹیوں نے اپنا الگ تشخص بنانے کی بات کی۔ ''عوامی جمہوری اتحاد'' 11 ستمبر 1978ء لاہور کی ایک میٹنگ میں بنایا گیا جس میں افضل بنگش کو صدر اور عابد حسن منٹو کو جنرل سیکرٹری بنایا گیا۔ اس اتحاد میں 11 جماعتیں شامل تھیں۔

1- پاکستان سوشلسٹ پارٹی -2 عوامی جمہوری پارٹی (خورشید حسن میر) -3 ورکرز پارٹی (مرزا ابراہیم) -4 مزدور کسان پارٹی (فتح یاب، سردار شوکت علی) -5 پرولتاری پارٹی (حبیب جالب) -6

نیشنل پروگریسو پارٹی-7سندھی عوامی تحریک-8پنجاب جمہوری فرنٹ لاہور-9محنت کش محاذ ملتان -10متحدہ مزدور مجلس عمل (ضیاالدین بٹ، طارق لطیف)۔-11پیپلز لیبر فرنٹ (بابا رفعت)۔

اس اتحاد میں عہدوں کی تقسیم کے سوال پر اختلاف پیدا ہو گیا۔ چنانچہ کئی دوسری بائیں بازو کی جماعتوں نے الگ اتحاد بنانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ یہ وہ عرصہ ہے جب بعض مارکسی گروپ بھی اکٹھے ہونے کے لئے بات چیت کر رہے ہیں۔ اس طرح کی ایک کوشش پنجاب لوک پارٹی، سندھی عوامی تحریک اور پنجاب کے پروفیسر عزیز گروپ کے مابین بھی جاری تھی اور ان کے مشترکہ اجلاسوں میں بنیادی نظریاتی فارمولیشن اور ذیلی ایشوز پر بات چیت جاری تھی۔ سائیں رسول بخش پلیجو ان مباحثوں میں مرکزی کردار کے حامل تھے۔ کئی دفعہ ان اجلاسوں میں گرما گرم بحث شدت اختیار کر جاتی، تاہم سائیں پلیجو کو یہ مہارت حاصل تھی کہ گرمی کو جذب کیسے کیا جائے۔

جب عوامی جمہوری اتحاد نے شعوری یا حادثاتی طور پر بعض سرگرم گروپوں کو باہر رکھا تو انہوں نے اپنا الگ پلیٹ فارم بنانے کا فیصلہ کیا۔ درج ذیل پارٹیوں نے اپنے دوسرے اجلاس منعقدہ حیدر آباد ''پاکستان عوامی تحریک'' کے نام سے ایک نیا پلیٹ فارم بنالیا۔ اس میں درج ذیل پارٹیاں شامل تھیں۔

1- سندھی عوامی تحریک-2مزدور کسان پارٹی ورکرز گروپ (جو پنجاب لوک پارٹی بن گیا تھا مارچ 1979ء)-3مزدور کسان پارٹی شیر علی باچہ گروپ-4پنجاب جمہوری فرنٹ-5سندھ ہاری کمیٹی-6نوجوان محاذ کراچی۔

سائیں رسول بخش پلیجو اور ان کے رفقا سے پہلی پہلی ملاقاتیں 1977ء کے دوران ہوئیں جب متحدہ محاذ کے ان اجلاسوں میں مزدور کسان پارٹی ورکرز گروپ (پنجاب لوک پارٹی) کی طرف سے نمائندگی امتیاز عالم اور زاہد اسلام کے ذریعے ہوتی تھی۔ لاہور، کراچی اور حیدر آباد میں یہ مشاورتی اجلاس ہوتے۔ حیدر آباد میں سائیں فاضل راہو کی پر تکلف مہمان نوازی سے لطف اندوز ہوتے اور رسول بخش پلیجو سے قومی سوال، مارکس ازم، لینن ازم اور پارٹی کے سوالات پر بحث و مباحثہ ہوتا تھا۔

1978ء نومبر میں میری شادی ہوئی۔ شادی کا استقبالیہ باغ جناح کے کاسموپولیٹن کلب میں ہوا تھا جو بائیں بازو کا ایک بڑا اجتماع بن گیا۔ پاکستان کی سبھی بائیں بازو کی قیادت کے ساتھ ساتھ فلسطینی تنظیموں اور الفتح کے مصطفی ساحل (DPFLP) کے طلبا بھی شریک ہوئے۔ اس تقریب

Gul Hayat Institute

میں سائیں پلیجو شریک تھے جو سندھی اجرک اور اپنی کتابیں لے کر آئے تھے۔ اسی طرح میجر اسحاق نے بھی اپنی کتابوں کا تحفہ دیا تھا۔ شیر علی باچہ بذات خود شریک تھے، معراج محمد خاں کی نمائندگی سہیل ہمایوں نے کی تھی۔

اسی عرصہ میں ہشت نگر میں شیر علی باچہ نے ایک بڑی کانفرنس ''وسیع القومی کانفرنس'' کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ اس کانفرنس میں عبدالستار لالہ، عبداللطیف آفریدی اور میاں شاہین شاہ نے بھی شرکت کی۔ کانفرنس میں شرکت کے لئے پنجاب لوک پارٹی کا 20 رکنی وفد بھی شریک ہوا۔ یہ کانفرنس جولائی 1978ء میں ہری چند گاؤں میں منعقد ہوئی تھی۔ سائیں رسول بخش پلیجو نے بھی اس کانفرنس میں ہمارے ساتھ شرکت کی۔ کانفرنس کے اختتام کے بعد لوک پارٹی کے ساتھی سوات وغیرہ کی سیر کے لئے چلے گئے، جبکہ سائیں رسول بخش پلیجو، امتیاز عالم اور میں واپس راولپنڈی آگئے۔ وہ رات سائیں پلیجو نے میرے گھر پر گزاری۔ رات دیر تک ان کی باتوں سے محظوظ ہوتے رہے۔ دوسرے دن خورشید حسن میر نے اپنے گھر رات کے کھانے پر بلایا تھا۔ ہم لوگ بھی ہمراہ گئے، کھانے کے بعد میر خورشید حسن میر نے فیض کے کلام کو انگریزی میں ترجمہ کیا تھا وہ سنایا تو رسول بخش پلیجو نے جی کھول کر داد دی۔

ایم آر ڈی کی تحریک کے دوران سندھیانی تحریک بڑی مشہور ہوئی، کیونکہ سندھی عوامی تحریک اور سندھیانی کی تحریک کے کارکنوں نے سندھ کے چھوٹے بڑے شہروں میں احتجاجی مظاہروں کا ایک سلسلہ شروع کیا ہوا تھا جسے میڈیا میں بہت نمایاں کوریج ملتی تھی۔ مشاہد حسین اور پروفیسر خالد محمود نے 20 روزنامچے لکھے۔ واضح رہے کہ پروفیسر خالد محمود پنجاب کے پروفیسر گروپ کے سرگرم رہنما تھے اور مشاہد حسین مسلم اخبار کے ایڈیٹر تھے۔

سائیں رسول بخش پلیجو کی پہلی پنجاب آمد عوامی جمہوری اتحاد کے تشکیل کے موقع پر 1977ء میں ہوئی، مگر ان کی پہلی بھرپور سیاسی شرکت پنجاب لوک کانفرنس منعقدہ 23 مارچ 1978ء میں ہوئی تھی۔ سائیں رسول بخش پلیجو نے عوامی نیشنل پارٹی میں بھی شرکت کی اور پہلے سیکرٹری جنرل بھی منتخب ہوئے، مگر سیاسی ایشوز پر اختلاف کے باعث زیادہ عرصہ نہ گزار سکے۔

ہر انسان جو اس دنیا میں آیا ہے اسے مرنا ہے۔ موت اٹل حقیقت ہے، لوگوں کے لئے جدوجہد کرتے ہوئے جان دے دینا ایک خاص اعزاز ہے جو کسی کسی کو حاصل ہوتا ہے۔ ایسے لوگ عوام کے ذہنوں میں دلوں میں زندہ رہتے ہیں۔ لوگ انہیں ہمیشہ اچھے لفظوں میں یاد کرتے ہیں۔

Gul Hayat Institute

سائیں رسول بخش پلیجو ایسی ہی شخصیت تھے۔ ایک اچھے وکیل، نظریاتی استاد، بہت قابل سیاستدان اور انتہائی تعلیم یافتہ دانشور تھے۔ ان کی تحریریں، کتابیں آج بھی سندھی عوام میں مقبول ہیں۔ جو کسی طور بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتیں۔ پاکستان کی ترقی پسند سیاست میں ان کا مقام بہت بلند رہے گا۔

آج پنجاب کے قوم پرست، ترقی پسند اور جمہوریت کو ماننے والے سندھ دھرتی کے اس عظیم رہنماؑ کے ساتھیوں اور ان کے رفقاؑ کے ساتھ اظہار یکجہتی کرتے ہیں۔ ہمیں پختہ یقین ہے کہ پلیجو کے ماننے والے ان کے خیالات اور افکار کی پیروی کرتے ہوئے پاکستان میں ایک منصفانہ، جمہوری معاشرے کے قیام و استحکام کے لئے اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے جس میں کسی طرح کا بھی استحصال نہ ہو۔ سبھی شہری اور دیہی بلا تمیز عقیدہ، صنف، عمر، علاقہ، نسل اور قومیت کے مساوی حقوق سے مستفید ہو سکیں۔

(یہ مضمون ان کے تعزیتی ریفرنس لاہور میں 27 جون 2018ء کو پڑھا گیا)

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو: چند یادیں

شہزاد نصیر (پنجاب)

رسول بخش پلیجو سندھ کی ایک بڑی شخصیت ،دانشور اور سیاستدان اس دنیا میں نہ رہے۔ سندھ اور پاکستان آج ایک بڑے آدمی سے محروم ہو گیا، ترقی پسند اور روشن خیال حلقہ مزید کمزور ہوا۔ایک عہد کا خاتمہ ہوا۔

پلیجو صاحب سے پہلی ملاقات زمانہ طالبعلمی میں ہوئی اور وہ بھی یوں کہ میرے والد نے نوائے وقت کے لئے ان کا انٹرویو کرنا تھا تو پلیجو صاحب کا نام سن کر میں نے ساتھ جانے پر اصرار کیا۔ اس زمانے میں پلیجو صاحب کا مزاحمتی بیانات اور ترقی پسندی کے حوالے سے بڑا نام ہو رہا تھا ،لوگ ان کے حوالے دیتے تھے، میری سیاست میں دلچسپی غیر معمولی تھی۔ سندھ اور بلوچستان میں قومیتی تحریکیں ، افغانستان میں کمیونزم کی موجودگی ، کراچی میں خونریز نسلی اور لسانی فسادات میرے سامنے تھے بلکہ میری ذاتی زندگی بھی ان سے متاثر تھی ، پنجاب کا نام اس وقت گالی بن چکا تھا، پنجابی سامراج اور جنرل ضیا کا نام ہر جگہ بدنام تھا۔ میں خود بھی کمیونسٹ لٹریچر کارسیا اور لینن کی تقریباً ساری کتابیں پڑھ چکا تھا، خاص طور پر ایک کتاب ریاست اور انقلاب اور قوموں کے خود اداریت سے بہت متاثر تھا۔ان دنوں سرائیکی تحریک اور اینٹی کالا باغ ڈیم اور اینٹی پنو عاقل چھاؤنی تحریک بھی زوروں پر تھی۔

پلیجو صاحب کراچی کے علاقے محمد علی سوسائٹی میں مقیم تھے۔دبلے پتلے، صاف رنگ کے ،ان کے پاس دو گارڈ بھی تھے ۔ انٹرویو تو خیر ریگولر ہی ہوتا تھا لیکن چونکہ میری دلچسپی قومیتی تحریکوں، کمیونزم اور پنجاب کے دوسری قومیتوں سے تعلقات کے بارے میں بہت زیادہ تھی تو وہ ملاقات کچھ نہ کچھ چار گھنٹوں پر محیط ہو گئی اور پلیجو صاحب نے یہ اعلان کر دیا کہ نوائے وقت یہ

انٹرویو نہیں شایع کرے گا، میرے والد صاحب نے یقین دہانی کروائی لیکن ہوا وہی جو پلیجو صاحب نے پیشن گوئی کی کہ وہ انٹرویو روک دیا گیا۔

پلیجو صاحب کو ہسٹری کا گہرا شعور تھا، حوالوں پر حوالے بے تکان ان کی زبان پر چلے آتے۔ علم کا سمندر، بہترین سیاسی تجزیہ نگار۔ بات کرنے کا انداز بہت متاثر کن، جب وہ ہسٹری اور قومیتوں پر دلائل دے رہے ہوتے تو دونوں ہاتھوں کو تالی کے انداز سے ملاتے اور کاٹتے ہوئے ہوا میں لے جاتے۔ ان کی دو باتیں آج بھی یاد ہیں۔ کہنے لگے کہ یاد رکھو، پنجاب کو ایک لینن کی ضرورت ہے جو دوسری قومیتوں کو پنجابی سامراج سے حقوق دلوائے اور خود پنجابیوں کو بھی پنجاب کی استحصالی قوتوں سے آزاد کروائے، پنجاب کو دوہری جنگ لڑنی ہے، سندھیوں نے تو صرف پنجاب سے لڑنا ہے لیکن پنجاب نے ہمیں حقوق دلانے کے ساتھ ساتھ اپنی بالادست پنجابی قوتوں کے ساتھ بھی جنگ لڑنی ہے۔

دوسری بات پلیجو صاحب نے ہسٹری پر ایک سوال پر کہی کہ تاریخ خود کو دہراتی ہے، انہوں نے کہا ''نہیں تاریخ خود کو نہیں دہراتی، یہ فرسودہ نظریہ ہے، استحصالی قوتوں کا تیار کردہ ڈھکوسلہ، تاریخ توزگ زیگ آگے بڑھتی ہے۔ ہسٹری اگر ایک قدم پیچھے ہٹتی ہے تو دو قدم آگے بڑھ جاتی ہے، اگر ہسٹری کو دوہراتے دیکھو تو اس کا مطلب ہے کہ وہ چکر کاٹ کر آگے بڑھ رہی ہے۔''

مجھے پلیجو صاحب کی یہ دو باتیں ساری عمر یاد رہیں، میرے دل میں ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ کاش پنجاب میں بھی پلیجو صاحب کے لیول کا کوئی سیاستدان پیدا ہو جائے لیکن وہاں تو بالا سیالکوٹی کے غیر پنجابی تصورات کا راج تھا جس میں اندلس اور سمرقند کا ذکر تو تھا لیکن سندھ اور بلوچستان کیا سوچ رہا ہے اس کا پنجاب کو اندازہ تک نہ تھا۔ آج بھی پنجابی غیر پنجابی سیاستدانوں عمران خان اور زرداری کے جوتے سیدھے کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں اور برادری ازم میں پھنسے ہوئے ہیں۔

نذیر لغاری صاحب موجودہ بول اینکرز اور تجزیہ نگار پلیجو صاب سے بڑے متاثر تھے، اکثر کہا کرتے کہ تم جیسے بندے کو تو پلیجو صاحب کی پارٹی جوائن کرنی چاہئے۔ پلیجو صاب کا جو مرتبہ جو قد تھا اور جس انداز سے انھوں نے سندھی عورت کو شعور دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ سندھیانی تحریک نے سندھ کے دور افتادہ گوٹھوں میں بھی جنرل ضیا کی آمریت کے خلاف ایم آر ڈی کی تحریک میں جو قربانیاں دیں اس نے سیاسی تجزیہ کاروں کو حیران کر دیا۔ وہ دور بھی بہت عجیب تھا، قتل وغارت، قومیتی تحریکیں اور انقلابی خیالات۔ سیلوٹ ٹو پلیجو!

رسول بخش پلیجو۔ایک فلسفی ایک تاریخدان

ڈاکٹر سریش ہوتچندانی

6-جون 2018ء کو دنیا کے نامور فلسفی، تنقیدی ادب اور سیاست کے مینار، تاریخ کے شاگرد جنگی فلاسفی کے دلدادہ سندھ، پاکستان اور ایشیا کو سیاسی تنظیم اور جدوجہد کو نیا موڑ دینے والا پیدائش سے لیکر لحد میں سو جانے تک اپنی عوام دوست انسان دوست فکر و افکار کو عوام کی گراس روٹ پر لیجا کر انہیں پستیوں سے اٹھانے کا درس دینے والا عظیم قائد محترم رسول بخش پلیجو ہم سے بچھڑ گیا۔

”وہ شخص جو ہم سے روٹھ گیا،
اب حال دل سنائیں کس کو۔“

محترم رسول بخش پلیجو پر لکھنے کی کوشش کی لیکن ہر بار ناکام ہوا۔ مجھے یہ سمجھ نہیں آرہا کہ کس پہ لکھوں، کیا لکھوں؟ رسول بخش پلیجو ادیب تھا، سیاسی کارکن تھا، مترجم تھا یا عوام دوست انقلاب کا طالب تھا۔

کیا تھا، فیصلہ نہ کر پایا....!!؟

Gul Hayat Institute

گذشتہ برس پلیجو صاحب کے چہلم پر تحریک کا میگزین شایع کیا گیا۔ میں نے پھر بھی نہیں لکھا۔اس کے بعد اب تک میں نہیں لکھ پایا۔ کیوں کہ میں تو ابھی تک یہی سمجھ رہا ہوں کہ وہ زندہ ہے ہمارے درمیان چل رہا ہے۔اپنے افکار کا پرچار کر رہا ہے۔ عوام میں بیداری کے لیے نئے نئے طریقہ ءکار اختیار کرنے کے لیے پلان بنارہا ہے۔ میرا ٹوٹا ہوا رفو کیا ہوا دل مان ہی نہیں رہا کہ جو آواز سندھ اور دنیا کے پرولتاری عوام کے مسائل پر گرجتی تھی وہ جسمانی طور پر ہم سے جدا ہو گئی ہے۔ چلو ٹھیک ہے رسول بخش پلیجو ہم سے جسمانی طور پر جدا ہوا ہے مگر جو بے چینی عوام کے بنیادی حقوق پر محسوس کر کے لانگ مارچ چلایا کرتے، جیل بھرو تحریک چلاتے، دہشتگردی بند کرو

تحریکیں چلاتے تھے ان کی بے چینی ان کی لکھی گئی تحریروں میں آسانی سے پڑھی جاسکتی ہیں۔

رسول بخش پلیجو بنیادی طور پر تبدیلی کا محرک تھا۔ انہیں عورتوں پر ظلم ہوتے دیکھنے پر سخت غصہ آتا تھا۔ انہوں نے جب یہ ٹھانی کہ سندھ کی عورت جب تک اٹھ کر مردوں کے شانہ بشانہ سیاست نہیں کریگی، مردوں کے شانہ بشانہ گھر کے کام نہیں کرے گی جب تک عورت پڑھے گی نہیں تب تک یہ سماج جہالت کے گھپ اندھیرے میں دھکے کھاتا رہے گا۔ اور ہماری قوم جاہلوں کی فوج بنی رہے گی اور رسول بخش پلیجو نے وہ شاندار کارنامہ کر دکھایا کہ اقتدار کے ایوانوں میں لرزشیں پیدا ہو گئیں اور ایشیا کی انقلابی تنظیمیں تکتی رہ گئیں۔ جب سندھیانی تحریک کا نام نشریاتی اداروں میں بڑی شدّو مد سے لیا گیا تو وہ حیران ہوئے جب سندھیانی تحریک کی اختر بلوچ، جو پلیجو صاحب کی سوتیلی بیٹی تھی، 71ء میں انتخابات کے وقت ووٹر لسٹیں سندھی میں چھپوانے کی تحریک میں گرفتاری دیدی۔ 83ء میں ایم۔ آر۔ ڈی کی جدوجہد (تحریک بحالیٔ جمہوریت) کے لیئے چلی تو پاکستان کی اسٹیبلشمینٹ حیران رہ گئی کہ آخر سندھ میں تحریک اتنے زور شور سے کیسے چل رہی ہے؟ آج سندھ میں جو بھی عورتوں میں Awareness نظر آرہی ہے وہ رسول بخش پلیجو کی مرہونِ منت ہے۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ پلیجو صاحب لاڑکانہ آئے ہوئے تھے۔ میری بیوی نے کہا اور میرا شوق بھی تھا کہ وہ پلیجو صاحب سے کچہری کرے، پلیجو صاحب نے عرض قبول کی اور حیدرآباد جانے سے پہلے میرے گھر تشریف لے آئے اور میری بیوی سے ملاقات کی۔ تقریباً دو گھنٹے تک ملاقات جاری رہی۔ جس میں کئی سوالات ہوئے۔ پلیجو صاحب کی ذہانت کی داد نہ دینا تاریخ کو پیٹھ دینے کے مترادف ہے۔ وہ جب بھی کسی سے ملتے تو ملنے والا پلیجو صاحب کے سحر میں گم ہو جاتا۔ پلیجو صاحب کی ایک خواہش یہ بھی تھی کہ پاکستان میں جو غیر اسلامی مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد ہیں انکو آئینی اور قانونی طور پر قائدِ اعظم کے نظریات اور 1940ء کی قرارداد کے مطابق حقوق ملنے چاہئیں۔ اس کوشش میں وہ عدالتوں تک بھی گئے۔ جب رنکل کماری کا مسئلہ ہوا تب بھی وہ اس وقت کے چیف جسٹس سے الجھ پڑے تھے، اور کولہی، بھیل، میگھواڑ جو ہندوؤں کے لیے شیڈولڈ کاسٹ کا درجہ رکھتے ہیں ان کی سیاسی تربیت کی۔ ان کے درمیان علم کی شمع روشن کی۔ آج تھرپارکر کی ایریا میں عوامی تحریک اور رسول بخش پلیجو کا نام بڑے احترام سے لیا جاتا ہے اور پورے سندھ سے ہندوؤں کی ممبرشپ میں جتنا بھی حصہ ہے اس میں 75% کا تعلق نچلے طبقے کے تھری

Gul Hayat Institute

ہندوؤں کا ہے۔ پلیجو صاحب کو اسی سیکیولر سوچ نے ملک میں علیحدہ مقام دیا۔

پلیجو صاحب کہتا تھا کہ میں اب بھی ایک شاگرد ہوں تاریخ کا، سیاست کا، فلاسافی کا، ہم فیصلہ نہ کر پائے کہ پلیجو صاحب کو سب سے زیادہ کس علم پہ عبور ہے۔ تاریخ، وہ تو پلیجو صاحب کو ایسے بر زبان یاد تھی جیسے وہ ان جگہوں سے خود سیر کر کے آئے ہوں۔ وہ کہتے تھے یہی تاریخ ہمارے اوپر طبقاتی، قومی اور جمہوری تضادات کو ظاہر کرتی ہے اور مستقبل کا تعین کرتی ہے۔ تضاد جو اس کائنات کے تغیر کی بنیاد ہے۔ کائنات کی حرکات و سکنات کی پوری کہانی بتاتی ہے۔ تاریخ کے کباڑ خانے میں گم ظالم اور مظلوم کی شناخت اسی تاریخی مادیت پہ ہے جس کو پلیجو صاحب نے آسان کر کے ہمیں بتایا کہ لو یہ تمہاری تمام کامیابیوں اور ناکامیوں کے اسباب اسی تاریخ میں پوشیدہ ہیں۔ اور مستقبل تمہاری جنگی حکمتِ عملیوں اور علم پر منحصر ہے کہ آیا تم کامیابیوں سے ہمکنار ہونا چاہتے ہو یا ماضی کی طرح جاہل رہ کر ناکامیوں کا مزہ چکھتے ہو۔ اگر کامیاب ہونا چاہتے ہو تو اٹھو علم کا پرچم اٹھاؤ اور اپنی تمام خامیوں کو دور کرنے کیلئے جنگی حکمتِ عملی اختیار کرو۔ جنگ کیا ہے اور کیسے لڑی جا سکتی ہے؟ اس کا تمام تر دار و مدار حکمتِ عملی پر ہے۔ جس کے لئے پلیجو صاحب نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ جاسوسی علم کے سوا اور دشمنوں کی صفوں میں افراتفری پھیلانے کے سوا ہم کوئی بھی جنگ نہیں جیت سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ عوامی تحریک جو کئی بار دشمنوں کی سازشوں کی وجہ سے افراتفری کے عمل سے گذری اور پھر بھی سرگرم عمل ہے، وہی الگ تھلگ حکمتِ عملی کی بناء پر ہنوز ابھی تک میدانِ عمل میں سرگرم ہے۔ اور اپنے قومی عوامی جمہوری حقوق کے مؤقف پر ڈٹی ہوئی ہے۔

Gul Hayat Institute

انسانی سنگتراش۔ رسول بخش پلیجو

میر بھلیم

وجودِ کائنات سے لیکر آج تک بنی نوعِ انسان کی خوشحالی، ترقی، انسان کی ازلی، فطری خوشیوں اور زندگی کو پُرسکون اور عزتِ نفس کے ساتھ گذارے اور منصفانہ نظامِ زندگی کے قیام کے لئے ہر زمانے میں انسان شناس انقلابی کردار انسانی روپ میں پیدا ہوتے رہے جنہوں نے بغیر کسی طمع، لالچ وعہدے کے عوام کو انسان اور انسان کو عالم کا درجہ دینے کیلئے اپنی پر تعیش آرامدہ زندگی کو ترک کرتے ہوئے انتہائی سخت اور کٹھن مراحل طے کئے۔ اپنی زندگی کو عوام کے لئے وقف کردینے والے ایسے لاکھوں انسانوں میں سے ایک کردار اس کرہِ ارض کے ایک چھوٹے جغرافیائی خطے والے ملک کے پسماندہ صوبے ''سندھ'' میں پیدا ہونے والے عالم انسانیت کے لئے بھلائی اور بہتری کے ساتھ انصاف بھری عزت کی زندگی گذارنے کا درس دینے اور وجدوجہد کرنے والے انقلابی انسان کا ظہور ہوا جسکا نام تھا ''رسول بخش پلیجو''، جس نے اپنی مختصر سی زندگی میں اپنے حصے سے زیادہ بڑھ چڑھ کر غریب عوام کے لئے اپنی نظریاتی وفکری جدوجہدوں کی ایک طویل داستان رقم کر کے تاریخ کے نقوش اس دھرتی پہ چھوڑ دیئے۔

Gul Hayat Institute

غالباً یہ 1970ء کا زمانہ تھا جب میری ''پلیجو صاحب'' سے ٹھٹہ شہر میں پہلی ملاقات ہوئی اور وہ زمانہ طالبعلمی کا تھا۔ میں ان دنوں سائیں محبوب شاہ کے گھر میں رہتا تھا اور پلیجو صاحب کا اکثر ان کے گھر آنا جانا ہوتا تھا اور انکے ساتھ ان کے فیملی مراسم بھی تھے۔ سائیں والے پلیجو صاحب کے جلسے جلوسوں میں اور سیاسی پروگراموں میں بھی اکثر شریک ہوتے تھے۔ کبھی کبھار پلیجو صاحب کے ساتھ فاضل راہو صاحب بھی آتے تھے، انکی محفلوں میں اکثر مجھے بھی بٹھایا جاتا تھا۔ انہی دنوں پلیجو صاحب کو ڈرائیور کی ضرورت تھی، چونکہ میں پڑھائی کے ساتھ ساتھ سائیں والوں کی گاڑی کا

ڈرائیور بھی ہوتا تھا۔ چنانچہ 1992ء میں پلیجو صاحب کے ڈرائیور کی حیثیت سے مجھے انکے ساتھ رہنا پڑا۔ وہ ہمیشہ سفر میں رہتے تھے اور لازماً انکے ساتھ مجھے بھی بطور ڈرائیور اکٹھا سفر کرنا پڑتا تھا اور یہ سفر انکے آخری سفر تک ساتھ رہا۔

پلیجو صاحب کی گاڑی صرف سفر کیلئے استعمال نہیں ہوتی تھی بلکہ گاڑی انکا اوڑھنا، بچھونا، لائبریری اور تنظیمی ساتھیوں کے ساتھ سیاسی بحث مباحثے اور سندھ و ملک کو درپیش مسائل کے حل اور انکے لئے جدوجہد کی نت نئی روایات اور طریقوں پر کام کرنے کی حکمتِ عملیوں کا آفس ہوتی تھی۔ اکثر طور پر انکے ہمراہ ادی زاہدہ سفر میں ساتھی ہوتی تھیں جو کہ ان کی تیمارداری، کھانے پینے اور لکھنے پڑھنے کے کام کاج کی ذمہ داریاں بطور احسن نبھاتی تھیں۔ ادی زاہدہ ان کا بہت خیال رکھتی تھیں۔

پلیجو صاحب اپنی ذات میں یگانہ، بحرالعلم، مطالعے کے شوقین اور ہر کام کو مقررہ وقت پر انجام دینے یا کہیں کسی سے اگر کوئی ملاقات کا وقت ہو، عدالت میں پہنچنا ہو، میٹنگ میں جانا ہو، جلسے یا کسی پروگرام میں شرکت کرنی ہو، مجھے یاد نہیں کہ وہ اپنے دیئے گئے مقررہ وقت سے دیر پہنچے ہوں۔ وہ ہمیشہ وقت کے پابند رہے اور اپنا کام کر کے فارغ بیٹھ کر آرام کرنے کی بجائے کسی دوسرے کام کو سرانجام دینے کیلئے سرگرداں رہے۔ یہی انکی زندگی کا اصول اور یہی انکا شعار رہا۔ گویا وہ ایک یونیورسٹی کا درجہ رکھتے تھے۔ کٹھن سے کٹھن اور دشوار گذار جدوجہدوں اور کاموں کو وہ بخوشی سرانجام دینے کیلئے کوشاں رہتے۔ میں نے انکے ساتھ گذاری ہوئی زندگی میں کبھی ایک پل کو بھی انہیں اداس یا مایوس نہیں دیکھا اور نہ ہی انہیں فارغ سستاتے ہوئے دیکھا۔

وہ اکثر طور پر چھوٹے چھوٹے شہروں، قصبوں، دیہاتوں میں پسماندہ غریب پارٹی ورکروں اور عام لوگوں کے پاس جاکر انہیں اس کائنات میں انسان کی اہمیت کا شعور دیتے۔ ان کو باشعور دیکھنا ان کی تعلیم و تربیت اور بحث مباحثوں کا نچوڑ رہتا۔ لوگوں کو انکے فطری، آئینی و قانونی حقوق کیلئے بیدار کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ وہ جب اگر کسی بچے سے ملتے یا بڑے سے، پڑھے لکھے سے یا ان پڑھ سے، عالم فاضل سے یا کسی لیڈر سے، ہمیشہ ان کی ذہنی سطح تک ان کے ساتھ بیٹھ کر بات چیت کرتے اور انہیں نیا انسان تراشنے کا گویا بہانہ مل جاتا۔

وہ ہمیشہ خواتین کو بڑی عزت دیتے اور انکی پذیرائی کرتے، انہیں اس سماج میں ملنے والی حیثیت سے تبدیل کر کے ایک بطور باشعور خاتون کے سماج میں اپنا مثبت کردار ادا کرنے کا شعور دیتے اور اس طرح سندھیانی تحریک کی کئی ان پڑھ اور کم تعلیم یافتہ بہنیں تربیت حاصل کرنے کے

بعد اپنے محاذ کے مرکزی عہدوں تک یا صدارت تک جا پہنچیں اور اسی قیادت نے ملک و بیرونِ ملک جا کر اپنی صلاحیتوں اور علم سے سندھ کی آواز کو باقی دنیا تک پہنچانے کا کام کر دکھایا۔ اپنے علم و عمل اور جدوجہد سے دیہی علاقوں کی پسماندہ ان پڑھ خواتین نے آمروں، جابروں کے زمانے میں بیباکی اور دلیری سے اور اپنی قائدانہ صلاحیتوں سے جدوجہدیں کر کے دنیا بھر کو حیران کر دیا اور ''سندھیانی تحریک'' کو ایشیا کی واحد سائنسی و انقلابی تنظیم کے طور پر منوایا۔ یہی رسول بخش پلیجو کے نظریاتی و سائنسی فلسفے کا کامیاب قدم اور کرشمہ تھا۔

ایوب شاہی کے زمانے میں آمریت اور مارشل لا کے خلاف پہلی چنگاری رسول بخش پلیجو صاحب نے اس فرسودہ اور غلامانہ رسم ورواج سے بغاوت کے طور پر اپنے ہی گھر سے ابتدا کرتے ہوئے اپنے ہی گھر کی ایک بہادر طالبہ کو حیدرآباد میں احتجاج کیلئے کمشنر آفس کے سامنے بٹھایا جسے گرفتار کیا گیا جو کہ سندھ و پاکستان کی پہلی سیاسی کارکن کے طور پر قید و بند کی صعوبتوں کو جھیلنے کے لئے پابندِ سلاسل کی گئی، اور جس نے جیل کہانی ''قیدیانی کی ڈائری'' جگ مشہور کتاب لکھی اور یہی ابتدا سندھ کے عام روایتی ورواجی ماحول سے بغاوت کی پہلی سنگ بنیاد بنی۔ جس نے خواتین کے دلوں سے جاگیردارانہ، غلامانہ اور آمرانہ فرسودہ نظام کا خوف دور کر کے انہیں نڈر بنا دیا اور پھر ضیائی مارشل لا کے خلاف ''ایم آر ڈی'' کی جدوجہد ہو، مشرف کے زمانے میں ''عدلیہ بحالی تحریک'' ہو، بدنامِ زمانہ شہری نسلی دہشتگردوں کے خلاف یا سندھ کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی سازش کے خلاف، جمہوریت کی بحالی یا کالا باغ ڈیم کے خلاف، جلسے جلوس، مظاہرے، دھرنے، سیمینار یا طویل لانگ مارچیں ہوں، سندھیانی تحریک نے اپنے عمل و کردار اور قیادت سے اپنا لوہا منوایا جو کہ ''پلیجو ازم'' یا ''فکرِ پلیجو'' کی عظیم و شاندار انتھک طویل جدوجہدوں کی کامیابیوں کا پیش خیمہ بنیں۔

پلیجو صاحب اپنے علم و فکر سے اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر سیاسی جدوجہدوں کے متعلق اپنی ایک منفرد پہچان رکھتے تھے۔ انکی ذہانت سے ہماری نسلِ نَو نے، علم، ادب، فن، سیاست، شاعری، زبان اور فلسفے سے بہت کچھ سیکھا اور حاصل کیا ہے اور سیاست میں اپنی ایک الگ پہچان متعارف کروائی ہے۔ پلیجو صاحب نے اپنی تحریروں، تقریروں اور جدوجہدوں کے ذریعے سندھ میں بیداری کا دیا روشن کیا۔ انکی تحریروں میں عوامی مسائل کیساتھ انکا حل بھی تجویز ہوتا تھا۔ انکی تقریروں میں عوام دشمن قوتوں کے خلاف نفرت اور للکار ہوتی تھی۔

پلیجو صاحب انتہا کے دور اندیش، فکری سوچ کے مالک نڈر و بیباک انسان تھے۔ وہ کبھی بھی

نہ جھکے نہ بکے،ان کی طبیعت میں کبھی غرور یا تکبر کا شائبہ تک نہیں دیکھا۔ حالانکہ میں انکا ڈرائیور تھا، لیکن میں نے کبھی اپنے آپ کو ڈرائیور محسوس نہیں کیا اور نہ ہی انہوں نے کرنے دیا۔ کیا انکا دلفریب اندازِ گفتگو اور اپنائیت تھی، وہ ہمیشہ مجھے ''ادا'' (بھائی) کہہ کر مخاطب ہوتے یا بلاتے، کبھی انہوں نے یہ تک نہ پوچھا کہ کس اسپیڈ پر چل رہے ہو؟ یا کونسے راستے سے چل رہے ہو؟ صرف یہ اندازِ بیاں جو کہ ''حکم'' ہوتا تھا کہ ''شانی سومرو کے ہاں چلنا ہے،اب تمہاری مرضی پر منحصر ہے، کہ وہ کہاں ہے،اس کا گھر کہاں ہے، کب تک پہنچاؤ گے؟ یہ ساری تفصیلات و معلومات حاصل کرنا تمہاری صوابدید پر ہے۔'' یہ کہتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ کر کسی ساتھی سے گفتگو کرنے لگتے یا مطالعے میں مشغول ہو جاتے۔اور دوسری جانب میں ہوتا کہ فون گھماتا، ڈرائیوری کرتا شانی کا پتہ پوچھتا اسکے گھر انہیں پہنچا دیتا۔

ایک مرتبہ ماتلی کے نواحی گاؤں ''ملہن'' میں گئے جہاں ''ادی ممتاز نظامانی'' کی تربت پہ فاتحہ پڑھنے کے بعد پلیجو صاحب اپنے منفرد انداز میں دعا کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گفتگو کرنے کیلئے وہیں قبرستان میں زمین پہ مٹی میں بیٹھ گئے لہٰذا دوستوں کو بھی اسی مٹی پر بیٹھ کر بات چیت کرنی پڑی اور تبصرے کئے۔

پلیجو صاحب نے عام لوگوں کو اپنا دوست اور ساتھی بنایا، ان سے علمی بحث مباحثے کئے، کتابیں پڑھائیں انہیں انکی ذات میں اس فرسودہ نظام کے نظر انداز کرنے والے رویے کی خلاف بغاوت پیدا کی اور انہیں تعلیم یافتہ بنا کر لیڈر بنا دیا۔ جسکی مثال انتہائی غریب گھرانے، تعلیم سے بے بہرہ کنبے کا بچہ جسے ''کمسنی'' کی عمر میں اسکا والد پلیجو صاحب کے پاس چھوڑ گیا گھر کے کام کاج کیلئے۔ پلیجو صاحب نے اسکو پڑھایا، لکھایا، سمجھایا، تعلیم و تربیت کی اور اسکی صلاحیت کے مطابق اسے ایک ''قومی فنکار'' کے روپ میں پورے پاکستان میں متعارف کرایا اور پھر ایک ذہین وکیل (قانوندان) بنایا جسے آج لوگ ''وسند تھری ایڈووکیٹ ہائی کورٹ'' کے نام سے پہچانتے ہیں۔ جسکے گائے ہوئے انقلابی و قومی گیت لاکھوں لوگوں کے ہجوم کو ایک نیا ولولہ، حوصلہ، جرأت و جوش پیدا کرتے تھے اور جس سے انقلابی ذہن تیار ہوتے تھے۔ ایسے کئی مرد و خواتین ہیں جو اس یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہو کر آج اپنی کامیاب اور باصلاحیت زندگیاں گذار رہے ہیں۔

پلیجو صاحب کی تربیت اور فکر میں کوئی رنگ، نسل، ذات پات و زبان کی اہمیت نہیں بلکہ انسان کی وقعت زیادہ تھی۔ اکثر طور پر اس سماج کے نظر انداز کئے گئے پسماندہ طبقے ہاری، مزدور،

کولہی، بھیل، میگھواڑ، لباری وغیرہ انکی محفلوں کے محور ہوتے تھے، وہ لوگ جنہیں ہمارے سماج میں کوئی اہمیت دینے کا سوچتا بھی نہیں تھا انہیں لیڈر بنا دیا، فلاسافر بنادیا، عالمی سیاست و تاریخ کا مقرر بنادیا، گھنو کولہی اسکی ایک مثال ہے، جب وہ تقریر کرے، بحث کرے یا بین الاقوامی سیاست پر بات چیت کرے تو کوئی پڑھا لکھا شخص بھی اسکے سامنے اسکی باتیں سن کر دنگ رہ جائے۔

میں خوشنصیب انسان ہوں جس نے پلیجو صاحب جیسے قدآور شخصیت کے ساتھ 26 برس اکٹھے گذارے اور سندھ و پاکستان کا چپہ چپہ گھوما، ملک کے بڑے بڑے جید سیاستدانوں اور مذہبی علماء کرام و دائیں بائیں بازو کے چرب زباں سیاستدانوں کو پلیجو صاحب کے سامنے بولتے ہوئے ان کے سوالوں کے جواب دیتے ہوئے ہچکچاتے دیکھا۔

مجھے حیرت ہوتی تھی کہ وہ سندھ کے کونے کونے میں، قصبوں اور دیہاتوں میں، دور دراز علاقوں میں زندگی کی تمام بنیادی ضروریات سے محروم علاقوں میں، کھیتوں اور کھلیانوں میں گرمیوں اور سردیوں میں بغیر کسی موسم کا اثر قبول کئے یا ٹال مٹول سے اجتناب کرتے ہوئے اپنے عزم و حوصلے اور لگن و مگن سے اپنی فکری راہ پر ہر دم گامزن رہے۔ کس طرح، عام مزدوروں، کسانوں، مڈل و لوئر مڈل کلاس کے لوگوں سے، بچوں، بوڑھوں، بزرگوں، نوجوانوں اور خواتین سے دنیاومافیہا سے الگ اپنی دھن میں انکی سیاسی و نظریاتی ذہنی تربیت اور پرورش کرتے تھے اور پھر جب اعلانِ جدوجہد کرتے تھے تو پھر سینکڑوں نہیں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں لوگوں کے جمِ غفیر کو اپنی جدوجہد میں شامل کر کے ساتھ لیکر چلتے تھے۔

پلیجو صاحب کی سوچ میں اور ان کی ''فکر'' کا مقصد ایک باشعور، ترقی پسند اور نئی سندھ کی تعمیرِ نو تھی، وہ ہمیشہ ہی مجھ سے کہتے تھے کہ ''ادا میر'' کتابیں پڑھو، جتنا بھی وقت ملتا ہے تجھے، تھوڑا تھوڑا پڑھ لیا کرو۔ اپنے کنبے کو بھی پڑھاؤ، خواتین و بچیوں کو بھی تعلیم یافتہ بناؤ۔ پھر مجھے ایک دن ایک کتاب ہاتھ میں تھمادی، کتاب کا نام تھا ''ماں'' جو کہ ناول تھا۔ چند روز بعد مجھ سے پوچھا کہ تم نے کتاب کہاں تک پڑھی؟ میں نے جواباً کہا کہ ''بابا پوری مکمل پڑھ لی۔'' جس پر وہ بہت خوش ہوئے اور دورانِ سفر مجھ سے کتاب پر تبصرہ بھی کروایا۔ بعد میں کتاب کے چند حصے مجھے یاد سنائے اور کہا پڑھنے کا مقصد، صرف پڑھنا نہیں، فارملٹی کے طور پر نہیں بلکہ اسکی تمام تر باریک بینیوں کی تہہ تک پہنچ کر اسکا مقصد سمجھنا کتاب کا اصل حاصل مقصد ہونا چاہیئے، مجھے شاباشی دی اور تاکید کی کہ آئندہ ناول، افسانے، انقلابی کہانیاں و مضمون پڑھا کرو اور پھر سفر کا مزہ لینے کیلئے مجھ

سے ان پر بحث کیا کرو اور جو کچھ بھی سمجھو وہ مجھے بھی سمجھایا کرو۔ اسطرح ہم آپس میں ایک دوسرے کے سیاسی رفیق، ساتھی، کارکن، استاد کے ساتھ شاگرد بھی بنیں گے۔ انہوں نے ہمیشہ مجھ جیسے لوگوں کی ڈھارس بندھائی، حوصلہ دیا، جرأت دی اور جستجو پیدا کی۔

رسول بخش پلیجو اپنی ذات میں نہ صرف حقیقی قوم پرست تھے بلکہ وہ ایک عالمگیریت پسند تھے۔ انہوں نے کبھی کسی مخصوص زبان، رنگ، نسل، قبیلے، ذات، مذہب یا مسلک کی نہ بیجا مخالفت کی اور نہ ہی ان کی اچھی باتوں سے کبھی انکار کیا۔ وہ دنیا بھر کے اچھے لوگوں کی تعریف کرتے، انکے کئے گئے اچھے کاموں کی تعریف کرتے بلکہ انکی غلط اور بیکار باتوں پر برملا تنقید بھی کرتے، یہی انکی سب سے بڑی خوبی تھی کہ وہ اپنے بڑے سے بڑے نظریاتی وسیاسی مخالف کی اچھی بات پر کھل کر تعریف بھی کرتے اور اپنے قریب سے قریب ترین حتیٰ کہ اپنے رشتہ داروں اور سیاسی دوستوں کے کسی غلط عمل پر سخت سے سخت اور بے رحم تنقید بھی کرتے، قطعِ نظر اسکے وہ کتنا قریبی ہے یا کتنا بڑا آدمی ہے، کہیں ناراض نہ ہو جائے۔ ناراض ہوتا ہے تو ہونے دو لیکن سچ ایمانداری سے بولنا چاہیئے۔ رسول بخش پلیجو صاحب نے کئی نادار، بے پہچ، غریب، پارٹی ورکروں یا عام لوگوں کی قانونی مدد نہ صرف کی بلکہ انہیں انصاف بھی دلایا۔

جب کسی زمانے میں شہری نسلی دہشتگردوں کے مظالم کی وجہ سے کراچی شہر کے مختلف علاقوں سے سندھیوں کو بے گھر کیا جارہا تھا تو ان بے سہارا لوگوں نے ائیرپورٹ کے قریب ''بھٹائی آباد'' کے نام سے نئی بستی بنانا شروع کر دی اور جب کراچی کے دہشتگردوں کی پالتو انتظامیہ اسکو مسمار کرنے کیلئے پولیس فورس اور بھاری گاڑیوں کے ہمراہ اس علاقے میں پہنچی تو کسی مظلوم متاثر نے پلیجو صاحب کو فون کر کے پوری روداد سنائی، اتفاق سے پلیجو صاحب اس وقت کراچی ہائی کورٹ میں موجود تھے، انہوں نے فوراً اس وقت کے چیف جسٹس ناصر اسلم زاہد صاحب کو ایک درخواست لکھ کر چیمبر میں جا کر جمع کرادی اور ساتھ ہی ان سے اس اندوہناک عمل کے خلاف قانونی چارہ جوئی کے لئے زبانی درخواست کی، جس پر ناصر اسلم زاہد صاحب نے فوراً ایکشن لیتے ہوئے انتظامیہ کو ایسا کرنے سے فون پر روکا اور پلیجو صاحب کو کہا کہ آپ فوراً جائے وقوعہ پر پہنچیں، جب تک میں بھی وہیں پہنچ رہا ہوں۔ پلیجو صاحب فوراً گاڑی میں آکر بیٹھے اور مجھے بھٹائی آباد پہنچانے کا کہا اور خود کسی سفید کاغذ پر کچھ لکھنے لگے، کچھ ہی دیر میں ہم بھٹائی آباد پہنچ گئے، جہاں ایک جانب مسلح پولیس فورس، بھاری گاڑیاں اور اعلیٰ انتظامی افسران کھڑے تھے تو

Gul Hayat Institute

دوسری جانب ڈرے سہمے علاقہ مکین لوگ اس فورس کے سامنے کھڑے تھے۔ پلیجو صاحب کو گاڑی سے اترتے دیکھ کر گویا ان میں قوت پیدا ہو گئی اور جیسے ایک امید کی ڈھارس بندھ گئی۔ لوگ دیوانہ وار پلیجو صاحب کی جانب لپکے اور انہیں سارا مدعا بیان کیا اور اپنی حالتِ زار بھی بتائی۔ انکے چہروں سے ناامیدی کی جگہ امیدِ برآں خوشی جھلک رہی تھی۔ اعلیٰ انتظامی افسران نے پلیجو صاحب سے گفتگو کرنا چاہی تو پلیجو صاحب نے ان سے صرف اتنا کہا ''یہ دھرتی کے مالک ہزاروں برس سے اسکے وارث ہیں انہیں اسطرح بے گھر کرنے کی اجازت کبھی نہیں دونگا میں ان کا وکیل بن کر قانونی مقدمہ لڑونگا، لیکن فی الحال آپ خاموشی سے بغیر کوئی ایکشن لئے کھڑے رہیں، کچھ ہی دیر میں عدالت خود یہاں آکر اپنا فیصلہ دیگی۔'' تھوڑی ہی دیر بعد تقریباً چار یا ساڑھے چار بجے کے قریب چیف جسٹس جناب ناصر اسلم زاہد صاحب خود اس بستی میں پہنچے اور ایک لیٹر کسی اعلیٰ افسر کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے انہیں نہ صرف کارروائی سے روکا بلکہ ''بھٹائی آباد'' کی تعمیر کیلئے لوگوں کو قانونی حکم نامہ بھی دے دیا، جس پر پلیجو صاحب نے جناب چیف جسٹس کا شکریہ ادا کیا۔ اس موقع پر مکینوں کے چہروں پر خوشی کی ریکھائیں قابل دید تھیں۔

رسول بخش پلیجو صاحب نے سندھ میں امن امان کے قیام، بدامنی وجبری مشقت کے خلاف اور خواتین و بچوں کے حقوق کیلئے آواز بلند کی۔ ان کا کہنا تھا کہ انسان ازل سے آزاد ہے یہ نام نہاد شرفاً، میر، پیر، وڈیرے جاگیرداروں کے گماشتے ظلم و جبر کرتے ہوئے لوگوں کو تعلیم و شعور سے لاتعلق رکھتے ہوئے ان پر انسانیت سوز مظالم کے ذریعے انہیں اپنا غلام بنائے ہوئے ہیں۔ خواتین کو شرعاً، قانوناً پسند کی شادی کرنے کا پورا حق حاصل ہے تو پھر یہ کاروکاری، وٹہ سٹہ اور بدی و بے جوڑ کی ناکام زبردستی شادیوں کی رسم ترک ہونی چاہیئے۔

انہوں نے مخصوص، منفرد اور فلسفیانہ انداز میں بھٹائیؒ کو ایک پیر و بزرگ کے بجائے انکی شاعری کو اپنی علمی دانست اور فکر کے ذریعے نہ صرف سندھ و پاکستان بلکہ دنیا بھر میں ایک انقلابی، جستجو کرنے والا، حوصلہ دینے والا، جدوجہد کرنے والا، لوگوں کو مایوسی کے اندھیروں سے نکال کر جرأتمندی سے اپنے حقوق کی جنگ لڑنے، مر مٹنے، نہ جھکنے اور شکست کو فتح میں تبدیل کرنے جیسی شاعری کو منفرد انداز میں پیش کیا، جس سے مذہبی ٹھیکیداروں اور انتہاپسندوں نے پلیجو صاحب اور شیخ ایاز کے خلاف کفر کے فتوے جاری کئے جس کے جواب میں انہوں نے ایک شاہکار تنقیدی کتاب ''اندھا اوندھا ویج'' لکھ کر تمام مخالفین اور فتویٰ سازوں کی بولتی بند کر دی اور پھر پورے

Gul Hayat Institute

سندھ میں ''جشنِ لطیف'' کے نام سے بڑے بڑے اجتماعات کر کے بھٹائی کی شاعری کو پیغام کے طور پر گاؤں گاؤں پھیلا دیا۔ بھٹائیؒ کے مشکل الفاظ کو عام فہم انداز میں بیان کرتے ہوئے ان کی شاعری کے لہجے کو سلیس زبان میں لوگوں تک پہنچایا۔ رسول بخش پلیجو صاحب نے کسی جگہ لکھا ہے کہ: ''تاریخ کے اس موڑ تک بنی نوعِ انسان کی بڑی اکثریت کی دنیا دکھوں کی ہے، اسی لئے دنیا میں سب سے بڑا مضبوط انسانی رشتہ سکھوں کا نہیں دکھوں کا ہے۔''

انہوں نے سوچ سمجھ کر، دانستہ طور پر اپنا ذہنی و فکری رشتہ اس اکثریتی طبقے سے جوڑا، جن کی زندگی کا پل پل دکھوں، عذاب اور تکلیف میں گذرتا ہے، اکثریتی عوام پر زبردستی مسلط کئے گئے عذابوں اور تکالیف کو کم کرنے کیلئے انہوں نے اپنی پوری زندگی عوام کیلئے جدوجہد کرنے میں وقف کر دی۔ پلیجو صاحب کے علم، دانش، فکر، ادب، جدوجہد، سیاست پر انکی تحریروں، تقریروں، بے شمار و عظیم الشان جدوجہدوں اور کارناموں پر اور ہزاروں لاکھوں لوگوں کے ساتھ کی گئی گفتگوؤں کے ذریعے نوجوانوں، بوڑھوں، بزرگوں، بچوں، کسانوں اور خواتین کو انقلابی نظریے سے مسلح، انہیں متحد و منظم کر کے وطن اور عوام کیلئے جدوجہد کرنے کا حوصلہ بخشنے کے عمل پر غور و خوض کیا جائے، اور اسکی گہرائی ناپنے کی کوشش کی جائے تو ہمیں جناب رسول بخش پلیجو صاحب کائنات کی مانند وسیع و عریض لگتے ہیں۔ انکی سادگی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ گلشن حدید میں تھے، باورچی نہیں تھا، ہائی کورٹ میں تاریخ لگی ہوئی تھی، صبح صبح ادی زاہدہ نے ناشتہ تیار کیا اور پلیجو صاحب ناشتے اور چائے کی ٹرے ہاتھ میں اٹھائے میرے قریب آئے اور مجھے نیند سے جگاتے ہوئے کہنے لگے: ''ادا میر! اٹھو جلدی سے ناشتہ کر لو ہمیں ہائی کورٹ پہنچنا ہے۔'' بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کی طبیعت میں اس قدر سادگی تھی کہ وہ خود کو دوسروں سے اُتم نہیں سمجھتے تھے۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ: ''ہم سب برابر ہیں۔ بڑا آدمی وہ نہیں جو صرف اپنی ذات کیلئے جیتا ہے، بلکہ بڑا اور عظیم انسان وہ ہے جو قوم کیلئے جیتا ہے، کمزوروں کا سہارا ہے، ناداروں کا مددگار ہے، تاریخ ساز شخصیت ہے۔''

جناب رسول بخش پلیجو سندھ میں پیدا ہونے والے اس خطے کے وہ عظیم رہنماٗ تھے، جنہیں کبھی بھلایا نہیں جاسکتا۔

فکرِ پلیجو زندہ باد، نظریہ پلیجو پائندہ باد

(نوٹ: راقم جناب رسول بخش پلیجو کے دیرینہ ساتھی اور بطور ڈائیور انکے ساتھ طویل عرصہ تک رہے ہیں۔)

عجیب آدمی تھا وہ
وہ خواب سے یہ کہتا تھا
کہ تجھ کو سچ کروں گا میں
وہ عارضوں سے کہتا تھا
میں تیرا ہم سفر ہوں
تیرے ساتھ ہی چلوں گا میں
تو چاہے جتنی دور بھی بنا لے اپنی منزلیں
کبھی نہیں تھکوں گا میں
Gul Hayat Institute
RASOOL BUX PALIJO
1930~2018
Graphics Mazhar Bapar

اداریے

Gul Hayat Institute

مزاحمتی سیاست کا ایک اور باب تمام ہوا۔۔۔

عوامی تحریک کے بانی سربراہ رسول بخش پلیجو 88 برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ ممتاز قانون دان، متعدد کتب کے مصنف اور کئی ملک گیر سیاسی تحریکوں میں انتہائی فعال کردار ادا کرنے والے رسول بخش پلیجو کافی عرصہ سے علیل تھے۔ان کا انتقال کلفٹن میں واقع ایک نجی اسپتال میں ہوا۔ وہ سانس، دل اور سینے کے عارضے میں مبتلا تھے۔ سندھ کی قوم پرست جماعت 'عوامی تحریک' کے بانی سربراہ کی تدفین آج شام ان کے آبائی علاقے جنگشاہی ٹھٹہ میں کی جائے گی۔ رسول بخش پلیجو 20- جنوری 1930ء کو ٹھٹہ کے علاقے جنگ شاہی میں پیدا ہوئے تھے۔ رسول بخش پلیجو اس عوامی نیشنل پارٹی کے جنرل سیکریٹری تھے جس کے صدر خان عبدالولی خان تھے۔ آصف علی زرداری کے والد مرحوم حاکم علی زرداری اس جماعت کے سندھ میں جنرل سیکریٹری تھے۔

رسول بخش پلیجو نے بعض سندھی ادیبوں و شعرا کے ہمراہ سندھی عوامی تحریک کے نام سے 1970ء میں ایک تنظیم کی بنیاد رکھی۔ یہیں سے ان کی عملی سیاست کا آغاز ہوا۔ سندھ مدرستہ الاسلام کراچی سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد سندھ لاء کالج سے گریجویشن کرنے والے رسول بخش پلیجو نے بحیثیت وکیل بھی کام کیا۔ رسول بخش پلیجو نے ون یونٹ کے خاتمے اور ایم آر ڈی (تحریک بحالیء جمہوریت) میں سرگرم کردار ادا کیا۔ انہوں نے سندھ میں خواتین سیاست کو منظّم کیا اور طلبہ سیاست کو فعال کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ اس ضمن میں ان پر تنقید بھی ہوئی۔ 1983ء کی ایم آر ڈی تحریک کے دوران ان کے سیاسی روابط پیپلز پارٹی سے اچھی طرح مستحکم ہو گئے تھے۔ پیپلز پارٹی کی قیادت نے 1988ء کے عام انتخابات میں جب ان کے مدِّمقابل اپنا امیدوار ٹھٹہ سے میدان میں اتارا تو وہ اس طرح ناراض ہوئے کہ پھر کبھی نہیں مانے۔ زندگی کے گیارہ قیمتی سال جیلوں کی نذر کرنے والے رسول بخش پلیجو نے کوٹ لکھپت جیل میں قید کے دوران ڈائری لکھی

Gul Hayat Institute

جو عوامی حلقوں میں بیحد پسند کی گئی۔ سندھی زبان میں شائع ہونے والی ان کی ڈائری کو بیرون ملک بھی پذیرائی ملی۔ کتب بینی کے شوقین رسول بخش پلیجو نے 26 سے زائد کتب قلمبند کیں۔ 'رسول بخش پلیجو کی مکمل تحریریں' کے عنوان سے ان کی تمام کتب کو تین جلدوں میں یکجا کر کے ''سیاسی ادب'' کے نام سے شائع کیا جا چکا ہے۔ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں بحیثیت وکیل پیش ہونے کا وسیع تجربہ رکھنے والے رسول بخش پلیجو کا نام 2013ء کے عام انتخابات سے قبل نگراں وزیر اعظم کے طور پر بھی زیر غور آیا تھا۔

(بشکریہ ہم نیوز)

ایک انقلابی کا تاریخی جنازہ

سندھ کے بزرگ سیاستداں اور ادیب رسول بخش پلیجو کے تاریخی جنازے نے ملک بھر میں سول سوسائٹی، شعراء، اساتذہ اور ادیبوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔

کامریڈ پلیجو کے سیاسی مخالفین بھی ان کے جنازے کے مناظر دیکھ کر ان کو خراجِ عقیدت پیش کیئے بغیر نہ رہ سکے۔ رسول بخش پلیجو کے جنازے میں صرف ان کی سیاسی جماعت کے لوگ ہی شامل نہیں تھے بلکہ ان کی فکر سے متاثرہ ہزاروں افراد نے اپنے محبوب قائد، استاد اور ایک غیر معمولی شخصیت کو الوداع کہا۔

جنازے کی ایمبولینس کو سلامی دینے کے لیے سڑک کے دونوں اطراف میں ہزاروں مرد و خواتین اور بچے بوڑھے قطاریں بنا کر کھڑے تھے اور یہ سب خود روانداز میں کیا گیا تھا، ایک انتہائی منظّم اور پُر ہجوم جنازہ تھا۔ اس سے قبل ماضی قریب کی تاریخ میں ایسا منظر نہیں دیکھا گیا۔

رسول بخش پلیجو کی ابتدائی پہچان سندھ کے قوم پرست سیاستداں کی تھی۔

(بشکریہ پاکستان-24)

Gul Hayat Institute

پلیجو: ایک بڑے دانشور، فلسفی، نقاد، وکیل

سینئر سیاست دان اور عوامی تحریک کے بانی رسول بخش پلیجو گزشتہ روز کراچی میں انتقال کر گئے۔ ترجمان عوامی تحریک کے مطابق 88 سالہ رسول بخش پلیجو طویل عرصے سے علیل تھے، وہ سانس، دل اور سینے میں تکلیف کی شکایت کی وجہ سے کلفٹن میں نجی اسپتال میں زیرِ علاج تھے۔ رسول بخش پلیجو کی میت کو آبائی علاقے جنگ شاہی لے جایا جائے گا اور وہیں ان کی نماز ادا کی جائے گی۔ بلاشبہ رسول بخش پلیجو کی شخصیت پاکستانی سیاست میں اہم مقام کی حامل تھی۔

ان کی پہچان صرف ایک سیاستدان ہی کی نہیں، بلکہ وہ پاکستان کے ایک بڑے دانشور، فلسفی، ادیب، نقّاد، وکیل اور محقق بھی تھے۔ رسول بخش پلیجو 20- جنوری 1930ء کو ٹھٹہ کے منگر خان پلیجو گاؤں میں پیدا ہوئے۔

انہوں نے ابتدائی تعلیم ٹھٹہ سے حاصل کی، جب کہ اعلیٰ تعلیم کراچی کے سندھ مدرسۃ الاسلام سے حاصل کی، بعدازاں سندھ لاء کالج سے گریجویشن، اور سپریم کورٹ میں وکیل کی حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دیں۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے، انہوں نے سندھی زبان میں 26 کتابیں لکھیں۔ صرف 15 سال کی عمر میں انہوں نے اردو، انگریزی اور سندھی زبانوں پر عبور حاصل کر لیا تھا، جب کہ ہندی، فارسی، عربی، پنجابی، بنگالی، سرائیکی اور دیگر کئی زبانوں کو سمجھ اور بول سکتے تھے۔

انہوں نے 1970ء میں سندھی عوامی تحریک نامی تنظیم سے سیاست کا آغاز کیا۔ انہوں نے ون یونٹ کے خاتمے اور بحالیٔ جمہوریت تحریک میں سرگرم کردار ادا کیا اور سندھ میں پہلی بار سندھیانی تحریک کے پلیٹ فارم سے خواتین کو سیاست میں متحرک کیا۔

رسول بخش پلیجو صنفی امتیاز اور خواتین پر تشدد کے سخت خلاف تھے، اپنے سیاسی پلیٹ فارم

Gul Hayat Institute

سے انہوں نے کئی بار کاروکاری، مذہب کی جبری تبدیلی اور خواتین پر تشدد کے خلاف آواز اٹھائی۔ وہ بربریت و وحشت پر مشتمل انسان دشمن، سماج دشمن قوانین کے خلاف تھے، اور طاقت و جبر والے سماج کو مسمار کر کے انسان دوست معاشرے کا قیام ضروری سمجھتے تھے۔

رسول بخش پلیجو نے سیاسی زندگی کے 11 سال مختلف جیلوں میں گزارے۔ انہوں نے کوٹ لکھپت جیل میں قید کے دوران ایک ڈائری لکھی، جو سیاسیات کے طالب علموں کے لیے رہنما ہے۔ بلاشبہ رسول بخش پلیجو کی رحلت قومی سیاست کا بڑا نقصان ہے۔

(بشکریہ ایکسپریس)

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو-بااصول، باکردار، ضمیر کا قیدی

بائیں بازو کے ممتاز معمر سیاستداں جناب رسول بخش پلیجو نے 20 جنوری 1930ء کو گوٹھ منگر خان پلیجو جنگشاہی ضلع ٹھٹہ میں جنم لیا، ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے اسکول سے حاصل کی، بعد ازاں انہوں نے سندھ مدرستہ الاسلام کراچی اور سندھ مسلم لاء کالج کراچی سے قانون میں گریجویشن کی۔ وہ طالب علمی کے زمانے سے لیکر سیاست اور وکالت میں انتہائی ذہین تصّور کئے جاتے رہے ہیں۔ ان کی پہچان ایک اچھے سیاستدان، قانونی ماہر، ادیب، شاعر اور تخلیق کار شخصیت کے روپ میں سامنے آئی ہے۔ رسول بخش پلیجو لوگوں کی رائے سننے اور دوٹوک بات کرنے کے عادی ہیں۔ کسی زمانے میں ان کے نظریات سے وابستہ سیاسی کارکن لباس اور گفتگو میں دور سے پہچانے جاتے تھے۔ سندھ میں سیاسی پیدل لانگ مارچ عملی طور پر انہوں نے متعارف کرایا، جس طرح پاکستان کی سیاست سے نظریات، اصولوں، اجتماعی سوچ، اعتماد، مستقل مزاجی اور صبر و تحمل ختم ہو گیا، اسی طرح ان خیالات کے اثرات رسول بخش پلیجو کی جماعت پر بھی پڑے ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے سندھ کی سیاست پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ رسول بخش پلیجو نے اپنی سیاسی جدوجہد کے دوران تقریباً 11 سال جیل میں گزارے ہیں، ایم آر ڈی تحریک کے نتیجے میں 1980ء میں وہ کوٹ لکھپت جیل میں بھی رہے۔ رسول بخش پلیجو کو 1981ء میں ایمنسٹی انٹرنیشنل نے ضمیر کا قیدی قرار دیا تھا۔ ایک مرتبہ رسول بخش پلیجو کی قیادت میں ایک ریلی نکالی گئی تھی، ریلی کے شرکاء کو گورنر ہاؤس تک پہنچنا تھا۔ ریلی صدر سے گزر رہی تھی اور ریلی کے پیچھے پولیس لگی ہوئی تھی۔ پولیس کی کوشش تھی کہ ریلی کو یہاں روک لیا جائے یا اس کا کسی نہ کسی طرح رخ تبدیل کیا جائے تاکہ ریلی گورنر ہاؤس تک نہ پہنچ سکے اور ریلی کے شرکا کو پر امن طور پر ادھر اُدھر منتشر کر دیا جائے۔ اسی دوران ریلی کی کوریج کے لئے آئے ہوئے کچھ فوٹو

Gul Hayat Institute

گرافرز نے پلیجو صاحب سے مطالبہ کیا کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے ریلی کو روکیں تاکہ وہ کچھ تصاویر بنالیں، لیکن پلیجو صاحب ریلی کو روکنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ ریلی اپنی اسپیڈ سے چلتی رہی، ہم بھی وہیں موجود تھے۔ فوٹو گرافروں نے مجھ سے رابطہ کیا تاکہ میں کچھ اس سلسلے میں ان کی مدد کر سکوں۔ جب میں نے پلیجو صاحب سے رابطہ کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے پیچھے پولیس لگی ہوئی ہے، ہمیں تصاویر کی ضرورت نہیں، منزل پر پہنچنا ہے۔ پلیجو صاحب نے ریلی روکنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس طرح ریلی منزل پر پہنچی۔ رسول بخش پلیجو کی طبیعت ٹھیک نہیں، وہ کافی کمزور ہو چکے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً 86سال ہے۔ انہوں نے ایک سے زائد مرتبہ سکھر سے کراچی تک احتجاجی پیدل لانگ مارچ اپنی قیادت میں کیا اور ہر وقت کارکنوں کے ساتھ رہے۔

پاکستان کی سیاسی تاریخ کے صفحہ پر رسول بخش پلیجو کا نام درج ہے۔ انہوں نے بڑی طویل جدوجہد کی ہے، جب خان عبدالولی خان عوامی نیشنل پارٹی کے صدر تھے تو رسول بخش پلیجو پارٹی کے سیکریٹری جنرل تھے، جبکہ حاکم علی زرداری اس جماعت کے سندھ میں جنرل سیکریٹری تھے۔ بزم صوفیائے سندھ کا جب قیام ہوا تو سائیں جی ایم سید اس کے صدر اور رسول بخش پلیجو جنرل سیکریٹری تھے۔ رسول بخش پلیجو نے 1970ء میں سندھ میں اپنی نئی سیاسی جماعت سندھی عوامی تحریک کی بنیاد رکھی تو سندھ کے مقبول ترین ترقی پسند شاعر شیخ ایاز ان کے نائب صدر تھے۔ رسول بخش پلیجو نے ون یونٹ کے خاتمے اور فوجی آمر جنرل ضیاالحق کے مارشل لاء کے خلاف چلنے والی تحریک بحالیٔ جمہوریت یا ایم آر ڈی کی تحریک میں نمایاں اور سرگرم کردار ادا کیا۔ انہوں نے سندھ میں جدید انداز میں تنظیم سازی کی۔ خاص طور پر سندھ کی خواتین کو سیاست میں متحرک کیا۔ ان کی جیل کی ڈائری جو کتاب کی شکل میں شائع ہوئی، بڑی مقبول ہوئی تھی۔ انہوں نے تقریباً 26 کتابیں لکھی ہیں۔ رسول بخش پلیجو نے پیپلز پارٹی سے مل کر تحریک بحالیٔ جمہوریت میں بھرپور حصہ لیا لیکن 1988ء کے انتخابات ہوئے تو پیپلز پارٹی نے ضلع ٹھٹہ میں ان کے مقابلے میں اپنا امیدوار کھڑا کر دیا۔ رسول بخش پلیجو نے کئی سیاسی اور سماجی تنظیموں کی بنیاد ڈالی، جن میں چند یہ ہیں۔ عوامی نیشنل پارٹی، سندھ متحدہ محاذ، سندھ قومی اتحاد، بزم صوفیائے سندھ، پونم، سندھی عوام کا قومی اتحاد، سجاگ بار تحریک، عوامی جمہوری تحریک، اینٹی کالا باغ ڈیم ایکشن کمیٹی، سندھی ادبی سنگت، اینٹی ون یونٹ تحریک، پاکستان عوامی تحریک، سندھی مزدور تحریک، اینٹی گریٹر تھل کینال ایکشن کمیٹی، سندھیانی تحریک شامل ہیں۔ سندھ کی سیاست پر آج بھی رسول بخش پلیجو کے گہرے اثرات موجود ہیں۔

(بشکریہ فیملی میگزین)

اصول پرست اور نظریاتی سیاستدان
رسول بخش پلیجو رخصت ہوئے۔۔۔!

ملک کے ممتاز سیاستدان، معروف دانشور، لائق و فائق وکیل، مؤرخ، متعدد کتابوں کے مصنف کثیر اللسان شاعر، لکھاری، مقرر اور ادبی شخصیت رسول بخش پلیجو، جمعرات 7 جون کی صبح کلفٹن کراچی کے ایک نجی اسپتال میں انتقال کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ وہ زندگی کی 88 بہاریں دیکھ چکے تھے۔ بہت سے لوگ انہیں ایک نڈر اور بے باک دانشور کے طور پر جانتے ہیں جنہوں نے مسلسل کئی سیاسی معرکوں کی قیادت کی اور بے خوف سیاسی مزاحمت کی علامت کے طور پر اُبھر کر سامنے آئے۔ وہ کمیونسٹ نظریات سے متاثر تھے اور سندھ کے حقوق کی بازیابی ان کی پوری زندگی کی جدوجہد کا مرکز و محور بھی۔ بلاشبہ رسول بخش پلیجو کو سندھ کا قومی ہیرو قرار دیا جا سکتا ہے۔ امراض قلب اور سانس کے عوارض میں مبتلا ہونے کے بعد وہ ایک طویل عرصے سے کراچی کے ایک اسپتال میں زیر علاج تھے۔ جمعہ کے روز انہیں ضلع ٹھٹھ میں واقع جنگ شاہی کے قریب ان کے آبائی گاؤں منگر خان پلیجو کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

Gul Hayat Institute

رسول بخش پلیجو 20 - جنوری 1930ء کو اسی گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ مقامی مدرسے اور اسکول سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے کراچی کے سندھ مدرستہ الاسلام سے ثانوی تعلیم مکمل کی اور پھر سندھ مسلم لاء کالج سے قانون کی ڈگری لی۔ کامریڈ حیدر بخش جتوئی کی سندھ ہاری کمیٹی میں شمولیت سے 1953 میں انہوں نے اپنے سیاسی کیریئر کا آغاز کیا پھر 1964ء میں پلیجو کالعدم نیشنل عوامی پارٹی میں اس وقت شامل ہوئے جب ون یونٹ سسٹم کے خلاف عوامی غیظ و غضب بہت زیادہ عروج پر پہنچ گیا تھا اور اس دوران نعپ کے کچھ رہنماؤں سے ان کے اختلافات پیدا ہوئے جس کے بعد انہوں نے جی ایم سید کی بزم صوفیائے سندھ میں جنرل سیکرٹری

کی حیثیت سے خدمات کا آغاز کیا۔ مارچ 1970ء میں رسول بخش پلیجو نے اپنی سیاسی تنظیم عوامی تحریک کی بنیاد رکھی اور تادمِ مرگ وہ اس کے سربراہ رہے۔ جنرل یحیٰ خان کے دور میں وہ سابق مشرقی پاکستان میں فوجی آپریشن کے سخت مخالفین میں شامل تھے۔ بعد میں جب ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت قائم ہوئی اور بلوچستان میں فوجی کارروائی کا آغاز ہوا اس وقت بھی انہوں نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی تھی۔ مارشل لاء کی مخالفت کرنے اور بھٹو کے بعض سیاسی فیصلوں کے خلاف آواز اٹھانے پر انہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے جانا پڑا تھا۔ 1960ء اور 1979ء کے دوران انہوں نے ساڑھے چار سال جیل میں گزارے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے انہیں بعض بلوچ اور پختون رہنماؤں کی حمایت کرنے پر، (جنہیں وہ پابند سلاسل کرنا چاہتے تھے)، پلیجو کو 11 ماہ کیلئے جیل بھیج دیا تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ضیاءالحق کے دور میں جب بھٹو کی پھانسی کی راہ ہموار کی جارہی تھی، رسول بخش پلیجو نے اس کے خلاف زبردست تحریک چلائی اور ضیاء حکومت نے ایک بار پھر انہیں جیل بھیج دیا۔ ضیاءالحق کے مارشل لاء کے خلاف سب سے بڑا جلسہ عام 1979ء میں پلیجو اور فاضل راہو نے ضلع بدین میں منعقد کیا تھا جس کی پاداش میں انہیں 6 سال قید میں رہنا پڑا اور ایمنسٹی انٹرنیشنل نے انہیں ''ضمیر کا قیدی'' قرار دیا۔ اپنی رہائی کے بعد انہوں نے بحالی جمہوریت کی تحریک M.R.D کے کنوینر کے طور پر پنجاب کا دورہ کر کے ضیاء حکومت کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی کوششوں کے نتیجے میں ایم آر ڈی کے رہنماؤں نے ایک قرارداد منظور کی جس میں یہ کہا گیا تھا کہ جمہوریت کی بحالی کے بعد وفاقی حکومت صرف چار حکومتی شعبے اپنے پاس رکھے گی اور دیگر تمام امور صوبوں کے سپرد کر دیئے جائیں گے۔ 1989ء میں جب پیپلز پارٹی نے متحدہ قومی موومنٹ کے ساتھ سیاسی معاہدہ کیا تھا اس وقت بھی رسول بخش پلیجو نے اس کی مخالفت کی تھی اور کہا تھا کہ یہ اقدام حکومت کیلئے سود مند نہیں ہوگا۔ پلیجو نے سندھی قوم پرست کی حیثیت سے 1991ء اور 1995ء میں کالا باغ ڈیم کی تعمیر کے خلاف سکھر سے کراچی تک دو لانگ مارچز کی قیادت کی تھی۔ اس کے بعد پرویز مشرف حکومت کے خلاف بھی انہوں نے دو بار کراچی تک لانگ مارچ کی قیادت کی۔ آخری لانگ مارچ انہوں نے 2017ء میں سندھ کے مسائل کے حل کے سلسلے میں تھرپارکر سے کراچی تک کیا تھا۔ رسول بخش پلیجو نے مختلف موضوعات پر تین درجن سے زیادہ کتابیں تصنیف کی ہیں جبکہ وہ امریکا، برطانیہ، روس اور بھارت کی مختلف یونیورسٹیز میں لیکچر زدے چکے ہیں۔

Gul Hayat Institute

1986ء میں عوامی نیشنل پارٹی میں شمولیت کے بعد 1988ء اور 1990ء میں انہوں نے اس پلیٹ فارم سے قومی اسمبلی کی نشست کیلئے دو بار انتخابات میں حصہ لیا تھا۔ سیاسی جدوجہد کے دوران انہوں نے اپنی پارٹی عوامی تحریک کو فعال بنانے کی ہر ممکن کوشش کی اور سماجی تبدیلی کیلئے ذاتی طور پر سیاسی کارکنوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا۔ آج بہت بڑی تعداد میں وکلا اور جج ان کے پیروکاروں میں شامل ہیں۔ عوامی تحریک کی ایک ذیلی تنظیم سندھیانی تحریک قائم کرکے انہوں نے سندھ کی خواتین کو سیاسی میدان میں آگے بڑھنے کا موقع فراہم کیا۔ 2013ء میں جب ان کی صحت ساتھ چھوڑنے لگی تو ان کے صاحبزادے ایاز لطیف پلیجو نے عوامی تحریک کی صدارت سنبھالی اور اسے قومی عوامی تحریک کا نیا نام دیا۔

رسول بخش پلیجو ماضی کے ان اصول پرست اور نظریاتی سیاستدانوں میں شامل تھے جو سخت مشکلات اور تکالیف برداشت کرتے تھے لیکن دور حاضر کے سیاستدانوں کی طرح محض ذاتی و سیاسی مفادات کی خاطر اپنے نظریات اور اصولوں پر سودے بازی نہیں کرتے تھے۔ جس چیز کو وہ اپنی دانست میں درست اور برحق سمجھتے اس پر آخر دم تک قائم رہتے اور اس پر کسی مصلحت اور تعلقات کو خاطر میں نہیں لاتے۔ یہی وہ وجہ تھی جس کی بنا پر عمر کے آخری دور میں رسول بخش پلیجو نے اب سے تقریباً دو سال پہلے سیاسی و نظریاتی اختلافات کی بناء پر اپنے سگے بیٹے ایاز لطیف پلیجو سے اپنی سیاسی راہیں جدا کرلی تھیں اور اپنی سیاسی پارٹی عوامی تحریک کو اپنے بیٹے کی سیاسی جماعت قومی عوامی تحریک میں ضم کرنے کا فیصلہ واپس لے کر عوامی تحریک کو دوبارہ بحال کرنے کا اعلان کیا تھا۔ ایسے اصول پرست سیاستدان اب خال خال نظر آتے ہیں۔ بلاشبہ رسول بخش پلیجو کی رحلت قومی سیاست کا ایک بڑا نقصان ہے۔

(بشکریہ اخبار جہاں)

Gul Hayat Institute

ماضی
کے
جھروکے

Gul Hayat Institute

ANN - 22/6/86

ضیا اقتدار چھوڑ دیں

اصل آئین کے تحت انتخابات کرائے جائیں حکومت اور موجودہ اسمبلیاں مارشل لا کا تسلسل ہیں جنہیں عوام نے مسترد کر دیا

ایم آر ڈی غیر رجسٹرڈ جماعتوں پر پابندی قبول نہیں کریگی مرکزی کمیٹی کی قرارداد میں ۵ جولائی کو یوم سیاہ منایا جائے گا۔ رسول بخش پلیجو

راولپنڈی ۲۱ جون (نمائندہ امن / پ پ ا) ایم آر ڈی کی سنٹرل ایکشن کمیٹی نے مطالبہ کیا ہے کہ غیر جماعتی بنیاد پر قائم ہونے والی نام نہاد سول حکومت ختم کر کے جنرل ضیاء الحق فوراً اقتدار چھوڑ دیں ۱۹۷۳ء کے آئین اور جولائی ۱۹۷۷ء کے انتخابی قواعد کے مطابق فی الفور ملک میں نئے انتخابات کرا کے اقتدار عوام کے حقیقی نمائندوں کے حوالے کیا جائے یہ مطالبات ایم آر ڈی کی سنٹرل ایکشن کمیٹی کے دو روزہ اجلاس میں منظور کی جانے والی قراردادوں میں کئے گئے یہ قراردادیں ایم آر ڈی کے کنوینر جناب رسول بخش پلیجو نے آج یہاں ایک پریس کانفرنس میں جاری کیں قراردادوں میں کہا گیا کہ حکومت اور موجودہ اسمبلیوں کو عوام کا اعتماد حاصل نہیں یہ مارشل لا حکومت کا تسلسل ہیں قومی اسمبلی کے اسپیکر کی برطرفی اور وزیر اعظم محمد خان جونیجو کے خلاف ریفرنس کو غیر موثر بنانے کیلئے صدارتی آرڈیننس کا اجراء ایسی مثالیں ہیں جن سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ملک میں فرد واحد کی حکومت ہے آئین میں آٹھویں ترمیم کے ذریعہ آمریت نافذ کر دی گئی ہے ۱۹۷۳ء کا آئین تبدیل کر کے اسے ۱۹۸۵ء کا آئین بنا دیا گیا ہے جو نہ جمہوری ہے اور نہ پارلیمانی بلکہ صدارتی ہے قراردادوں میں کہا گیا ہے کہ قوم نے موجودہ نظام کو مسترد کر دیا ہے ایم آر ڈی غیر رجسٹرڈ سیاسی جماعتوں پر کسی قسم کی پابندی برداشت نہیں کریگی اگر حکومت نے کسی جماعت کی سرگرمیوں پر پابندی عائد کی تب بھی جدوجہد جاری رکھی جائے گی امن وامان کی صورتحال پر سخت تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ حکومت شہریوں کی جان ومال کا تحفظ کرنے میں ناکام ہو چکی ہے۔ دن دہاڑے قتل، اغوا، لوٹ مار اور ڈکیتی کی وارداتیں حکومت کی ناکامی کا ثبوت ہیں۔ ڈاکوؤں کی سرکوبی کے نام پر سندھ میں جو آپریشن کیا جا رہا ہے اس کا مقصد سیاسی کارکنوں کو ہراساں کرنا ہے۔ دوسری جانب سرحدوں کی صورتحال بھی انتہائی خراب ہے مسلح افواج جن پر قومی خزانہ سے بڑی رقم خرچ کی جاتی ہے ملک کا دفاع کرنے میں ناکام رہی ہیں۔ اس کا واضح ثبوت افغان طیاروں کی آئے دن کی فضائی خلاف ورزیاں اور سیاچن گلیشیر پر بھارت کا قبضہ ہے بجٹ کے متعلق قرارداد میں کہا گیا کہ یہ صنعت کاروں اور جاگیرداروں کا بجٹ ہے جس سے عام آدمی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا بلکہ اس کی زندگی مزید اجیرن ہو جائے گی۔ ایم آر ڈی کے اجلاس میں منظور کی گئی قراردادوں میں پی ایس ایف سندھ کے صدر نقیر اقبال سمانی کے قاتلوں کو گرفتار کر کے سخت سزا دینے اور پشتون خواہ نیپ کے صدر محمود خان اچکزئی اور ان کے ساتھیوں کے خلاف قائم مقدمات ختم کر کے ان کی رہائی کا بھی مطالبہ کیا گیا۔

اخبار نویسوں سے گفتگو

پریس کانفرنس کے بعد اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے ایم آر ڈی کے کنوینر جناب رسول بخش پلیجو نے کہا کہ پانچ جولائی کو مارشل لا سے اظہار نفرت کے لئے ہر سال ایم آر ڈی یوم سیاہ مناتی ہے اس سال بھی حسب سابق یوم سیاہ منایا جائے گا۔ انہوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ حکمرانوں نے عوامی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے ملک میں انتخابات نہ کرائے تو عوام خود یہ مطالبہ تسلیم کرا لیں گے۔ انہوں نے اس بات کو غلط قرار دیا کہ ایم آر ڈی نے اپنی سنٹرل ایکشن کمیٹی کے اجلاس میں اختلافات دور کرانے کے لئے کوئی کمیٹی قائم کی ہے۔

بی بی سی

بی بی سی نے آج رات اپنی اردو نشریات میں بتایا کہ ایم آر ڈی کا دو روزہ اجلاس رکن جماعتوں کی جانب سے کئے جانے والے

باقی صفحہ کالم ۲ پر

بقیہ: ایم آر ڈی

اتحاد کے نئے مظاہرے کے بعد ختم ہو گیا پیپلز پارٹی کی قائد آنسہ بے نظیر بھٹو کے ایم آر ڈی سے متعلق غیر واضح رویّہ کے باوجود الائنس نے اپنے اجلاس میں بعض اہم فیصلے کئے جن میں صوبائی خود مختاری کا معاملہ بھی شامل ہے بی بی سی نے ایم آر ڈی کے بعض رہنماؤں کے مختصر انٹرویو بھی نشر کئے جو اسکے اسلام آباد میں متعین نامہ نگار جارج آرمنی نے آج ان سے لئے تھے۔ تحریک بحالی جمہوریت کے کنوینر جناب رسول بخش پلیجو نے کہا کہ ایم آر ڈی کے قیام کا مقصد ابھی پورا نہیں ہوا ہے مارشل لا کے خاتمہ کے باوجود ملک میں اب بھی بہت سے سیاسی اسیر موجود ہیں ہمیں اپنے مقاصد کے حصول کے لئے طویل جدوجہد کرنا ہو گی مسلم لیگ خواجہ خیر الدین گروپ کے سیکریٹری جنرل ملک قاسم نے کہا کہ ہم فوری انتخابات چاہتے ہیں یہ ایم آر ڈی کا موقف ہے ہمیں اپنے اتحاد کے ذریعہ یہ بات ثابت کرنا ہو گی کہ ہم انتخابات سے قبل اس کے دوران اور اسکے بعد بھی متحد رہیں گے۔

نوائے وقت 20/6/86

ایم آر ڈی کے اجلاس کی جھلکیاں۔

گرما گرم بحث

تحریک استقلال کا اچانک فیصلہ

بزنجو کا فضل الرحمن سے شکوہ

راولپنڈی ۱۹ جون (خصوصی رپورٹ) ایم آر ڈی کی مرکزی مجلس عمل کے اجلاس کے سلسلے میں سیٹلائٹ ٹاؤن میں حاجی محمد اقبال کے مکان پر خاصی رونق رہی دو باوردی سپاہیوں کے علاوہ سفید کپڑوں میں خفیہ ایجنسیوں کے درجن افراد گیٹ کے سامنے کھڑے رہے۔ جب کہ پنجاب مسلم لیگ کے جنرل سیکریٹری کبیر علی واسطی مہمانوں کا خیر مقدم کرتے رہے ● اجلاس پچاس منٹ کی تاخیر سے شروع ہوا۔ جب کہ قائم مقام کنوینر خواجہ خیر الدین نصف گھنٹے کی تاخیر سے پہنچے انہوں نے آغاز میں اجلاس کی صدارت کی تاہم مسٹر رسول بخش پلیجو کے کنوینر شپ سنبھالنے کے بعد خواجہ صاحب نے سیکریٹری جنرل کے فرائض سنبھال لئے کنوینر شپ کے مسئلے پر گرما گرم

(باقی صفحہ ۸ کالم ۵ پر)

بقیہ: جھلکیاں ایم آر ڈی

بحث ہوئی ● سب سے پہلے تحریک استقلال کے واحد نمائندے مسٹر وردگ اجلاس میں شرکت کے لئے پونے دس بجے پہنچے انہیں آج صبح ہی ایئر مارشل ریٹائرڈ اصغر خان نے ٹیلیفون پر اجلاس میں شرکت کی ہدایت کی تھی۔ تحریک کے اس اچانک فیصلے کا مختلف رہنماؤں پر خوشگوار اثر ہوا مسٹر وردگ نے کہا کہ ہم نے اس یقین پر کہ یہ مجلس عمل کا اجلاس ہے۔ شرکت کا فیصلہ کیا ● سندھ عوامی تحریک کے فاضل راہو اور رسول بخش پلیجو کا اجلاس میں پرجوش خیر مقدم کیا گیا وہ تمام رہنماؤں سے گلے ملے۔ ● دو بجے ایم آر ڈی کے رہنماؤں نے حاجی اقبال کی دعوت ظہرانہ میں شرکت کی اس موقع پر بھی مختلف رہنماؤں نے تبادلہ خیال کیا میر غوث بخش بزنجو نے مولانا فضل الرحمن کے کسی بیان پر خوشگوار موڈ میں شکوہ کیا پھر دونوں رہنما ایک طرف ہو کر بات چیت کرنے لگے۔

(۳۸)

دفاع، خارجہ، کرنسی اور مواصلات کے سوا تمام محکمے صوبوں کے حوالے کر دیئے جائیں

مرکز صوبوں کے معاملات میں عدم مداخلت کی ٹھوس ضمانت دے، پیپلز پارٹی ایم آر ڈی کی مرضی کے خلاف کسی انتخاب میں حصہ نہیں لے گی اور تحریک بحالی جمہوریت سے اپنا اتحاد برقرار رکھے گی: ایم آر ڈی کے دو روزہ اجلاس کے بعد کنوینر رسول بخش پلیجو کی پریس بریفنگ

راولپنڈی، ۲۰ جون (نمائندہ نوائے وقت) ایم آر ڈی صوبائی خود مختاری یقینی بنانے کے لیے اس مسئلے پر متفق ہو گئی ہے کہ مرکز صرف چار بنیادی یعنی دفاع، خارجہ، کرنسی اور مواصلات اپنے پاس رکھنے کا مجاز ہے جبکہ بقیہ تمام محکمے صوبوں کو منتقل کر دیئے جائیں۔ اس کے علاوہ صوبوں کے معاملات میں عدم مداخلت کے لیے مرکز ٹھوس ضمانت فراہم کرنے کا بھی پابند ہو گا۔ اس امر کا اعلان آج ایم آر ڈی کے دو روزہ اجلاس کے اختتام پر ایم آر ڈی کے کنوینر رسول بخش پلیجو نے پریس بریفنگ کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ اس اجلاس میں شریک تمام جماعتوں کے نمائندوں میں مکمل افہام و تفہیم پائی گئی اور ہر کا ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو بڑے صبر و تحمل سے سنا اور جو فیصلے کیے گئے انہیں ایم آر ڈی کی تمام جماعتوں کی بھرپور تائید حاصل ہے۔ انہوں نے کہا کہ

باقی صفحہ ۷ کالم ۳ پر ملاحظہ فرمائیں

راولپنڈی میں ایم آر ڈی کے اجلاس کا ایک منظر (فوٹو نوائے وقت)

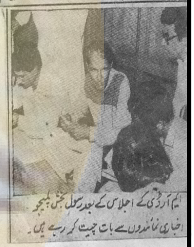

ایم آر ڈی کے اجلاس کے بعد رسول بخش پلیجو اخباری نمائندوں سے بات چیت کر رہے ہیں۔

بقیہ: ایم آر ڈی صفحہ اول سے آگے

اجلاس میں صوبائی خود مختاری کے مسئلے پر مختلف فریقین نے اپنا اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔ تاہم خاصے غور و خوض کے بعد یہ بات اصولی طور پر تسلیم کر لی گئی کہ صوبائی خود مختاری کی ضمانت صرف اسی صورت میں فراہم کی جا سکتی ہے جب مرکز کے پاس کم از کم محکمے ہوں اور صوبے اپنے معاملات میں آزاد و خود مختار ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ایک کمیٹی قائم کی گئی ہے جس کے کنوینر ملک قاسم اور سیکرٹری بی ایم کٹی ہوں گے۔ یہ کمیٹی صوبائی خود مختاری کے حوالے سے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے گی، اور ایم آر ڈی کے اس بنیادی نقطہ نظر کی روشنی میں اپنی رپورٹ تیار کرے گی۔ اس کے علاوہ مرکز کی جانب سے صوبوں کے معاملات میں عدم مداخلت کے متعلق ضروری ضمانتوں کی فراہمی کے بارے میں بھی غور و خوض کرے گی اور ایسے اقدامات تجویز کرے گی جن کی بدولت مرکز صوبوں کے معاملات میں کم سے کم مداخلت کر سکے۔ انہوں نے کہا کہ ایم آر ڈی جن مقاصد کے لیے قائم ہوئی تھی ان کے حصول میں اب تک اس نے جس کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے، اس کا بھی جائزہ لیا جائے گا اور ایک کمیٹی بنائی گئی ہے جو ایم آر ڈی میں شامل جماعتوں کے فکری اختلافات کا بھی جائزہ لے گی۔ انہوں نے کہا کہ فتح یاب علی خان اس کمیٹی کے کنوینر اور یار علی سیکرٹری ہوں گے۔ اس کمیٹی میں ہر جماعت کا ایک نمائندہ بھی شامل ہو گا۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے بتایا کہ ایک کمیٹی قراردادوں کی تیاری کے لیے قائم کی گئی ہے جو ایم آر ڈی کے اس دو روزہ اجلاس کے فیصلوں کی روشنی میں قراردادیں تیار کرے گی جو اخبارات کو کل جاری کی جائیں گی۔ انہوں نے کہا کہ اس اجلاس میں ایم آر ڈی کی کارکردگی سے متعلق ملک قاسم کی کنوینر شپ میں قائم ہونے والے کمیٹی کی رپورٹ پر بھی غور کیا گیا۔

رسول بخش پلیجو نے کہا کہ اجلاس میں مولانا فضل الرحمٰن اور پاکستان پیپلز پارٹی کے نمائندوں نے اپنے اپنے طرز عمل اور نقطہ نظر کی وضاحت کی جس کے بعد مولانا فضل الرحمٰن نے یہ یقین دلایا کہ وہ پاکستان پیپلز پارٹی کے بارے میں اپنی جماعت کی قومی کونسل کو جلد ہی اعتماد میں لیں گے۔ انہوں نے کہا کہ اجلاس میں پیپلز پارٹی نے یہ یقین دلایا ہے کہ وہ ایم آر ڈی کا ایک حصہ ہے اور ایم آر ڈی کی مرضی کے خلاف کسی انتخاب میں حصہ نہیں لے گی اور ایم آر ڈی سے اپنی وابستگی کو بہر صورت برقرار رکھے گی۔ انہوں نے کہا کہ جہاں تک پیپلز پارٹی کے سیاسی طرز عمل پر کی جانے والی نکتہ چینی کا تعلق ہے تو پیپلز پارٹی نے یہ وضاحت کر دی ہے کہ اس کا طرز عمل ایم آر ڈی کے دائرہ کار کے مطابق تھا اور اجلاس نے پارٹی کے اس موقف کو تسلیم کر لیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان پیپلز پارٹی نے یقین دلایا ہے کہ وہ ضمنی انتخابات میں حصہ نہیں لے گی۔

ایک سوال کے جواب میں رسول بخش پلیجو نے کہا کہ ایم آر ڈی کو مستقل ڈھانچہ قرار دینے کی کوئی تجویز اجلاس میں زیر غور نہیں آئی تاہم ایم آر ڈی کے ۲۳ جولائی کو ہونے والے اجلاس میں ایم آر ڈی کے سیکرٹری جنرل سمیت دیگر تمام عہدوں کا انتخاب میٹنگ کے ایجنڈے میں سرفہرست ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس اجلاس میں درمیانی مدت کے انتخابات اور انتخابی اتحاد کا مسئلہ بھی زیر غور نہیں آیا اور نہ ہی پیپلز پارٹی کی جانب سے یوم سیاہ منانے کے پروگرام پر غور و خوض کیا گیا۔ انہوں نے کہا جہاں تک پاکستان پیپلز پارٹی اور تحریک استقلال کے رویے کا تعلق ہے دونوں جماعتوں نے اس مسئلے پر خاصا غور و خوض کیا اور توقع ہے کہ ان دونوں جماعتوں کی قیادت کو ایک دوسرے سے آئندہ کوئی شکایت پیدا نہیں ہو گی۔ انہوں نے یہ بات زور دے کر کہی کہ ایم آر ڈی کی صفوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور عوام ایم آر ڈی پر بھرپور اعتماد کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں اور آمریت کے خلاف ہمارا اتحاد اس بات کا ثبوت ہے کہ ایم آر ڈی کی لگن کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ انہوں نے کہا کہ اتحاد ایک مسلسل عمل کا نام ہے اور ایم آر ڈی عوامی خواہشات کے مطابق ۱۹۷۳ء کے آئین کی بحالی کے لئے اپنی جدوجہد جاری رکھے گی لیکن وہ یہ بات بھی واضح کر دینا چاہتی ہے کہ ۱۹۷۳ء کا آئین آئیڈیل آئین نہیں ہے اور عوام کو ان کی خواہشات کے مطابق حقوق دلانا ایم آر ڈی کا بنیادی مقصد ہے۔

21/6/86

نوائے وقت

پنڈی

روزنامہ جنگ کراچی (2) ۱۰ جولائی ۱۹۸۶ء

رسول بخش پلیجو کی حمایت اور مخالفت میں مظاہرہ

لاہور (نمائندہ جنگ) عوامی تحریک کے سیکرٹری جنرل اور ایم آر ڈی کے کنوینیئر رسول بخش پلیجو کی لاہور ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن میں متوقع آمد کے موقع پر وکلاء اور سیاسی کارکنوں کے دو گروپوں نے مخالفت اور حمایت میں زبردست مظاہرہ کیا جو دو گھنٹے تک بار روم کے باہر جاری رہا۔ مظاہرین میں بار کے صدر محمد امین بھی شامل تھے جن کے خلاف بعد میں ایک قرارداد کے ذریعے عدم اعتماد کا اظہار کیا گیا۔ مسٹر پلیجو، جنہوں نے بار کے بعض عہدیداران سے وعدہ کیا تھا کہ وہ بار سے خطاب کرنے کیلئے آئیں گے، نہیں آئے۔ گزشتہ روز وکلاء میں ان کے خطاب کرنے کے سلسلے میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا تھا۔ مخالفین میں بار کے صدر بھی شامل تھے جبکہ دونوں نائب صدور سلیم ملک، رانا عیش بہادر اور سیکرٹری ملک کرامت علی اعوان اور شکور طارق ان کے خطاب کے حق میں تھے اور

باقی صفحہ 15 کالم 4 پر

پلیجو/مظاہرہ

انہوں نے اجلاس کا انتظام بھی کر لیا تھا جس کی باقاعدہ کارروائی بھی شروع ہو چکی تھی جس کی صدارت نائب صدر سلیم ملک نے کی۔ اجلاس سے چودھری اعتزاز احسن، رانا عیش بہادر، احسان وائیں، ایس ایم مسعود، میاں عبدالستار نجم، عارف اقبال بھٹی اور محمد کاظم خان نے خطاب کیا۔ اجلاس کے دوران بار بار یہ اعلان ہوتا رہا کہ مسٹر پلیجو آنے ہی والے ہیں لیکن جب وہ ساڑھے بارہ بجے تک نہیں آئے تو ان کی آمد کی منسوخی کا اعلان کر دیا گیا اور اجلاس برخاست ہو گیا لیکن اس دوران بار کے باہر مظاہرہ ہوتا رہا۔ مظاہرہ کرنیوالے وکلاء قائداعظم، علامہ اقبال اور محمد بن قاسم زندہ باد کے نعرے لگاتے رہے جبکہ مسٹر پلیجو کے حامی وکلاء اور سیاسی کارکن پلیجو زندہ باد اور بعض شخصیتوں کا نام لیکر مردہ باد کے نعرے لگاتے رہے دونوں گروپ آمنے سامنے کھڑے ہو کر یہ مظاہرہ کر رہے تھے سندھی پنجابی بھائی بھائی کے نعرے بھی لگائے گئے۔ بار کے نائب صدر رانا عیش بہادر نے اسٹیج سے اعلان کیا کہ اگر مسٹر پلیجو کو بار میں نہ آنے دیا گیا تو ہم بھی محمد خان جو نیجو کو لاہور ہائیکورٹ بار سے خطاب نہیں کرنے دیں گے مسٹر پلیجو آگ کا دریا عبور کر کے ہمارے پاس آئے ہیں جس پر ہال میں بیٹھے ہوئے وکلاء اور سیاسی کارکنوں نے زور زور سے تالیاں بجائیں اجلاس کا سلسلہ جاری تھا کہ بار کے سیکرٹری کرامت علی اعوان نے ایک قرارداد پیش کی جس میں کہا گیا کہ بار کے صدر ملک محمد امین نے باہر مظاہرہ کروا کے صوبائی تعصب کو ہوا دینے کی کوشش کی ہے اس لئے ان کے خلاف یہ ایوان عدم اعتماد کرتا ہے ہال میں بیٹھے ہوئے وکلاء نے ہاتھ کھڑے کر کے اس قرارداد کی تائید کی اور اس کے بعد ایک وکیل اور بعض کارکنوں نے بورڈ پر لکھے ہوئے بار کے صدر ملک محمد امین کا نام چاک سے مٹا کر سلیم ملک کا نام بطور صدر لکھ دیا اور اس کے بعد ملک محمد امین کے خلاف "جعلی صدر" "معزول صدر" مردہ باد کے نعرے لگائے گئے جب اجلاس اور مظاہرہ ختم ہو گیا تو بار کے صدر ملک محمد امین ہال میں آئے جہاں نمائندہ جنگ سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ میں اس معاملے میں فریق نہیں بنا۔ میرا یہ فرض تھا کہ میں مسٹر پلیجو کو بار میں آنے سے روکوں۔ انہوں نے پنجاب بار کونسل کے رول ۸۲ کا حوالہ دیتے ہوئے عدم اعتماد کی قرارداد کو غیر آئینی قرار دیا اور کہا کہ یہ اجلاس بھی غیر آئینی تھا۔ انہوں نے مظاہرے کا جواز پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں نے یہ حکومت کو خوش کرنے کیلئے نہیں بلکہ اپنا فرض سمجھ کر کیا۔ انہوں نے اجلاس کو "پیپلز پارٹی کا شو" قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ "روسی ایجنٹوں اور راجہ داہر کے حامیوں" کا شو تھا۔ قبل ازیں اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے چودھری اعتزاز احسن نے کہا کہ مسٹر پلیجو نے کسی کی شان میں گستاخی نہیں کی انہوں نے امن کا پیغام دیا ہے کسی کی عزت پر ڈاکہ نہیں ڈالا۔ ایس ایم مسعود نے کہا کہ حسین شہید سہروردی کو پنجاب میں بار کی رکنیت نہ دیکر ہم نے پہلے بھی غلطی کی تھی جس کی وجہ سے پاکستان ٹوٹ گیا۔ یہ وقت چھوٹے صوبوں کو متحد کرنے کا ہے۔ احسان وائیں نے مسٹر پلیجو کو جمہوریت کا ہیرو قرار دیا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ملک محمد قاسم اور سید افضل حیدر بھی بار روم کے باہر موجود تھے صبح ہی سے پولیس کی بھاری جمعیت ضلع کچہری کے اندر اور باہر موجود تھی۔

Daily AMN Karachi
THURSDAY, JULY, 10, 1986.

اسلام کے مجاہد محمد بن قاسم کی لاش پر کوڑے کیوں برسائے گئے تھے

شاہی قلعہ میں تشدد کے خلاف جلوس نکالو، پلیجو پر نکتہ چینی کرنے والوں کو جواب

کراچی ۹ جولائی (اسٹاف رپورٹر) عوامی تحریک کے صدر فاضل راہو اور سینیئر نائب صدر حسین بخش نار یجو نے کہا ہے کہ رسول بخش پلیجو نے تاریخ اسلام اور محمد بن قاسم کے بارے میں جو کچھ کہا وہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے لیکن چونکہ ہمارے ہاں مذہب کے ٹھیکیداروں نے عوام کو تاریخی حقائق سے بے خبر رکھنے اور گمراہ کرنے پر کمر باندھ رکھی ہے اس لئے وہ پلیجو صاحب کی صاف گوئی پر چیخ و پکار کر رہے ہیں اور تاریخی حقائق کو جھٹلانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ فاضل راہو نے کہا کہ جو افراد غیر جانبداری سے تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں اور تاریخی حقائق کو اپنے مفادات کے پیش نظر مسخ نہیں کرتے وہ خوب جانتے ہیں کہ محمد بن قاسم کس کے کہنے پر سندھ آیا تھا وہ یہاں کتنی لڑکیوں کو تلوار کے زور پر اپنے ہمراہ واپس لے گیا تھا اور راستے میں اس کا کیا حشر ہوا۔ انہوں نے کہا کہ محمد بن قاسم کے بارے میں اسلام کے نام نہاد ٹھیکیدار ابھی تک فیصلہ نہیں کر سکے کہ وہ راجہ داہر کے مظالم سے دو عورتوں کو نجات دلانے کے لئے سندھ آیا تھا یا اس کا مقصد اس علاقے میں اسلام پھیلانا تھا رسول بخش پلیجو کے موقف کی بھرپور حمایت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پلیجو صاحب نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ "چچ نامہ" جیسی قدیم اور عالمی شہرت یافتہ تاریخ میں رقم ہے اگر ملاؤں کو پلیجو صاحب کے بیان پر اتنا شدید دکھ ہوا ہے تو وہ اس تاریخی کتاب پر پابندی لگا دیں لیکن ایسا ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ حقیقت صرف حقیقت ہوتی ہے اور مذہب کے نام پر حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا انہوں نے کہا کہ آخر سادہ لوح عوام کو کب تک بے وقوف بنایا جاتا رہے گا انہوں نے کہا کہ یہ عربوں کی لکھی ہوئی تاریخ ہے کہ محمد بن قاسم دو عورتوں کو راجہ داہر کے مظالم سے نجات دلانے کے لئے سندھ آیا لیکن یہاں سے وہ ہزاروں لڑکیوں کو اپنے ساتھ عرب لے گیا اور عرب مؤرخین نے اس معاملہ پر بھی تفصیل سے لکھا ہے کہ یہاں سے جانے کے بعد محمد بن قاسم کا انجام کیا ہوا کیوں ہوا اور اس کی لاش پر کوڑے کیوں مارے گئے انہوں نے کہا کہ پلیجو نے راجہ داہر کی تعریف نہیں کی کیونکہ وہ راجہ تھا اور مطلق العنان تھا لاہور میں اس بیان کے خلاف جلوس نکالنے کی مذمت کرتے ہوئے فاضل راہو اور حسین بخش نار یجو نے کہا کہ لاہور والے شاہی قلعہ کے خلاف تو کوئی جلوس نہیں نکالتے جہاں ہزاروں بے گناہ افراد پر ظلم و تشدد کے ایسے ایسے پہاڑ ڈھائے جاتے ہیں کہ بیان نہیں کیا جا سکتا جلوس نکالنے والوں کو شاہی قلعہ میں مظلوموں اور بیگناہوں کیساتھ ہونے والے خوفناک اور غیر انسانی سلوک پر کوئی تکلیف نہیں ہوتی لیکن محمد بن قاسم کے بارے میں حقیقت بیانی سے ان کے مذہبی جذبات فوراً مجروح ہو جاتے ہیں کیا انسانوں پر ظلم ڈھانا مذہب میں جائز ہے انہوں نے کہا کہ لاہور میونسپل کارپوریشن کے میئر شجاع الرحمٰن کی قیادت میں یہ جلوس نکالا گیا لیکن لاہور میونسپل کی حدود کے اندر جو بدنام زمانہ ہیرا منڈی ہے اس کے خلاف تو شجاع الرحمٰن نے آج تک کوئی جلوس نہیں نکالا جہاں دنیا بھر کی غلاظت اور گندگی جمع ہے شاید وہاں کے "مکینوں" سے شجاع الرحمٰن کو "دلی ہمدردی" ہے انہوں نے کہا کہ مسلمان بادشاہوں کی تاریخ قتل و غارت گری اور انتقام کی تاریخ ہے تخت و تاج کے لئے بیٹے نے باپ کے خلاف بھائی نے بھائی کے خلاف اور ماں نے بیٹے کے خلاف جنگ کو ہمیشہ جائز سمجھا ہماری تاریخ یہاں تک محدود... ہے یا پھر جس شاعر نے بادشاہ کی تعریف کر دی قصیدہ خوانی کی تو اس کا منہ ہیرے جواہرات سے بھر دیا گیا اور جس سرپھرے نے ان کے سامنے سچ بات کہہ دی تو وہیں کھڑے کھڑے اس کا سر قلم کر دیا گیا کیا کوئی اس حقیقت سے انکار کرنے کی جرأت کر سکتا ہے انہوں نے یہ بھی کہا کہ بہاؤالدین ذکریا یونیورسٹی میں آج بھی ایک ایسی کتاب موجود ہے جس میں لکھا ہے کہ محمد بن قاسم کو حجاج نے سندھ صرف اس لئے بھیجا تھا کہ وہ وہاں جا کر اس کے سیاسی مخالفین "سیدوں" کا کام تمام کرے۔ ان رہنماؤں نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ ہم ابھی تک حقیقت پسند نہیں بن سکے ہیں بلکہ ہم حقائق کو اپنے مفادات کے پیش نظر توڑنے مروڑنے کے عادی ہو گئے ہیں اس لئے ملاؤں اور مذہب کے ٹھیکیداروں کو پلیجو صاحب کی حقیقت بیانی پر دلی صدمہ ہوا ہے۔

DAILY
NAWA-I-WAQT
LAHORE

روزنامہ
نوائے وقت
لاہور
بانی حمید نظامی مرحوم
ایڈیٹر مجید نظامی
لاہور، کراچی، راولپنڈی اور ملتان سے بیک وقت شائع ہوتا ہے

جلد ۴۶	پیر ۲۹ شوال المکرم ۱۴۰۶ھ، ۷ جولائی ۱۹۸۶ء، ۲۴ ہاڑ ۲۰۴۳ب فون نمبر: ۳۰۲۰۵۰ تا ۵۴ قیمت: دو روپے	صفحات ۱۲	رجسٹرڈ نمبر ایل ۷۵۹۹	شمارہ ۲۹۳

کسی جرنیل نے اسلام کی کوئی خدمت نہیں کی، رسول بخش پلیجو

ہم نے اپنی قوم و ثقافت سمیت ہر چیز میں ملاوٹ کر رکھی ہے کوئی چیز بھی "گاؤ ماتا" نہیں

سندھ میں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ پنجاب جانا غداری کے مترادف ہے

لاہور ۶ جولائی (نامہ نگار) ایم آر ڈی کے مرکزی کنوینر اور پاکستان عوامی تحریک کے سیکرٹری جنرل مسٹر رسول بخش پلیجو نے کہا ہے کہ ہم نے اپنی قوم اور ثقافت سمیت ہر چیز میں ملاوٹ کر رکھی ہے اس لئے ہمیں مصنوعی پن سے نکل کر حقائق کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور کسی بھی چیز کو اتنا مقدس نہیں بنانا ہو گا کہ اس پر کوئی بات ہی نہ کی جا سکے۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے آج رات پاکستان بار کونسل کے رکن سید افضل حیدر اور مسٹر وقار اویس کی جانب سے دیئے گئے

باقی صفحہ آخر کالم ۳

نوابزادہ نصر اللہ اور پلیجو مصافحہ کر رہے ہیں

بقیہ: جرنیل صفحہ اول سے آگے

عشائیہ میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ اس تقریب میں نواب زادہ نصر اللہ خان ایس ایم ظفر، ملک محمد قاسم چودھری محمد ارشد، پرویز صالح، شیخ رفیق احمد، ملک معراج خالد، ڈاکٹر مبشر حسن، سردار شوکت علی، راؤ عبدالرشید، منصور ملک، اور دیگر وکلا، دانشوروں اور سیاسی کارکنوں نے بھی شرکت کی۔ مسٹر رسول بخش پلیجو نے اپنی تقریر میں کہا کہ جہاں سے میں پنجاب آیا ہوں وہاں کے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ پنجاب جانا غداری کے مترادف ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کی بنیاد ہی ایسے تضادات پر ہے جو کسی اور ملک کو درپیش نہیں۔ انہوں نے کہا کہ جس خطہ میں ہم رہتے ہیں وہ اپنے تاریخی سفر میں کبھی بھی ایک ریاست نہیں تھا۔ البتہ مختلف اوقات میں اس خطہ کی دلی وابستگی ضرور رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ پنجاب اور سندھ کی ثقافت میں نمایاں فرق موجود ہے اور دونوں علاقوں کے ملازموں کی پہچان بھی مختلف انداز میں کی جاتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں جھوٹی تاریخ تیار کی گئی ہے اس لئے اس بات کا پتہ چلانے کے لئے ایک بورڈ بیٹھنا چاہئے کہ جھوٹی تاریخ کون لکھ رہا ہے انہوں نے کہا کہ ہم نے جنگ کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ ہمیشہ وردی کی پوجا کا تصور پیدا ہوتا ہے اور جس کے ہاتھ ڈنڈہ ہو وہ امیر المومنین ہوتا ہے۔ انہوں نے استفسار کیا کہ آیا اسلام میں اقتدار پر ناجائز قبضہ کرنا جائز ہے کیونکہ اسلام اور مذہب کے نام پر ہمیں جو روایتیں بتائی گئی ہیں وہ ہماری پارٹی میں زنجیریں ہیں۔ جبکہ ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسلام کی ۱۴ صدیوں تک غلط تشریح کی گئی ہے اور حکمران طبقہ نے اسلام کو اپنے مفادات کے لئے استعمال کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کسی جنرل نے اسلام کی کوئی خدمت نہیں کی۔ جبکہ اس طبقہ نے غیر جمہوری اور فسطائی نظام قائم کر کے اس پر اسلام کا ٹھپہ لگایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ تقسیم ہند کے بعد ہمارے حصے میں جاگیردار زمیندار وڈیرے آئے جبکہ بھارت کو ٹاٹا۔ برلا۔ ٹیگور اور دیگر شخصیات ملیں اس طرح ہمیں ورثے میں خدمت کرنا نہیں ملا بلکہ تلوار لے کر حکومت کرنے کی عادت ہمیں ورثے میں ملی ہے۔ انہوں نے کہا کہ پنجاب بھی مظلوم اور مقہور تھا اور اس پر بھی تلوار چلتی تھی لیکن تاریخ میں یہ لکھا گیا کہ پنجاب پر چڑھائی نہیں ہوئی بلکہ یہ تو اسلام کی فتح تھی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کی اصلی تہذیب پر پاکستانیوں کے لئے پابندی ہے اور یہ مصنوعی چیز کو رائج کیا جا رہا ہے۔ اور مصنوعی طور پر ہی خود کو قوم کہا جا رہا ہے جبکہ در حقیقت ہم قوم نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کوئی چیز بھی گاؤ ماتا نہیں کہ اسے چھوا بھی نہ جا سکے۔

102

8/7/86 جسارت

8/7/86

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پلیجو کا بیان ناقابلِ معافی ہے، محمود اعظم فاروقی

جاگیرداروں کو استحصال کی علامت کہنے والے سب سے بڑے جابر کو اپنا ہیرو قرار دیتے ہیں

ایم آر ڈی کے دیگر رہنما اپنے اتحادیوں کا سختی سے نوٹس لیں

کراچی ۷ جولائی (اسٹاف رپورٹر) جماعت اسلامی کراچی کے امیر جناب محمود اعظم فاروقی نے ایم آر ڈی کے کنوینر رسول بخش پلیجو کے بیان پر شدید رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ پلیجو نے قرآن، اسلام پاکستان اور مسلمانوں کے تاریخی ورثے کے بارے میں جو کچھ کہا ہے۔ اسے ناقابل معافی جسارت اور سنگین مذاق کے سوا کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ انھوں نے کہا کہ رسول بخش پلیجو کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ محمد بن قاسم ایک مسلمان خاتون کی پکار پر یہاں آیا اور اس نے انسانیت اور انسانوں کی توہین کے مرتکب ایک ظالم لٹیرے کی چیرہ دستیوں سے اس علاقے کے انسانوں کو نجات دلائی۔ انھوں نے رسول بخش پلیجو کے اس تضاد فکر پر حیرت کی کہ ایک طرف تو وہ جاگیرداروں اور وڈیروں کو ظلم و استحصال کی علامت کہتے ہیں اور دوسری طرف ایک ایسے شخص کو اپنا ہیرو قرار دیتے ہیں جو اپنے وقت کا سب سے زیادہ ظالم، جابر اور استحصال پسند تھا۔ انھوں نے کہا کہ جناب پلیجو پاکستان اور اس کے عوام کو ایک بار پھر اس ظالمانہ شخصی نظام کی طرف لوٹانا چاہتے ہیں جس سے صدیوں کی جدوجہد سے نجات حاصل کی گئی تھی اس کی نجات کا باعث مسلمانوں کا ہیرو تھا۔ انھوں نے کہا کہ فاد دیانی

باقی صفحہ ۸ کالم ۸ پر

روزنامہ جنگ کراچی (10) ۹ جولائی ۱۹۸۶ء

۱۹۴۷ء میں صوبائی حقوق کے معاملہ کو سمجھا جاتا تو مشرقی پاکستان الگ نہ ہوتا، پلیجو

ہمیں اپنے اندر کی نفرتوں کا جائزہ لینا چاہیئے، عشائیہ سے خطاب

لاہور (نمائندہ جنگ) ایم آر ڈی کے کنوینر رسول بخش پلیجو نے کہا ہے کہ صوبائی حقوق کا معاملہ صوبائی مسئلہ نہیں یہ پاکستان کا مسئلہ ہے حکمرانوں نے عوام کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کیلئے ملکی سالمیت کو خطرہ اور صوبائیت جیسے مصنوعی الزام عائد کئے ہیں اگر ۴۷ء سے ہی صوبائی حقوق کے مسائل کو پاکستان کے مسائل سمجھا جاتا تو نہ مشرقی پاکستان الگ ہوتا اور نہ بلوچستان میں عوام قتل ہوتے۔ وہ اپنے اعزاز میں اعتزاز احسن کی جانب سے دیئے گئے

عشائیہ سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ آج سندھ جل رہا ہے سندھ دکھی اور مظلوم ہے وہ غصے میں ہے سندھ میں کہا جاتا ہے کہ پنجاب ظلم کر رہا ہے یہ سراسر جھوٹ ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ پنجاب

(صفحہ ۶ کالم ۸ پر ملاحظہ فرمائیں)

پلیجو

کے لوگ جنگ کے شوقین ہیں ہمیں جنگ کی نہیں امن کی ضرورت ہے۔ پنجاب کے نوجوانوں کو فتح نہیں بلکہ دوستی کی ضرورت ہے انہوں نے کہا کہ اپنی سوچ کو بدلنا مشکل ترین کام ہے ہمیں اپنے اندر نفرتوں کا دوبارہ غور کر کے جائزہ لینا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت نے سندھ میں ڈاکوؤں کو خود پالا ہے۔ سندھیوں کو پاکستان بنانے کی یہ سزائیں ملنی چاہئیں کہ وہ اپنے پانچ ہزار سال پرانے وطن میں اقلیت بن جائیں۔ پی پی آئی کے مطابق رسول بخش پلیجو نے پاکستان کے عوام سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اجتماعی فکر کی ترویج اور عالمی امن کیلئے کام کریں۔